دُنیائے جوان

آیت اللہ سید محمد حسین فضل اللہ



دار الثقلین

دنیائے جوان

(عصری مسائل پر قرآنی تعلیمات کی روشنی میں ایک مفصل گفتگو)

آیت اللہ سید محمد حسین فضل اللہ (لبنان)

ناشر

دار الثقلین

پوسٹ بکس نمبر ۲۱۳۳، ناظم آباد، کراچی ۷۴۶۰۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب : دنیائے جوان

اثر : آیت اللہ سید محمد حسین فضل اللہ

ترجمہ : سید سعید حیدر زیدی

ناشر : دارالثقلین

طبع اول : ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ، جولائی ۲۰۰۰ء

طابع : ایس، ایم، پرنٹرز

قیمت : ۷۵ روپے

فہرست

عرض ناشر ---------------------------------- ۱۳

مقدمہ ---------------------------------- ۱۵

۱ - قرآن کی روشنی میں ---------------------------------- ۲۵

گفتگو، تربیت کا ایک ذریعہ ---------------------------------- ۲۶

گفتگو کے ذریعے نصیحت ---------------------------------- ۲۷

عقل اور جذبات کا امتزاج ---------------------------------- ۲۷

نصیحت کا قرآنی اسلوب ---------------------------------- ۲۸

نصیحت بذریعہ نمونہء عمل ---------------------------------- ۲۹

نصیحت لینے والا ---------------------------------- ۳۰

ابراہیمی تربیت ---------------------------------- ۳۱

الٰہی انسان ---------------------------------- ۳۳

اسلام ایک تربیتی اسلوب ---------------------------------- ۳۵

جذباتی احساسات اور نفس کے خلاف جنگ ---------- ۳۶

باپ اور بیٹا ---------- ۳۷

شخصیت میں رسالی اور انسانی پہلو کی آمیزش ---------- ۳۸

انبیاء کی اولادیں بھی دوسروں کی مانند ہوتی ہیں ---------- ۴۰

گمراہ معاشرے کا اثر ---------- ۴۰

رسالت سے خیانت ---------- ۴۲

ماں کا اثر ---------- ۴۳

صداقت شبہوں کا ازالہ کرتی ہے ---------- ۴۵

گمراہ کن ماحول اور اخلاقی مانع ---------- ۴۷

پردۂ ایمانی ---------- ۴۸

اخلاقی مانع ---------- ۴۹

پیغمبرانہ روح ---------- ۵۰

کیا عورت بھی ایسے کردار کی مالک ہو سکتی ہے ---------- ۵۲

عقدۂ حسد ---------- ۵۳

عصر ائمہ میں ---------- ۵۴

دعوت کے دوران ---------- ۵۵

حسد کا کوئی فائدہ نہیں ---------- ۵۶

حاسد کو ذرا سوچنا چاہئے ---------- ۵۷

معنوی ضعف ---------- ۵۹

دوستی کا مناسب ماحول ---------- ۶۰

روابط میں جذبات و عواطف کا کردار ---------- ۶۲

برے دوستوں سے پرہیز ---------- ۶۳

ایک قرآنی مثال ---------- ۶۴

دوست میدان حشر میں ---------- ۶۶
دوستوں کے حقوق ---------- ۶۷
نماز کی تاکید ---------- ۶۷
داعیان دین کی ذمہ داری ---------- ۶۸
والدین سے حسن سلوک ---------- ۷۰
والدین کی عظیم خدمات ---------- ۷۱
والدین کے بالمقابل اولاد کی ذمہ داریاں ---------- ۷۳
محبت کا ہدایت میں بدلنا ---------- ۷۴
والدین کی خوشنودی کی حدود ---------- ۷۵
قول و فعل کی ہم آہنگی ---------- ۷۶
گوشہ نشینی ---------- ۷۸
عبادت کا وسیع مفہوم ---------- ۷۹
ارادۂ الٰہی کی انجام دہی ---------- ۸۰
عدالت کا قیام ---------- ۸۰
قرآنی جوان ---------- ۸۱
ضمیمہ ء احادیث (۱) ---------- ۸۳
۲ - نقطۂ انقلاب ---------- ۹۱
سعادت و شقاوت ---------- ۹۲
یہ جبر نہیں ہے ---------- ۹۳
وراثت اور انسانی ارادہ ---------- ۹۴
ماحول تبدیل کرنے کے سلسلے میں انسان کی قدرت ---------- ۹۵
ماحول کی طرف سے استضعاف ---------- ۹۶
عذر رکھنے والے اور عذر نہ رکھنے والے ---------- ۹۷

پوری جد و جہد کرنا ---------------- ۹۸
عقیدے میں تقلید ---------------- ۹۹
بلوغ اسلامی نکتہ ء نگاہ سے ---------------- ۱۰۱
بلوغ ایک طبیعی حالت ہے ---------------- ۱۰۲
اسلام اور بچوں کی نگہداشت ---------------- ۱۰۳
نوجوان اور کج رفتاری ---------------- ۱۰۴
نوجوانی اور ذمہ داری ---------------- ۱۰۵
نصیحت و رہنمائی ---------------- ۱۰۵
استمنا یا خود لذتی --- مجرم کون ہے؟ ---------------- ۱۰۶
جلد شادی ---------------- ۱۰۷
ازدواج موقت (متعہ) --- اور جنسی مسئلے کو قبیح سمجھنا ---------------- ۱۰۸
جنسی تعلیم اور معاشرتی رجحانات ---------------- ۱۰۹
عشق کے بارے میں اسلام کا نکتہ ء نظر ---------------- ۱۱۰
پاکیزہ محبت اور نفسانی محبت ---------------- ۱۱۳
نوجوانوں کو جنسی تعلیم کس طرح دی جائے؟ ---------------- ۱۱۴
اسلام اور جنسی تعلیم کی بنیاد رکھنا ---------------- ۱۱۵
جنسی تعلیم کی تنظیم کی ضرورت ---------------- ۱۱۷
گھر اور اسکول کی ذمہ داری ---------------- ۱۱۸
جنسی ماحول ---------------- ۱۱۹
عیب کا مفہوم ---------------- ۱۲۰
جنسی مسائل بھی دوسرے علمی مسائل کی مانند ہیں ---------------- ۱۲۱
جنسی فلمیں ---------------- ۱۲۲
دو مختلف نسلیں ---------------- ۱۲۲

ہر زمانے کا ایک خاص اخلاق ہوتا ہے ---------- ۱۲۴
جوان کی زندگی میں مطلوب توازن ---------- ۱۲۵
حیات' مادہ اور روح کا مرکب ---------- ۱۲۶
توازن کی سمت رہنمائی ---------- ۱۲۷
لڑکیوں کی تربیت کی خصوصیات ---------- ۱۲۸
احساس مظلومیت ---------- ۱۲۹
کامیاب بیوی اور شائستہ ماں ---------- ۱۳۰
درشتی' مردانگی نہیں ہے ---------- ۱۳۰
مغربی ممالک میں پناہ گزیں ہونا ---------- ۱۳۲
حرام ہجرت ---------- ۱۳۴
پناہ گزینی کے مسئلے کا جائزہ ---------- ۱۳۵
پولیس کی سرپرستی ---------- ۱۳۹
مشکل' بچوں اور بڑوں' دونوں ہی کے لئے ہے ---------- ۱۴۱
جوان پناہ گزینوں کی دو رخی شخصیت ---------- ۱۴۱
بچے اور ماحول کا اثر ---------- ۱۴۲
ضمیمہ ء احادیث (۲) ---------- ۱۴۵
۳ - تربیت کی ذمہ داری ---------- ۱۵۵
معلم و مربی کی خصوصیات ---------- ۱۵۶
مختلف طریقے اپنانا ---------- ۱۵۸
طلباء سے خوش خلقی سے پیش آنا ---------- ۱۵۹
حوزۂ علمیہ (دینی مدرسے) اور یونیورسٹی کی تعلیم کا موازنہ ---------- ۱۶۰
گھر اور اسکول کے درمیان تعاون ---------- ۱۶۲
نوجوان کی تربیت میں گھر اور اسکول کا کردار ---------- ۱۶۴

سزا اور جزا ---------- ۱۶۴

شریعت کا موقف ---------- ۱۶۵

تربیت، رغبت اور خوف کا آمیزہ ---------- ۱۶۶

قرآن نے دونوں طریقوں سے استفادہ کیا ہے ---------- ۱۶۷

زدوکوب کرنا چاہئے یا نہیں؟ ---------- ۱۶۸

مخلوط تعلیم کے خطرات ---------- ۱۶۹

خواتین کا مختلف میدانوں میں کام کرنا ---------- ۱۷۱

بچوں کے طرز عمل کی پدرانہ نگرانی ---------- ۱۷۱

بچوں سے عادلانہ سلوک ---------- ۱۷۲

معصومؑ کا عمل اسکے جواز کی علامت ہے، وجوب کی نہیں ---------- ۱۷۳

تاسی کے معنی پیروی ہے، ہوبہو نقل نہیں ---------- ۱۷۴

مغربی تمدن سے مرعوب ہو جانا ---------- ۱۷۵

تقلید اور نقالی ---------- ۱۷۶

فنکاروں کی تقلید ---------- ۱۷۷

اسوۂ حسنہ ---------- ۱۷۸

تاثیرپذیری اور شیفتگی کے سرچشمے ---------- ۱۸۰

تقلید کے خلاف فکری یلغار ---------- ۱۸۱

ضمیمہ احادیث (۳) ---------- ۱۸۵

۴ - جوان اور سیاسی و تنظیمی سرگرمیاں ---------- ۱۹۱

سیاست کے بارے میں منفی موقف ---------- ۱۹۲

دین کا راستہ عدل ہی کا راستہ ہے ---------- ۱۹۳

سیاست اور عدالت کا تعلق خود دین ہے ---------- ۱۹۶

سیاست اور اخلاق ---------- ۱۹۷

سیاست اور شریعت ---------- ۱۹۸
جوان اور سیاسی وابستگی ---------- ۱۹۹
خوف کی وجہ سے شمولیت ---------- ۲۰۱
دین و سیاست کی جدائی ---------- ۲۰۲
خواتین اور سیاسی سرگرمیاں ---------- ۲۰۳
عورت کا سربراہ حکومت ہونا ---------- ۲۰۳
ٹریڈ یونین سرگرمیاں اور معاشرے کے طبقاتی ہونے کا مسئلہ ---------- ۲۰۴
تنوع ہے' انتشار نہیں ---------- ۲۰۵
مسلمان طلبا کی عالمی تحریک کی طرف ---------- ۲۰۷
خود تحریک میں ڈوب کے رہ جانا ---------- ۲۰۸
ایک تجویز --- تدریجاً قیادت کی منتقلی ---------- ۲۱۰
ضمیمہ ء احادیث (۴) ---------- ۲۱۳
۵ - شرعی نکتہ ء نظر ---------- ۲۱۷
کھیل کود اور تفریح کی حقیقی مقدار ---------- ۲۱۸
ورزش' جوانوں کی پسندیدہ سرگرمی ---------- ۲۲۰
کھیل کود کی سرگرمیاں ---------- ۲۲۱
گھڑ دوڑ دیکھنا ---------- ۲۲۳
جدید فیشن ---------- ۲۲۴
خواتین کا پردہ ---------- ۲۲۵
فیشن کے مطابق پردہ ---------- ۲۲۶
لباس شہرت ---------- ۲۲۷
اسلامی پردے کی خصوصیات ---------- ۲۲۷
معاشرتی حجاب ---------- ۲۲۹

زناکار کی ذہنیت---------- ۲۳۱
حجاب ذہنی---------- ۲۳۱
حجاب کا اپنے معنی کھو دینا---------- ۲۳۲
حجاب مغرب کی نگاہ میں---------- ۲۳۳
حجاب' قاعدہ عفت (پاکدامنی) کی اساس پر---------- ۲۳۴
حجاب اور فطری خواہش کی سرکوبی---------- ۲۳۵
ظاہر ہونے والی زینت---------- ۲۳۶
عورت پر حرام نگاہ---------- ۲۳۷
خائن نگاہیں---------- ۲۳۹
مشکوک اور قصد لذت سے نگاہ ڈالنا ممنوع ہے---------- ۲۳۹
نظروں کا جھکا لینا' انحراف کے خلاف ڈھال---------- ۲۴۱
نگاہ کے جواز کی شرعی حد---------- ۲۴۲
پردے کا احترام' نظر کے احترام کا تقاضا کرتا ہے---------- ۲۴۲
عورت کی تصویر دیکھنا---------- ۲۴۳
طبی وجوہات کی بنا پر نگاہ ڈالنا---------- ۲۴۴
لڑکی کی ولایت کا مسئلہ---------- ۲۴۵
کنواری لڑکی کے بارے میں احتیاط کی وجہ---------- ۲۴۶
کیا لڑکی اپنے معاملات میں خود مختار ہے؟---------- ۲۴۷
لڑکی کا سن شعور (رشد)---------- ۲۴۷
امر بالمعروف ولایت نہیں ہے---------- ۲۴۸
عرف اور شرع کا اختلاف---------- ۲۴۹
ازدواج موقت (متعہ) کے بارے میں عرف کا موقف---------- ۲۴۹
متعہ گمراہی کے خلاف ایک ڈھال---------- ۲۵۰

تعدد ازدواج ------------------------------ ۳۵۱
جلد شادی مستحب ہے ------------------------------ ۳۵۲
تمباکو نوشی کی حرمت ------------------------------ ۳۵۳
فلم اور ٹیلی ویژن ------------------------------ ۳۵۵
داڑھی صاف کرنا ------------------------------ ۳۵۵
جنس مخالف سے مصافحہ ------------------------------ ۳۵۷
اہل کتاب کی طہارت ------------------------------ ۳۵۸
موسیقی اور اسکا حلال یا حرام ہونا ------------------------------ ۳۵۹
مضمون یا لحن ------------------------------ ۳۶۱
حلال کاموں میں آلات لہو کا استعمال ------------------------------ ۳۶۱
المیہ موسیقی کے آلات ------------------------------ ۳۶۲
عرفانی اشعار گانا ------------------------------ ۳۶۲
کلاسیکی موسیقی ------------------------------ ۳۶۲
اپنے شوہر کے لئے گیت گانا ------------------------------ ۳۶۳
شادی کی تقریبات میں گیت گانا ------------------------------ ۳۶۳
مردوں کی محفل میں عورت کا شعر پڑھنا ------------------------------ ۳۶۳
جذبات بھڑکنے کا مسئلہ ------------------------------ ۳۶۴
شطرنج اور اسکا شرعی حکم ------------------------------ ۳۶۵
شطرنج کے حلال ہونے کا قول ------------------------------ ۳۶۶
دست شناسی اور قسمت کا حال ------------------------------ ۳۶۸
اخبارات اور جرائد میں شائع ہونے والی پیش گوئیاں ------------------------------ ۳۶۸
جادو ایک وہمی اور خیالی حالت ہے ------------------------------ ۳۷۰
تفریح کے وسائل اور ان کے نعم البدل ------------------------------ ۳۷۱

تفریح کے مثبت ذرائع کی تلاش ---------------------- ۲۷۲
ارتکاب حرام کی حوصلہ افزائی کا امکان ---------------- ۲۷۳
عرف سازی ---------------------------------- ۲۷۵
حسد اور نظر بد ------------------------------ ۲۷۷
ضمیمہ ، احادیث (۵) -------------------------- ۲۷۹
۶ - علامہ فضل اللہ کے تجربات ---------------- ۲۸۷
ایام شباب ---------------------------------- ۲۸۸
اسلامی انسان -------------------------------- ۲۸۹
سب انسانوں سے محبت -------------------------- ۲۹۱
آپ نے اپنے بچوں کی تربیت کس طرح کی ہے؟ ------------ ۲۹۲
آپ کے بچپنے کی طرف پلٹتے ہیں ------------------ ۲۹۳
ہمارے تجربات سے استفادے کی کوشش کیجئے ----------- ۲۹۴
اسلام آپ کی گردنوں پر ایک امانت ہے ---------------- ۲۹۶
○ آیت اللہ سید محمد حسین فضل اللہ سے جوانوں کے چند منتخب استفتاءات ۲۹۷
○ آیت اللہ فضل اللہ ' حیات اور خدمات کی ایک جھلک ---------- ۳۰۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

نوجوانی کو اگر انسان کے دوسرے جنم سے تشبیہ دی جائے تو شاید غلط نہ ہو گا۔ انسان جس طرح اپنی پیدائش کے وقت ایک نئی دنیا میں آنکھ کھولتا ہے' ایک قسم کی نئی جسمانی اور ذہنی نشو و نما پاتا ہے' ایک نئے ماحول میں قدم رکھتا ہے' اپنے گرد و پیش کے ماحول اور افراد سے روشناس ہوتا ہے' اسی طرح جوانی کے مرحلے میں قدم رکھنے والا انسان بھی ایک بالکل نئی دنیا کے روبرو ہوتا ہے۔ اس میں نئی جسمانی اور ذہنی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں' اس کے دوست احباب کا حلقہ بڑھتا ہے اور یوں ایک نئے ماحول میں داخل ہو کر لوگوں سے ربط و تعلق استوار کرتا ہے' نئی خواہشات اور تقاضوں کو محسوس کرتا ہے اور انکی تسکین و تشفی کا طالب ہوتا ہے۔ اس موقع پر اسے ایک پرخلوص دوست اور رہنما کی ضرورت ہوتی ہے' ایک ایسے مربی کی ضرورت ہوتی ہے جو انکی خواہشات اور تقاضوں کو مثبت اور صحت مند سمت دے اور جائز راستوں سے انکی تسکین کا دروازہ کھولے' اس کی فکری اور عقیدتی بنیادوں کو مضبوط کرے' اور ان بنیادوں پر اس کی شخصیت کی تعمیر کرے۔

کتاب ہذا "دنیا الشباب" اسی مذکورہ مقصد کے پیش نظر تحریر کی گئی ہے اور اس کے ترجمے کا مقصد بھی یہی ہے۔ بظاہر تو اس کتاب کے مخاطب نوجوان ہیں لیکن تربیت

کے اسلوب اور طریقوں پر گفتگو کے دوران والدین، سرپرستوں اور اساتذہ کو بھی مفید ہدایات دی گئی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ بعض ایسے جدید مسائل پر بھی گفتگو کی گئی ہے جو صرف نوجوانوں ہی سے مخصوص نہیں بلکہ ہر عمر کے افراد کو پیش آسکتے ہیں۔

"دنیا الشباب" کو عربی سے فارسی کے قالب میں جناب مجید مرادی رود پشتی نے ڈھالا ہے اور یہ قم میں قائم اسلام کی انقلابی تعلیمات کے ترجمان ممتاز ادارے "دفتر تبلیغات اسلامی" سے شائع ہونے والے خواتین کے ایک ماہنامے "پیام زن" میں قسط وار شائع ہوئی ہے۔ ہم نے اردو ترجمے کے لئے اسی فارسی ترجمے سے استفادہ کیا ہے۔ فارسی کے علاوہ اس کتاب کے ترکی اور انگریزی تراجم کے بھی کئی کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ امید ہے اردو ترجمے کو بھی ایسی ہی پذیرائی ملے گی۔

ہم ان تمام مومنین کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں جنہوں نے کتاب کی طباعت کے مختلف مراحل میں ہماری مدد و اعانت فرمائی، خدا ان کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔ صرف رسماً نہیں بلکہ قلباً ہم قارئین سے درخواست کرتے ہیں وہ کتاب سے متعلق اپنی آراء و تجاویز اور قیمتی مشوروں سے ضرور آگاہ فرمائیں تاکہ اس کتاب کے آئندہ ایڈیشن اور ادارے کے زیر اہتمام شائع ہونے والی دوسری کتابوں میں بھی ان سے استفادہ کر سکیں۔

والسلام

سکریٹری نشرو اشاعت

دار الثقلین

مقدمہ

رسول کریمؐ کی خوبصورت اور دل نشین ہدایت ہے : میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ جوانوں کے ساتھ نیکی سے پیش آنا، کیونکہ ان کے دل نرم ہوتے ہیں۔

سچ بتایئے، کتنے والدین اور اساتذہ ہیں جو آنحضرتؐ کے اس کلام کی جانب متوجہ ہیں۔ اور اگر کچھ لوگ عملاً اسکی جانب متوجہ ہوتے بھی ہیں، تو نوجوانوں کے ساتھ طرز عمل میں اس کا کتنا کامیاب مظاہرہ کر سکے ہیں۔

نفسیات دانوں اور تربیت اور معاشرتی علوم کے ماہرین نے جوانوں کے بارے میں مختلف نظریات کا اظہار کیا ہے۔

نفسیات دان، جوانی کو طویل نفسانی بحران اور محرکات اور ان کے جوابات کے درمیان شدید کشمکش کا مرحلہ قرار دیتے ہیں۔ اور اس عقیدے کے ساتھ جوان سے سلوک کرتے ہیں کہ وہ اضطراب، بے چینی، پریشانی، غصے (اور اسی طرح کی دوسری کیفیات جو ان کی لغت میں عدم توازن کے زیرِ عنوان آتی ہیں) کی حالت میں زندگی بسر کرتا ہے۔

تربیتی علوم کے ماہرین کا خیال ہے کہ اس دور کا یہ بحران (بالفرض اگر اس دور میں کسی بحران کے وجود کو قبول کیا جائے) شخصیت کی بنیاد پڑنے اور اسکی نشوونما کے سلسلے کا

بحران ہے اور بنیادی طور پر تربیت کے مراکز اس سے نمٹنے کے ذمے دار ہیں' اور انہیں چاہئے کہ جوان کی شخصیت کی تعمیر و تشکیل کے اس مرحلے پر اپنا کردار خوش اسلوبی کے ساتھ ادا کریں۔

معاشرتی علوم کے ماہرین بھی جوان کو اسی پہلو سے دیکھتے ہیں کہ گویا وہ توافق' تغیر اور طرز عمل کے بحران کا شکار ہے۔

کیا سچ مچ "جوانی" بحران ہے؟

ہم اس خیال سے متفق نہیں۔

اگر ہم بحران اور مشکل کے وجود کو مانتے بھی ہیں' تو اسے کہیں اور تلاش کرنا چاہئے' جوانوں میں نہیں۔ کیونکہ جوان تو نرم دل' نیک ضمیر' خوش قلب اور اپنے گرد و پیش کی دنیا سے تفاہم اور تبادلہ خیال کے لئے تیار رہتا ہے۔ یوں 'مشکل جوانوں کی طرف سے نہیں ہے' بلکہ جوانوں کے حوالے سے ہمارے خیالات اور ان سے ہمارا طرز عمل مشکل ساز ہے۔

جی ہاں! جوان (خواہ وہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں) ذاتاً باغی اور سرکش نہیں ہوتے اور بے چینی اور بے قراری ان کی سرشت کا حصہ نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ معاشرہ اور ان کے گرد و پیش کا ماحول (گھر' اسکول یا تربیت کے مراکز) ہے جو بسا اوقات جوان کی لطیف اور نرم و نازک طبع کی رہنمائی کے عمل سے ناواقفیت کی وجہ سے ان کی لطافت اور نرمی کو "درشتی" اور تشدد پسندی میں بدل دیتا ہے۔ یہ جوان کو (جو اپنے بچپنے کی سرحد عبور کر کے رشد و ترقی کے مرحلے میں قدم رکھ چکا ہوتا ہے) غلط طور پر اس کم سن بچے کی مانند سمجھتا ہے جس نے ابھی طفولیت کے دائرے سے قدم باہر نہیں رکھا ہو۔ شاید اس گروہ کے اسی غیر حقیقی طرز فکر کی عکاسی اس شعر میں کی گئی ہے۔

"لم تزل (لیلی) بعینی طفلة"

" لم تزد عن امسی الا اصبعا"

"میری نظر میں لیلیٰ ابھی تک ایک چھوٹی بچی ہے۔ جو (کل سے) ایک انگلی

برابر بھی نہیں بڑھی۔"

جو لوگ' جوانوں کو اس نظر سے دیکھیں' ان سے جوانوں پر دباؤ اور رکاوٹوں میں اضافے اور شریعت کی طرف سے نہیں بلکہ معاشرے کی طرف سے حرام قرار دی ہوئی چیزوں کی تلوار ان کے سروں پر لٹکائے رکھنے کی توقع ہی کی جاسکتی ہے۔ نمونے کے طور پر ہم والدین' مدرسین' معلمین اور مصلحین سے کہتے ہیں کہ وہ اخبارات اور جرائد کے ان صفحات کا مطالعہ کریں جو آپ کے مسائل اور ان کے حل' نفسیاتی و ازدواجی الجھنیں' مشورہ حاضر ہے وغیرہ وغیرہ کے عنوان سے شائع ہوتے ہیں۔ اس مطالعے کے ذریعے انہیں پتا چلے گا کہ بڑی مشکل' نوجوانوں کے مسائل کا غلط ادراک اور مسئلے سے غلط انداز میں نمٹنا ہے۔

نوجوانوں کے مسائل کے غلط ادراک اور ان کے معاملات سے غلط انداز سے نمٹنے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ نوجوان (لڑکے لڑکیاں) اپنی مشکلات اور مسائل کے حل کے سلسلے میں اپنے نزدیکی افراد سے رجوع کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں' یہ لوگ عام طور پر ان کے دوست یا سہیلیاں ہوتی ہیں۔ اور یوں وہ ناقص تجربات اور فلموں اور افسانوں کے ذریعے پیش کئے جانے والے اور اخبارات و جرائد میں شائع ہونے والے غیر اسلامی اصولوں پر استوار خیالی حلوں کے ذریعے اپنی مشکلات اور مسائل کے علاج کی کوشش کرتے ہیں۔

اس صورتحال کے نتیجے میں ممکن ہے جوان (لڑکا یا لڑکی) اپنے گردو پیش کے اس گھٹن زدہ ماحول سے متنفر ہو جائے جو اسے صحیح طور پر نہیں پہچانتا اور اس کے مسائل سے درست طریقے سے نہیں نمٹتا۔ اور احتجاجاً اس سے اپنا رابطہ منقطع کر کے گوشہ نشینی اپنا لے اور معاشرے کی طرف کھلنے والے اپنے دریچے بند کر لے اور ان بند دریچوں کے دوسری طرف اپنے نفسانی' جنسی اور ذہنی خیالات میں غرق ہو کے ایک نئی دنیا بسالے۔ ایسی صورت میں وہ کبھی ایسی سمت پرواز کر جاتا ہے جو اسکے خیال میں اسے بہتر طور پر پہچانتی ہے اور اس سے موافق وہم آہنگ ہے۔ اور کبھی سادہ ترین رد عمل کے

طور پر تمام لوگوں سے عداوت' بے زاری اور ان کے بائیکاٹ کے ذریعے اپنے غم و غصے کا اظہار کرتا ہے۔

آخر کیوں 'ہم نوجوانوں کو یہ منفی موقف اپنانے پر مجبور کردیتے ہیں؟

کیا یہ مناسب نہیں کہ ہم کھلے دل اور خنداں پیشانی کے ساتھ ان کا سامنا کریں اور دلنشین لہجے اور دانائی کے ساتھ ان سے گفتگو کریں اور ان کے لئے قابلِ فہم زبان میں ان سے کہیں کہ ہم آپ کے دوست ہیں' آپ کی بھلائی کے متمنی ہیں۔ ہمیں آپ کا غلطیوں اور خطاؤں کے تلخ جام پینا پسند نہیں۔ آپ کو چاہئے کہ اپنے زمانے کے بارے میں صحیح صحیح معلومات حاصل کرنے کے بعد اس میں قدم رکھیں۔

ایسا شخص جو کسی نئے راستے پر جانا چاہتا ہو' اسکے لئے مناسب ہے کہ وہ اسکے بارے میں تجربہ کار اور علم رکھنے والے لوگوں سے معلومات کرے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو گمراہ' پریشان اور اپنی منزل اور راستے سے دور تر ہوتا چلا جائے گا۔ ہم آپ پر کوئی چیز ٹھونسنا اور واجب کرنا نہیں چاہتے۔ ہماری خیر خواہانہ نصیحتوں اور ہدایات پر اچھی طرح غور و فکر کیجئے۔۔۔ ہم آپ کے گرد موجود تمام دوسرے لوگوں سے زیادہ آپ کے قریب ہیں۔ آپ کی کامیابی ہماری کامرانی اور آپ کی ناکامی ہماری نامرادی ہے' آیئے ایک دوسرے کے ساتھ دوستانہ سلوک کریں۔

یہاں تفاہم کا سبب بننے والا مطلوب اور مناسب نکتہ یہی ہے کہ آیئے ایک دوسرے کے قریب آئیں' ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

نسلِ جوان کی تربیت کی غزل کا شاہ بیت یہی نکتہ ہے جو ہمیں حکمت اور موعظہ حسنہ کے ذریعے مشکلات کے صاف اور شفاف حل کا راستہ دکھاتا ہے اور اس مشکل کے درشتی' سختی اور تحکمانہ راستے سے حل سے منع کرتا ہے۔

ایک دوسرے کو سمجھنا اور سمجھانا' وہ دو موضوعات ہیں جن پر نسلِ جوان کی ہدایت اور رہنمائی کے سلسلے میں بحث و گفتگو ہونی چاہئے۔

کیا ہمارے گھرانوں میں اس دوستانہ اور مخلصانہ طریقے پر عمل کیا جاتا ہے؟

اگر ایسا ہے تو پھر ہم اور ہمارے بچے ایک سعادت مند اور کامیاب زندگی بسر کریں گے۔

ہمارے مدارس اور تعلیم و تربیت کے اداروں میں جوانوں کی امیدوں' آرزوں' اعتماد' زندگی اور ان کے اعتقادات کا سامنا کس انداز سے کیا جاتا ہے؟

اگر ان میدانوں میں ہم نے درست طرز عمل کا مظاہرہ کیا ہے' تو پس' ہم نے اپنی گرانقدر امانتوں کو قابل اعتماد اور پاکیزہ ہاتھوں کے سپرد کیا ہے۔

ہم نہیں چاہتے کہ ہمارے جوان بے پروا' لاابالی' کم ہمت' گمراہ اور تباہ شدہ ہوں۔

ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے معاشرے سے تعلق رکھنے والے جوان ذمے دار اور اپنے زمانے سے آگاہ و آشنا ہوں' تعمیر و ترقی کی جد و جہد میں مصروف ہوں' بلند مقاصد اور تمناؤں کے حامل ہوں اور دوسروں کی اندھی تقلید اور معاشرے سے بگاڑ کی جڑیں کاٹنے کے لئے کوشاں ہوں۔ تاکہ عظیم رتبے اور سربلندی کے مقام پر فائز ہوں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ عزت و توقیر انہیں اسلام کی زیادہ سے زیادہ معرفت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی' اسلام جو دونوں جہانوں کی کامیابی کا ذریعہ ہونے کے ساتھ ساتھ معاشرتی گتھیوں کو سلجھانے اور انسانوں کے سامنے روشن افق کھولنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔

اسلام کے نکتہ نظر سے جوانی' زندگی کے مختلف مراحل کا درمیانی مرحلہ ہے۔ جوانی درحقیقت آگہی' ادراک اور شعور کا دور ہے۔ اگر جوان (لڑکے اور لڑکیاں) ذمے داری کا بوجھ اٹھانے کے قابل نہ ہوتے تو ممکن نہ تھا کہ خداوند عالم شرعی تکلیف کی ذمے داری ان پر ڈالتا' جس کا لازما تعلق' فرمانبرداری' اور جزا و پاداش ہے۔

اس سے بڑی ذمے داری اور کیا ہو گی کہ جوان زمین پر خدا کا خلیفہ ہو اور دوسرے مکلفین کی مانند اپنے شرعی فرائض کی ادائیگی کا پابند ہو۔ اور خود کو انہی کی طرح خدا کے سامنے جوابدہ سمجھے۔ کیونکہ روز قیامت تمام لوگ' مساوی طور پر خدا کے سامنے جوابدہ ہوں گے' اور لوگوں کی جوانی اور پیری کے پیش نظر حکم نہیں لگایا جائے گا' بلکہ اس بنیاد پر ان سے سلوک کیا جائے گا کہ یہ سب' یکساں طور پر مکلف تھے۔

افسوس کہ ہم اپنے یہاں تربیت کے میدان میں ایک تلخ حقیقت کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ وہ افسوسناک حقیقت یہ ہے کہ ہم میں سے بعض لوگ بچے کو اسکی زندگی کے پہلے سات برس اسکے حال پر چھوڑ دیتے ہیں' دوسرے سات برس میں بھی اسی حال میں رہنے دیتے ہیں اور تیسرے سات برس میں بھی اسے کھلا چھوڑے رکھتے ہیں۔ جبکہ ہمیں چاہئے کہ اسکی زندگی کو مختلف مراحل میں تقسیم کریں اور ہر مرحلے کے تقاضے کے مطابق عمل کریں۔ یعنی دوسرے سات برس میں اسے ادب تمیز سکھائیں' اور تیسرے سات برس میں اسکے ساتھ دوست اور مصاحب کا سا طرز عمل رکھیں۔

اسی طرح ہم یہ بھی بھلا بیٹھتے ہیں' یا اس بات کی طرف سے غافل ہوتے ہیں کہ جوانی اور شباب سے قبل کا مرحلہ دراصل جوانی کے مرحلے کی تمہید اور اس میں قدم رکھنے کو آسان بنانے کا مرحلہ ہے' تاکہ انسان نہایت سکون اور بغیر کسی پیچیدگی کے اس مرحلے میں قدم رکھ سکے۔ کیونکہ کسی کے اس دنیا میں آنکھوں پر پٹی باندھے ہوئے داخل ہو کر یہاں کی ہر چیز کو حیرت و استعجاب کی نظروں سے دیکھنے اور خود کو ایک مشکل اور دشوار وادی میں پانے اور کسی کے رفتہ رفتہ اس نئی دنیا کی اشیاء سے واقف ہونے کے بعد اور یہاں کی مشکلات سے نبرد آزما ہونے کی تیاری کے ساتھ اس میں داخل ہونے کے درمیان بہت فرق ہے۔

اسی طرح خود کو کسی آب و ہوا کا عادی بنانے کے بعد وہاں جانے اور بغیر کسی تیاری کے یکایک ایک مختلف آب و ہوا کی حامل سرزمین پر قدم رکھنے کے درمیان بھی بہت فرق ہے۔

بچپنے کا مرحلہ اسکولوں میں قائم مونٹیسری اور نرسری کے مراحل کی مانند ہے۔ اسلامی شریعت میں بھی ممیز (اچھے برے کی تمیز رکھنے والے) بچے کی عبادت کو فرض اور واجب کے عنوان سے قبول نہیں کیا جاتا (کیونکہ وہ ابھی مکلف نہیں ہوا ہے) بلکہ مستحب اور عبادت کا عادی بنانے کے عنوان سے مقبول ہے۔

ایک اور پہلو جسے ہمیں ملحوظ رکھنا چاہئے' وہ یہ ہے کہ جوان لڑکے کی تربیت کی

مشکلات اور مسائل علیحدہ ہوتے ہیں اور جوان لڑکی کی تربیت کی مشکلات اور مسائل جدا۔ افسوس کہ بہت سے مذہبی اور متدین گھرانوں میں بھی اس نازک اور لطیف موجود (لڑکی) کو حقارت اور ذلت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور اسی بنیاد پر اس سے سلوک کیا جاتا ہے۔ اسی طرح لڑکیوں پر لڑکوں کو ترجیح دینا' حتیٰ لغزشوں اور خطاؤں کی صورت میں ردعمل کے اظہار میں بھی لڑکیوں سے امتیازی سلوک برتنا' گزشتہ زمانے کی مانند اب بھی ان گھرانوں تک میں معمول ہے جو جدید مادی آسائشوں اور سہولتوں سے تو بہرہ مند ہیں لیکن لڑکوں اور لڑکیوں کے مابین عادلانہ سلوک سے بے بہرہ۔

مذکورہ مسائل اور ان کے علاوہ دوسری مشکلات کو سامنے رکھتے ہوئے ہم نے حضرت آیت اللہ سید محمد حسین فضل اللہ کی خدمت میں ایک ایسی نشست کے انعقاد کی تجویز پیش کی جس میں نوجوانوں کی مشکلات اور مسائل کا جامع انداز میں گہرائی کے ساتھ جائزہ لیا جائے۔

ہمارے اس اقدام کی وجہ یہ نہ تھی کہ اس حساس اور اہم موضوع پر کسی مسلم مصنف نے تحریر نہیں کیا ہے لیکن ہمارا خیال (جہاں تک ہماری اطلاع ہے) یہ ہے کہ اس وقت تک اس بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس میں اس قدر صراحت اور جرات نہیں پائی جاتی جو آپ کے کلام میں موجزن ہے۔ البتہ ہم اس بات کو بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ صاف گوئی کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے اور جرات کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔

لیکن کیا حقیقت کو یوں ہی پوشیدہ رہنے دیا جائے' گوہر یوں ہی صدف میں بند رہے' آخر کب تک؟

ہمارا خیال ہے کہ حقیقت کو چھپانا' اسے مسخ کرنا یا اسے کھیل بنا لینا (خواہ کم' خواہ زیادہ) جرم ہے۔ ایسے لوگ جو حقیقت کے آزادانہ اظہار سے خوف کھاتے ہیں وہ نسلِ جوان کو مضبوط بنیادوں پر محکم قدموں کے ساتھ کھڑے ہونے کی نعمت سے محروم رکھتے ہیں جو' ان کے لئے ایک وسیع افق میں داخلہ ممکن بناتا ہے۔ اسلام کبھی بھی' ان وسیع آفاق پر کھلنے والی راہیں بند نہیں کرتا' بلکہ اس کا گناہ ان لوگوں کی گردنوں پر ہے جنہوں

نے مختلف بہانوں سے ان آفاق پر کھلنے والی راہوں کو بند کیا ہے۔

بہر صورت آج ہمیں کچھ ایسے علما میں یہ شجاعت نظر آ رہی ہے جنہوں نے اس مرحلے کی اہمیت کو جان لیا ہے اور وہ لوگوں کو اپنے علم و دانش سے فیضیاب کرنے پر کمر بستہ ہیں۔

ہم علامہ فضل اللہ کے ہمراہ' ایک ایسی حقیقت کے روبرو کھڑے ہیں' جو ایک طویل عرصے سے ہماری نظروں سے اوجھل ہونے کے باوجود اب بھی اپنی تمام تر اصالت' حرارت' صداقت اور عظمت کے ہمراہ معاشرتی حقائق کا سامنا کرنے کے لئے تیار ہے۔

ہم نے جوان اور جوانی کے موضوع سے اپنی گفتگو کا آغاز کیا۔ جوانوں کے بارے میں رسول کریمؐ کی ہدایت و نصیحت اور ان قرآنی آیات سے سبق لیا جن میں جوانوں سے باپ کے مقام و مرتبے' بیٹے کی حیثیت' رسالت کی ذمے داری اور دوستی و ہم نشینی وغیرہ جیسے موضوعات پر گفتگو کی گئی ہے۔

اس کے بعد جوانی اور بلوغ کے مرحلے کی خصوصیات و امتیازات اور اس سے متعلق دوسرے مسائل پر گہرائی اور تفصیل کے ساتھ گفتگو کا دروازہ کھولا گیا۔ اس مقام پر ایسے مسائل بھی زیر بحث لائے گئے ہیں جن پر شرم و حیا کے پردے میں اور انتہائی نجی محفلوں میں بھی سرگوشیوں میں گفتگو کی جاتی ہے۔

ہمارا نکتہ نظر یہ ہے کہ نوجوانوں کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کی تعمیر اور نشو و نما تمام افراد معاشرہ کی مشترک ذمے داری ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنی اپنی سرگرمیوں اور جدو جہد کو اس مقصد کے لئے ہم آہنگ کریں۔

ہم نے اس گفتگو میں نوجوانوں کی تربیت سے تعلق رکھنے والے بنیادی اور اہم مسائل کا جائزہ لیا ہے۔ ایک مسلمان معلم و مربی کے کردار سے گفتگو شروع کرتے ہوئے تقلید' خود باختگی' جزا و سزا' مغرب زدگی اور جنسی تعلیم و تربیت کے موضوعات تک گفتگو کا دامن وسیع کیا ہے۔

اس کے ساتھ ہی ہم نوجوانوں کی سیاسی اور سماجی سرگرمیوں کے موضوع سے بھی

غافل نہیں رہے اور ایک نشست میں ہم نے آیت اللہ فضل اللہ سے سیاسی، سماجی اور طلبا مسائل کے بارے میں بھی دریافت کیا۔

ہم سمجھتے تھے کہ مختلف پہلوؤں پر مشتمل ہماری وسیع گفتگو، اس وقت تک ناقص رہے گی جب تک فقہی مسائل، بالخصوص نوجوانوں سے تعلق رکھنے والے شرعی مسائل کے ذریعے اسے مکمل نہ کرلیں، تاکہ ان بہت سے مسائل اور مشکلات کے شافی جواب سامنے لائے جاسکیں جن پر بہت زیادہ نزاع و مناقشہ پایا جاتا ہے۔

ہم نے آیت اللہ فضل اللہ سے غنا اور موسیقی، جدید فیشن، کھیل کود اور تفریح کے وسائل، فال نکالنے، دست شناسی، ستاروں کے حال اور ذہن میں اٹھنے والے ایسے ہی دیگر مسائل کے بارے میں سوال کئے جن سے آج کے جوانوں کو واسطہ پڑتا ہے۔ گفتگو کا یہ سلسلہ دو سال کے عرصے تک جاری رہا، ہم اعتراف کرتے ہیں کہ سست روی ہماری ہی وجہ سے ہوئی۔

ہم نے آیت اللہ فضل اللہ سے سوال کیا کہ خود انہوں نے اپنے ایام شباب کس انداز میں بسر کئے، جوانی میں اپنی تربیت کے لئے کیا راستہ اپنایا، نیز اپنے بچوں کی تربیت کے سلسلے میں کس اسلوب کو اختیار کیا۔ یہی اس مجموعے کا آخری حصہ ہے جس کی بے عیب و بے نقص تکمیل کا ہم ادعا نہیں کرتے۔

بہرحال، اس گفتگو کے ذریعے ہم جن امور کو زیر بحث لاسکے ہیں، وہ اس وسیع و عریض میدان میں اٹھایا جانے والا ایک بڑا اور مضبوط قدم ہے۔

یہ بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ ہم نے معائب دور کرنے، مباحث کی تکمیل اور نقائص کے ازالے کے سلسلے میں اپنی سی بھرپور کوشش کی ہے، اسکے باوجود اس بات کے معترف ہیں کہ کتاب کے ہر حصے میں کچھ نہ کچھ نقائص رہے ہوں گے، یہ وہ حقیقت ہے جسے ہم نے ابتدا ہی میں محسوس کرلیا تھا، اور اس سے ہم آغاز ہی سے واقف تھے، لہٰذا ہم نے ہر حصے کے آخر میں اس حصے میں زیر بحث آنے والے موضوعات پر ضمیمہ ء احادیث کے عنوان سے احادیث معصومین "پیش کرنے کا اہتمام کیا۔ اسی طرح کتاب کے

آخر میں ایک اور ضمیمے کا اضافہ کیا گیا ہے' جس میں نوجوانوں سے متعلق آیت اللہ فضل اللہ کے استفتاءات کو نقل کیا گیا ہے۔

بہرصورت ہم تمام جوانوں سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ کتاب کے بارے میں اپنی تنقید اور تبصرے سے دریغ نہ کریں گے' تاکہ نہ صرف ہم خود ان سے مستفید ہوں بلکہ آئندہ اشاعت میں انہیں پیش نظر رکھیں۔

آخر میں خداوند عالم کی بارگاہ میں دعاگو ہیں کہ ہمارے اس ناچیز ہدیے کو قبول و منظور فرمائے' اور روز جزا ہمیں اسکے ثواب سے بہرہ مند فرمائے : یوم لا ینفع مال ولا بنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم (جس دن مال اور اولاد کوئی کام نہ آئے گا' مگر وہ جو قلب سلیم کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو۔ سورہ شعراء ۲۶۔ آیت ۸۸'۸۹)

احمد احمد۔ عادل القاضی

بیروت۔ یکم جنوری ۱۹۹۵ء

①

قرآن کی روشنی میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گفتگو، تربیت کا ایک ذریعہ

☆ حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو نصائح کی روشنی میں ا۔ آپ کی نظر میں براہ راست تربیت ایک انسان کی رہنمائی، اصلاح اور نصیحت آموزی کے سلسلے میں کس حد تک مفید اور موثر ہے؟

○ غالباً تربیت کے مسئلے کا شمار ان مسائل میں ہوتا ہے جن میں اثر انداز ہونے والے عوامل مسائل کے ادراک کے موقع پر انسان کے مختلف ابعاد کی بنیاد پر، مختلف ہوتے ہیں۔ خواہ یہ مواقع غور و فکر کے ہوں یا جذبات و احساسات کے یا انسان کے اردگرد پھیلی ہوئی فضا اور ماحول ہو۔ اس لحاظ سے قدرتی بات ہے کہ "گفتگو" جو انسانوں کے مابین افکار و خیالات کے تبادلہ کا ایک وسیلہ ہے فکری، معنوی اور عملی مضامین کی حامل ہونے کی بنا پر تربیت کا ایک انتہائی اہم اور موثر ذریعہ ہے۔

اسی طرح بعض گفتگوئیں ایسی خاصیت کی حامل ہوتی ہیں کہ انسانوں سے گفتگو کی تاریخ میں بسا اوقات ہمیں نظر آتا ہے کہ ان گفتگوؤں میں استعمال ہونے والے الفاظ، ذہن کو ایسے معنی سے روشناس کراتے ہیں جو ان الفاظ کے لغوی معنی سے جدا ہوتے ہیں

ا۔ مراد حضرت لقمان کی وہ ہدایات ہیں جن کا ذکر سورہ لقمان کی آیات ۱۳ تا ۱۹ میں ہوا ہے۔

اور یوں یہ الفاظ مفاہیم کو کبھی وسعت بخشتے ہیں اور کبھی انہیں تنگ کر دیتے ہیں۔
لہذا "گفتگو" تربیت کا ایک ایسا وسیلہ ہے جس سے خداوند عالم نے اپنے انبیاء پر نازل کی جانے والی کتب میں استفادہ کیا ہے۔ اسی بنا پر ہم دیکھتے ہیں کہ تربیت کے سلسلے میں گفتگو کے (مثبت و منفی) اثرات انسانی تاریخ میں ہمیشہ نظر آتے ہیں۔

گفتگو کے ذریعے نصیحت

اسی درمیان ہم کچھ ایسی اصطلاحات سے واقف ہوتے ہیں جو اپنے اندر مختلف مضامین لئے ہوتی ہیں۔ انہی اصطلاحات میں سے ایک قرآن کریم میں استعمال ہونے والی اصطلاح "وعظ" ہے۔
جس مقام پر حضرت لقمانؑ اپنے فرزند سے گفتگو کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اپنے بیٹے کے ذہن کو عقیدے اور زندگی گزارنے کے لئے لازمی مسائل کی جانب متوجہ کریں، وہاں ہم دیکھتے ہیں کہ وعظ کا لفظ فکری مسائل کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے اندر احساس و جذبات کے بعض پہلو بھی لئے ہوئے ہے۔ کیونکہ انسانی فکر صرف شعور و آگہی اور خشک علم و دانش کے ذریعے آگے نہیں بڑھتی بلکہ کوشش کرتی ہے کہ ایسی تعبیروں سے بھی استفادہ کرے جو احساس و جذبات سے لبریز ہوں۔

عقل اور جذبات کا امتزاج

مذکورہ بالا گفتگو سے ظاہر ہے کہ وعظ، فکر کے ساتھ ساتھ انسانی جذبات و احساسات کو بھی تحریک دیتا ہے۔ بالفاظ دیگر اس میں عقل و جذبات کی آمیزش ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ انسان کے قلب اور ذہن پر اثر انداز ہوتا ہے۔
عقل اور جذبات کی آمیزش انسان کے لئے ایک ایسی فضا ایجاد کرتی ہے جو اسکی ہستی جھنجوڑ کے رکھ دیتی ہے اور اسے اپنی فکر کی نشو ونما پر ابھارتی ہے اور فکر اپنے مختلف عناصر کی بنا پر انسان کی ذات میں داخل ہونے کے لئے وسیع افق کھولتی ہے۔ اس

چیز کا مشاہدہ ہم ان تمام پند و نصائح میں کر سکتے ہیں جن کا عقلی پہلو جذباتی پہلو سے دور یا علیحدہ نہیں ہوتا۔

یہ روش تربیت کا غالباً وہ واحد موثر طریقہ ہے جو انسان کی شخصیت میں انقلاب بپا کر سکتا ہے۔ اکثر لوگ جو صرف فکر پر بھروسہ کرتے ہیں، وہ اپنی فکر کو صرف خشک عقلانیت کی صورت میں بیان کرتے ہیں اور مسئلے کو ریاضی کی خشک مساواتوں کی مانند سامنے لاتے ہیں، جو صرف انسانی عقل و فکر سے سروکار رکھتی ہیں اور انسانی شخصیت کے دوسرے پہلوؤں (جیسے جذبات و احساسات) کے تقاضوں کا جواب نہیں دیتیں۔ جبکہ ان کے بالمقابل کچھ دوسرے لوگ مسائل کو صرف جذبات و احساسات کے رنگ میں پیش کرتے ہیں۔ یہ چیز بھی انسان کو گہرے غور و فکر سے باز رکھتی ہے اور اسکے عقیدے اور فکر میں فاصلہ پیدا کر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو بعض چیزوں کو فکری طور پر تو قبول کرتے ہیں لیکن ان پر عقیدہ نہیں رکھتے، کیونکہ ایمان، جو فکر کو احساس میں بدلتا ہے اور روجود میں ایک جنبش پیدا کرتا ہے، ان میں نہیں پایا جاتا۔

نصیحت کا قرآنی اسلوب

یہاں ہمیں پتا چلتا ہے کہ قرآن کریم کے طریقہ نصیحت کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ کوشش کرتا ہے کہ اپنی ترجیحی روش کے اجزا روز مرہ زندگی سے حاصل کرے۔ اسی بنا پر وہ فکر کو دقتِ نظر کی دعوت دیتا ہے۔ تاکہ فکر کو اس احساس سے آشنا اور اس پر مسلط کر دے جسے انسان اپنے اردگرد ماحول کو دیکھ کر، سن کر اور چھو کر حاصل کرتا ہے اور پھر خوف و رجا، حب و بغض جیسے وسائل سے استفادہ کر کے فکر کو انسان کے باطن کا حصہ بنا دے۔

اس مقام پر ہمارے علم میں یہ بات آتی ہے کہ اگر وعظ و نصیحت کے اسلوب اور طریقہ کار کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیا جائے، اور واعظ و ناصح مستحکم فکری ذرائع اور نرم و نازک جذباتی وسائل سے استفادہ کرے اور ان چیزوں کو مدنظر رکھے جو انسانی فکر

اور احساس کے لئے ضروری ہیں تو گویا اس نے تربیت کے موثر اور کامیاب ترین اسلوب کو اپنایا ہے۔

نصیحت بذریعہ نمونہ عمل

ایک نکتہ جس کا ذکر یہاں مناسب محسوس ہوتا ہے ' یہ ہے کہ کبھی کبھی زبانی کلامی باتیں وعظ و نصیحت پر مسلط ہو جاتی ہیں لیکن بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ وعظ و نصیحت اور کلام و گفتگو کے درمیان بہت دوری پائی جاتی ہے۔ ہم اس مضمون کو اس حدیث سے حاصل کرتے ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ : من لم یکن لہ من نفسہ واعظ لم تنفعہ المواعظ (جس شخص کے اپنے اندر نصیحت کرنے والا نہ ہو' دوسروں کی نصیحت اسکے لئے بے سود رہتی ہے)۔ یہ حدیث ہم سے کہتی ہے کہ انسان اپنے تجربات سے استفادہ کرتے ہوئے خود کو وعظ و نصیحت کر سکتا ہے۔

امام علیؑ نے نہج البلاغہ میں اسی موضوع کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے :

"خیر ما جربت ما وعظک"

"بہترین تجربہ وہی ہے جس سے تم نصیحت حاصل کرو۔"

(نہج البلاغہ ۔ مکتوب ۳۱)

لہذا تجربہ کیونکہ فکری پہلو کا حامل بھی ہوتا ہے اور احساس کا پہلو بھی رکھتا ہے اس لئے وہ انسان کو درس بھی دے سکتا ہے اور فکر بھی اور گردوپیش کی حقیقتوں کی شناخت کی اساس پر اس کے لئے محرک عمل بھی بن سکتا ہے۔

اسی بنیاد پر ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے افراد جو اپنی گفتار سے پہلے اور زیادہ اپنے عمل کے ذریعے دوسروں کو نصیحت کرتے ہیں وہ اپنے اس (نمونہ) عمل سے نصیحت کے ایک وسیلے کے طور پر استفادہ کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے وعظ و نصیحت کی اصطلاح اپنے اندر تمام فکری وسائل ' سوچ بچار ' اعمال اور دوسرے تاثیر گزار ذرائع سمیٹے ہوئے ہے۔ یہ تمام چیزیں وعظ و نصیحت کے مفہوم کی وسعت کی نشاندہی کرتی ہیں جس کا خلاصہ ان الفاظ میں

کیا جا سکتا ہے کہ : وعظ و نصیحت 'اس متنوع اور آگہی بخش اسلوب عمل کو کہتے ہیں جو انسان کو اسکی لغزشوں کی تصحیح یا اس کے انحراف و گمراہی کے ازالے 'نیز اسکی حیات پر بند آفاق کھولنے کے لئے غور و فکر پر ابھارتا ہے۔

نصیحت لینے والا

نصیحت ناصح کا عمل ہے 'ناصح اپنی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر نصیحت خواہ کے سامنے دلائل کے ڈھیر لگاتا ہے۔ لهذا نصیحت لینے والے شخص میں بھی نصیحت کے تمام وسائل و ذرائع سے استفادے کی صلاحیت 'قابلیت اور ارادے کا پایا جانا ضروری ہے۔

نصیحت ایسے ہی شخص پر کارگر ہوتی ہے جو کسی کلام 'عمل 'اسوۂ عمل یا متنبہ کرنے والے کسی ذریعے سے متاثر ہوتا ہو۔ بنابراین ایسا شخص جو مذکورہ عوامل پر بالکل توجہ نہ دے 'وہ ایک بے حس لاش کی مانند ہے۔

جس طرح قدرتی طور پر ایک مردہ انسان کا جسم شعور و احساس سے عاری ہوتا ہے ' اسی طرح اکثر ایسے زندہ انسانوں میں بھی یہ ایک طبیعی امر ہو جاتا ہے جو اپنی شخصیت کو مردہ کر بیٹھتے ہیں 'اپنی فکر کو منجمد کر لیتے ہیں۔ اس بات کا ذکر قرآن کریم میں بھی بارہا ہوا ہے 'فرمان الٰہی ہے :

"لهم قلوب لا يفقهون بها و لهم اعين لا يبصرون بها؟
ولهم اذان لا يسمعون بها"

"ان کے پاس دل ہیں مگر سمجھتے نہیں ہیں 'اور آنکھیں ہیں مگر دیکھتے نہیں ہیں اور کان ہیں مگر سنتے نہیں ہیں۔" (سورہ اعراف ۷ - آیت ۱۷۹)

یہ آیت ہم سے کہتی ہے کہ جب انسان اپنی شخصیت کے فکری یا جذباتی یا ارادی پہلو کو خشک اور منجمد کر لے تو وہ ایک بے روح اور جامد انسان میں بدل جاتا ہے۔ ایسے ہی انسانوں کے بارے میں قرآن مجید کہتا ہے :

"سواء عليهم ءانذرتهم ام لم تنذرهم لا يومنون"

"آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں یہ ایمان نہیں لائیں گے۔"

(سورہ بقرہ ۲۔ آیت ۶)

"ختم اللہ علی قلوبھم وعلی سمعھم وعلی ابصارھم غشاوۃ"

"خدا نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردے ڈال دیئے ہیں۔" (سورہ بقرہ ۲۔ آیت ۷)

یعنی ایسا انسان جس کی شخصیت پر وعظ و نصیحت کی کرنیں بکھری ہی نہ ہوں' وہ کیونکر ان سے متاثر ہو سکتا ہے؟

ابراہیمیؑ تربیت

☆ حضرت اسماعیلؑ نے اپنے والد گرامی (حضرت ابراہیمؑ) کا خواب سننے کے بعد فرمایا: یاابت افعل ماتومر (بابا! آپ کو جو حکم دیا گیا ہے اس پر عمل کیجئے۔ سورۂ صافات ۳۷۔ آیت ۱۰۲)۔ اور یوں انہوں نے خدا کی مشیت کے سامنے تسلیمِ محض کا مظاہرہ کیا۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضرت اسماعیلؑ کے اس درجہ تسلیم' اطاعت اور انقیاد کی اقتدا ممکن ہے؟

○ جب ہم حضرت ابراہیمؑ کی زندگی کے مختلف مراحل کا مطالعہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ آپؑ کے اندر ابتدا ہی سے ایک ایسے انسان کی شخصیت موجود تھی جو اپنی زندگی میں ایک حقیقتِ محض کی جانب توجہ کے ذریعے خداوند عالم کی جانب متوجہ ہوتا ہے۔ اگر ہم قرآنی آیات کے توسط سے حضرت ابراہیمؑ کے طرز عمل کا جائزہ لیں تو دیکھتے ہیں کہ آپؑ گمراہ کن کافرانہ اور مشرکانہ افکار کو چیلنج کرتے ہیں اور اس مقصد کے لئے اپنے اطراف موجود کافر اور مشرک لوگوں کے اذہان میں شکوک و شبہات اور وسوسے پیدا کرتے ہیں۔ اس چیز کا انتہائی کھلا مشاہدہ اس مقام پر کیا جا سکتا ہے جہاں آپؑ ستاروں اور چاند'

سورج کی پرستش کرنے والوں میں شامل ہو جاتے ہیں تاکہ پہلے تو ان لوگوں کو ان مخلوقات کی عظمت پر متعجب و حیران کریں اور اسکے بعد فکری مباحثہ کے ذریعہ انہیں اس بات کی تاکید کریں کہ ستارے' چاند اور سورج معبود نہیں ہو سکتے' کیونکہ معبود ہونے کا سزاوار تو بس وہی ہے جو ہمہ وقت حاضر اور تمام عالم پر محیط ہو۔

مذکورہ گفتگو کو سامنے رکھتے ہوئے ہم یہ کہیں گے کہ حضرت ابراہیمؑ کی جد و جہد کا محور معاشرے کو خدا پر ایمان کی جانب لے کے آنا تھا' اور اس مقصد کے لئے ان کا طریقہ کار افراد معاشرہ کے افکار پر ضرب لگانا تھا۔ آپؑ کے اس طریقہ کار کی ایک مثال وہ واقعہ ہے جس میں آپؑ نے مشرکوں کے بتوں کو توڑ ڈالا اور اس توڑ پھوڑ کا الزام ان کے سب سے بڑے بت پر رکھ دیا' تاکہ بت پرستوں کو اس اعتراف پر مجبور کر دیں کہ ان کے معبود بول چال پر بھی قادر نہیں۔ لہٰذا ان مشرکین نے حضرت ابراہیمؑ کے جواب میں کہا : لقد علمت ماھولاء ینطقون (تمہیں تو معلوم ہے کہ یہ بولتے نہیں ہیں۔ سورہ انبیاء ۲۱۔ آیت ۶۵)

حضرت ابراہیمؑ اسی طرح ان لوگوں سے بحث و مباحثہ کرتے تھے' تاکہ ان پر ان کے افکار کا غلط ہونا واضح کر دیں۔ اور جب آپؑ اپنے والد (بعض مفسرین کے مطابق اپنے چچا) کی کبھی نرم لہجے میں اور کبھی سختی سے مخالفت کرتے تھے' تب بھی اسی طریقہ کار سے کام لیتے تھے۔ آپؑ نے اپنے زمانے کے ظالم بادشاہ کے سامنے بھی یہی اسلوب اپنایا۔

"اذ قال ابراھیم ربی الذی یحی و یمیت قال انا احی و امیت قال ابراھیم فان اللہ یاتی بالشمس من المشرق فات بھا من المغرب فبھت الذی کفر"

"جب ابراہیم نے کہا کہ میرا خدا زندہ بھی کرتا ہے اور مارتا بھی ہے تو اس نے کہا کہ میں بھی زندہ کر سکتا اور مار سکتا ہوں۔ تو ابراہیم نے کہا کہ میرا خدا مشرق سے سورج طلوع کرتا ہے تو مغرب سے طلوع کروے تو کافر مبہوت رہ گیا۔" (سورہ بقرہ ۲۔ آیت ۲۵۸)

الٰہی انسان

ہم دیکھتے ہیں کہ (ان مذکورہ واقعات میں) حضرت ابراہیمؑ میں ایک ایسی حالت پائی جاتی ہے جس نے انہیں ایک ایسا الٰہی انسان بنا دیا تھا جو اپنی ذمے داری محسوس کرتا ہے کہ ہر حال میں ایک خدا پسند زندگی بسر کرے' خدا کی پرستش کرے اور اپنے آپ کو صرف اسی کا بندہ سمجھے' یہاں تک کہ تمام دنیوی تعلقات' دشواریوں اور حالات سے صرف نظر کرتے ہوئے یہ محسوس کرے کہ اس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ خدا کے لئے وقف ہونا چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ خداوند عالم آپؑ کے بارے میں فرماتا ہے :

"واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا"

"اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا خلیل اور دوست بنایا ہے۔"

(سورہ نساء ۴۔ آیت ۱۲۵)

یہ حضرت ابراہیمؑ کی خدا سے انسیت کا طبیعی نتیجہ ہے کہ خدا بھی انہیں اپنا دوست قرار دیتا ہے۔ یہ دوستی ان دونوں کے درمیان دو طرفہ باہمی محبت ایجاد کر دیتی ہے اور یہ انسان کے اپنے معبود سے ارتباط کا بلند ترین درجہ ہے یہ بندگی کا وہ درجہ ہے جو تکمیل پاتے پاتے دوستی پر منتہی ہوتا ہے۔

خداوند عالم اور حضرت ابراہیمؑ کے درمیان پائی جانے والی یہ دوستی' جس کا سرچشمہ خدا کی بندگی ہے اور جو احساس کی گہرائی میں نشو و نما پاتی ہے اور ایک ایسی حالت ہے جس کے تحت حضرت ابراہیمؑ اپنے وجود اور کائنات کو خدا کی ذات سے قائم سمجھتے ہیں اور یہ انہیں ایک ایسے درجہ پر پہنچا دیتی ہے کہ وہ خدا سے مردوں کو زندہ کرنے کی خواہش کرتے ہیں :

"قال ابراھیم رب ارنی کیف تحی الموتیٰ' قال اولم تومن؟ قال بلیٰ ولکن لیطمئن قلبی۔"

"ابراہیم نے کہا کہ پروردگار مجھے یہ دکھا دے کہ تو مردوں کو کس طرح

زندہ کرتا ہے۔ ارشاد ہوا کیا اس پر تمہارا ایمان نہیں ہے۔ عرض کی ایمان تو ہے لیکن اطمینانِ قلب چاہتا ہوں۔" (سورہ بقرہ ۲۔ آیت ۲۶۰)

اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ خداوند عالم سے ہمکلام ہوتے وقت اور پروردگار کے سایہ لطف میں زندگی بسر کرتے ہوئے خدا کی محبت، عبودیت، اطاعت اور ایک مومنانہ معرفت سے گندھی ہوئی قابل رشک زندگی گزارتے ہیں۔

اس پہلو سے ہم حضرت ابراہیمؑ کو ایک ایسا انسان پاتے ہیں جس کی زندگی خدا کے سامنے تسلیم و انقیاد کا ایک کامل مظہر ہے۔ اس حقیقت کو ہم اس قرآنی تعبیر سے بھی درک کرتے ہیں جس کے مطابق حضرت ابراہیمؑ ہی وہ پہلے شخص ہیں جن کے بارے میں "مسلم" کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے :

"ملة ابیکم ابراهیم هو سماکم المسلمین من قبل وفی هذا"

"یہی تمہارے بابا ابراہیمؑ کا دین ہے اور اس نے تمہارا نام پہلے بھی اور اس (قرآن) میں بھی مسلم رکھا ہے۔" (سورہ حج ۲۲۔ آیت ۷۸)

"اذقال له ربه اسلم قال اسلمت لرب العالمین ووصی بها ابراهیم بنیه ویعقوب یا بنی ان الله اصطفٰی لکم الدین فلا تموتن الا وانتم مسلمون"

"جب ان سے ان کے پروردگار نے کہا کہ تسلیم ہو جاؤ تو انہوں نے کہا کہ میں رب العالمین کے لئے سراپا تسلیم ہوں، اور اسی بات کی ابراہیم اور یعقوب نے اپنی اولاد کو وصیت کی کہ اے میرے فرزندو اللہ نے تمہارے لئے دین کو منتخب کر دیا ہے، اب اس وقت تک دنیا سے نہ جانا جب تک واقعی مسلمان نہ ہو جاؤ۔" (سورہ بقرہ ۲۔ آیت ۱۳۱، ۱۳۲)

لہٰذا حضرت ابراہیمؑ نے لفظ "اسلام" کو خدا سے سننے کے بعد اولین بار اسے ایک طرز حیات کے طور پر جاری کیا اور اسکی پیروی کی۔ اس بنا پر تمام ابراہیمی نبوتوں (اگر یہ

تعبیر درست ہو تو) نے اسلام کو اس لفظ کے عام معنی کے لحاظ سے اپنایا۔

"ان الدین عنداللہ الاسلام"

"دین اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے۔"

(سورہ آل عمران ۳۔ آیت ۱۹)

"ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ"

"اور جو اسلام کے علاوہ کوئی بھی دین تلاش کرے گا تو وہ دین اس سے قبول نہ کیا جائے گا۔" (سورہ آل عمران ۳۔ آیت ۸۵)

یہاں اسلام سے مراد وہ توحیدی دین و مذہب ہے جو تمام نبوتوں میں نظر آتا ہے۔

طبیعی بات ہے جو ہمیں نظر آتی ہے کہ اپنی پوری زندگی شعوری' وجدانی اور عملی لحاظ سے خدا کے لئے وقف کر دینے والے حضرت ابراہیمؑ عام لوگوں میں دعوتِ اسلام کی سعی کے ساتھ ساتھ یہ بھی کوشش کرتے ہیں کہ اپنے گھریلو ماحول میں بھی ایک تربیتی تحریک ایجاد کریں۔ تاکہ جس طرح وہ خود ایک اعلیٰ پائے کے مسلمان ہیں' اسی طرح یہ اسلام ان کی اولاد میں بھی منتقل ہو جائے۔ یہ وہی چیز ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے۔

"ووصی بھا ابراھیم بنیہ و یعقوب یا بنی ان اللہ اصطفی لکم الدین فلا تموتن الا وانتم مسلمون"

"اور اسی بات کی ابراہیم اور یعقوب نے اپنی اولاد کو وصیت کی کہ اے میرے فرزندو' اللہ نے تمہارے لئے دین کو منتخب کر دیا ہے' اب اس وقت تک دنیا سے نہ جانا جب تک واقعی مسلمان نہ ہو جاؤ۔"

(سورہ بقرہ ۲۔ آیت ۱۳۲)

اسلام ایک تربیتی اسلوب

اسلام اسی تربیتی اسلوب کا نام ہے جس کے بارے میں حضرت ابراہیمؑ نے اپنے

فرزندوں سے چاہا کہ وہ اس کے ذریعے فرمان الٰہی کی پیروی کریں۔ واضح ہے کہ یہ وہ تربیتی اسلوب ہے جس نے اپنے آپ کو اسماعیلؑ اور یعقوبؑ کی زندگیوں میں مجسم کیا۔

جب ہم آیہ قرآن : فبشرناہ بغلام حلیم (اور پھر ہم نے انہیں ایک نیک دل فرزند کی بشارت دی۔ سورہ صافات ۳۷ - آیت ۱۰۱) کو پڑھتے ہیں تو ہمیں پتا چلتا ہے کہ مدت دراز تک ناامیدی کے بعد حضرت ابراہیمؑ کو ایک فرزند کی خوش خبری دی گئی ہے۔ خداوند عالم انہیں ایک ایسے فرزند سے نوازتا ہے جس کے پائے ثبات میں سخت اور دشوار حالات میں بھی تزلزل اور لڑکھڑاہٹ پیدا نہیں ہوتی۔

آیہ کریمہ : فلما بلغ معہ السعی (پھر جب وہ فرزند ان کے ساتھ دوڑ دھوپ کے قابل ہو گیا۔۔ سورہ صافات ۳۷ - آیت ۱۰۲) اس بات کی علامت ہے کہ اسماعیلؑ اپنے والد کے ساتھ گزاری ہوئی مدت حیات میں مکمل طور پر ان کے ساتھ ساتھ رہے۔ اور یہ ایک طبیعی بات ہے' خاص طور پر اس وقت جب ایک طویل عرصے کی ناامیدی کے بعد ایسا پیارا بچہ انسان کو نصیب ہوا ہو۔ حضرت ابراہیمؑ خداوند عالم کے ساتھ اپنی تمام قلبی اور ایمانی وابستگی' اور اپنی معنوی معرفت کو جو فکری' روحی' عبادی اور عملی پہلوؤں کا آمیزہ تھی' اپنے فرزند اسماعیلؑ میں منتقل کرتے ہیں' یہاں تک کہ سراسر تسلیم و انقیاد کی جو حالت ابراہیمؑ میں موجود تھی وہ اب حضرت اسماعیلؑ میں بھی پائی جاتی تھی۔

جذباتی احساسات اور نفس کے خلاف جنگ

خداوند عالم حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی زندگی کو مستقبل کے تمام باپوں اور بیٹوں کے لئے بارگاہ الٰہی میں اعلیٰ ترین تسلیم و انقیاد کی ایک مثال کے طور پر پیش کرنا چاہتا تھا۔ شفقت پدری' کسی اور کے ہاتھوں اپنے بیٹے کو ذبح ہوتے نہیں دیکھ سکتی' چہ جائیکہ باپ خود اپنے ہاتھوں اپنے فرزند کو ذبح کرے۔ یہ اسی صورت میں ممکن نظر آتا ہے جب باپ اس محبت و چاہت کا گلا گھونٹ دے جو قدرتی طور پر اسے اپنے اکلوتے'

خوبصورت اور محبوب فرزند سے ہوتی ہے۔

دوسری طرف اسماعیلؑ بھی اپنے نفس اور اپنی ذات سے محبت کے خلاف جہاد کے اعلیٰ ترین درجات پر اسی طرح پہنچے ہوئے ہیں جس طرح دونوں (باپ بیٹوں) نے ایمان کی راہ میں آنے والی رکاوٹوں کے خلاف جنگ کی تھی' اور ایمان کے اس درجہ پر فائز ہیں جو ان سے کہہ رہا ہے کہ اس چیلنج کا آگے بڑھ کر جواب دیں۔ لہٰذا حضرت ابراہیمؑ کے لئے ضروری تھا کہ اپنی شفقت پدری کو فنا کر دیں اور حضرت اسماعیلؑ کے لئے بھی لازم تھا کہ اپنی ذات کے احساس کو مار ڈالیں اور یوں دونوں اس آزمائش سے کامیابی کے ساتھ باہر آئیں۔ ہم کلام الٰہی میں دیکھتے ہیں کہ :

"قال یابنی انی اری فی المنام انی اذبحک فانظر ماذاتری۔"

"انہوں نے کہا کہ بیٹا میں مسلسل خواب میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہیں ذبح کر رہا ہوں' اب تم بتاؤ کہ تمہارا کیا خیال ہے۔"

اس سوال کے جواب میں اسماعیل بلا تامل اور بے دھڑک کہتے ہیں :

"یاابت افعل ماتومر ستجدنی ان شاء الله من الصابرین۔"

"بابا آپ کو جو حکم دیا جا رہا ہے اس پر عمل فرمایئے انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔" (سورہ صافات ۳۷ - آیت ۱۰۲)

باپ اور بیٹا

مذکورہ گفتگو سے پتا چلتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اپنے فرزند کی تربیت کرتے ہوئے' انہیں تسلیم و اطاعت کے ایک ایسے اعلیٰ مرتبہ تک پہنچانے میں کامیاب ہوئے جہاں انسان خدا کی طلب اور خواہش کے سامنے اپنی ذات کو بھلا بیٹھتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے برسوں کی ناامیدی کے بعد صاحب اولاد ہونے والے اکثر باپوں کی مانند رویہ اختیار

نہیں کیا۔ انہوں نے حضرت اسماعیلؑ کی پرورش ناز و نعم کے ساتھ نہیں کی اور انہیں ایسی آزادی نہ دی کہ وہ عیش کوشی اور لہو لعب میں پڑ جائیں۔ اور خود پر وہ حالت طاری نہ ہونے دی جس کے ہوتے ہوئے باپ کو بیٹے کی خطائیں مقدس نظر آتی ہیں اور اسکی برائیاں نیکیاں معلوم دیتی ہیں۔ کیونکہ باپ کی شدید محبت ایسے بیٹے کی آزردگی برداشت نہیں کر سکتی۔

ہمارے خیال میں حضرت اسماعیلؑ اس آزمائش کا سامنا کرنے کے لئے تیار تھے۔ نیز حضرت ابراہیمؑ میں بھی دعوت و رسالت اسقدر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی کہ آپؑ اپنے بیٹے کو انسانی محبت و شفقت کی نگاہ سے نہ دیکھتے تھے بلکہ اسے بھی چشم رسالت سے دیکھتے تھے۔ وہ خود سے کہتے تھے کہ اسماعیلؑ بھی انسان ہے ' اسے بھی خدا کے ایک مخلص بندے کی مانند توحید کے راستے پر گامزن ہونا ہے۔ لہٰذا ایسا نہ ہو کہ ہمارا باہمی رشتہ ہمیں شخصی اور انفرادی تعلق میں غرق کر دے ' بلکہ مجھے چاہئے کہ اسے بھی خدا کا ایک بندہ سمجھتے ہوئے ' خدا کی عبودیت اور بندگی کی تاکید کروں۔ علاوہ ازایں وہ انسانی معاشرے کا ایک فرد ہے ' پس مجھ پر لازم ہے کہ اسے ایسا انسان بناؤں جس کے ایمان و استقامت کے تجربے سے انسانیت مستفیض ہو۔

شخصیت میں رسالی اور انسانی پہلو کی آمیزش

حضرت ابراہیمؑ اپنی شخصیت میں رسالی اور انسانی پہلو کی آمیزش اور یکجائی پر قادر رہے۔ آپؑ کی انسانی شخصیت کی رو سے پدرانہ کردار کا تقاضا تھا کہ اپنے بیٹے سے شفقت اور محبت کے ساتھ پیش آئیں۔ انہوں نے محبت کے ذریعے اپنے فرزند کو قرب الٰہی اور خدا کے بھرپور اور ابدی فیوضات کا حامل ہو جانے کی منزل تک بلند کیا۔

حضرت ابراہیمؑ کی شخصیت کے رسالی پہلو کے تناظر میں ہم دیکھتے ہیں کہ آپؑ خود کو اپنے فرزند کے لئے بھی ویسا ہی رسول سمجھتے تھے ' جیسے رسول آپؑ دوسرے سب لوگوں کی ہدایت کے لئے تھے۔ لہٰذا آپؑ کچھ ایسے لوگوں کی مانند عمل نہ کرتے تھے جو دوسروں

کو تو دعوت دیتے ہیں لیکن خود ان کے اہل خانہ اور اولادیں اس دعوت سے بے بہرہ رہتی ہیں۔ اور آپؑ یہ نا چاہتے تھے کہ صرف دوسروں کی آزادی پر قدغن لگائیں اور خود اپنے گھرانے کو اس دعوت سے دور رکھیں۔

حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ کی ذاتی شخصیت کی تعمیر کے بعد ان کی پیغمبرانہ شخصیت کی نشو و نما کے لئے بھی اقدام کیا۔ ابھی جبکہ آپؑ اپنے اس فرزند کی شخصیت کی تعمیر و تشکیل میں مصروف تھے، آپؑ نے انہیں خانہ کعبہ کی دیواروں کو بلند کرنے کے کام میں شامل کیا : واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسماعیل (اور اس وقت کو یاد کرو جب ابراہیم و اسماعیل خانہ کعبہ کی دیواروں کو بلند کر رہے تھے۔ سورہ بقرہ ۲۔ آیت ۱۲۷)

اور اس طرح آپؑ نے اپنے فرزند کو تعمیر کعبہ کے روحانی اور معنوی ماحول میں قرار دیا۔ یہ محض ایک مادی اور جسمانی عمل نہ تھا بلکہ معنویت اور روحانیت سے بھرپور ایک کوشش تھی۔ اسی طرح اسحاقؑ اور یعقوبؑ نے بھی کیا : ام کنتم شھداء اذ حضر یعقوب الموت اذقال لبنیہ ما تعبدون من بعدی، قالوا نعبد الھک والہ ابائک ابراھیم و اسماعیل و اسحاق الھا واحد او نحن لہ مسلمون (کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب کی موت کا وقت آیا اور انہوں نے اپنی اولاد سے پوچھا کہ میرے بعد کس کی عبادت کرو گے، تو انہوں نے کہا کہ آپ کے اور آپ کے آباؤ اجداد ابراہیم و اسماعیل و اسحاق کے پروردگار خدائے وحدہ لاشریک کی اور ہم اسی کے مسلمان اور فرمانبردار ہیں۔ سورہ بقرہ ۲۔ آیت ۱۳۳)

ہمیں قران مجید میں اس تربیتی اسلوب کا تفصیلی ذکر نہیں ملتا جسے حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ و اسحاقؑ اور حضرت اسحاقؑ نے حضرت یعقوبؑ کے بارے میں اپنایا لیکن یہ ضرور پتا چلتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے ایک طرف اپنے پند و نصائح کے ذریعے اور دوسری طرف اسوۂ عمل کے توسط سے اپنے بچوں کے لئے ایک ایسا مناسب ماحول فراہم کیا جس نے انہیں آپؑ کی تعلیمات سے روشناس کیا۔ اور ان ہی اقدامات کا نتیجہ ہے کہ

آپؑ کے فرزند اسماعیلؑ، اسحاقؑ اور یعقوبؑ سب کے سب اطاعت الٰہی کے خوگر ہوئے۔

انبیاء کی اولادیں بھی دوسروں کی مانند ہوتی ہیں

☆ قرآن مجید میں حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کے کردار کے بالمقابل حضرت نوحؑ اور ان کے فرزند کے کردار کا ذکر بھی آیا ہے۔۔۔ ایک طرف ذبح ہو جانے کو کہا جا رہا تھا، دوسری طرف نجات کی طرف بلایا جا رہا تھا، ایک طرف تسلیم و رضا تھی، دوسری طرف انکار اور روگردانی۔۔۔ اس چیز سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟

○ انبیاء، اولیا اور علما کے بچے بھی دوسرے انسانوں کی مانند اچھے یا برے ماحول کا اثر قبول کرتے ہیں۔ اور جب معاشرے میں موجود مثبت اور منفی عوامل، انھیں اپنی اپنی سمت کھینچنے کے لئے باہم بر سرپیکار ہوں، تو وہ خود بھی اندرونی طور پر کشمکش سے دوچار ہو جاتے ہیں، جو اس بیرونی دباؤ کا ردعمل ہوتا ہے۔

لہٰذا ضروری نہیں کہ پیغمبر کا بیٹا بھی لازماً صالح اور نیک کردار ہو، یا امام، عالم دین یا مجاہد کا بیٹا بھی عین اپنے باپ کی خصوصیات کا مالک ہو۔ کیونکہ اس کا باپ ماحول میں موجود اجزا میں سے ایک جز ہوتا ہے اور ان سینکڑوں عوامل میں سے ایک عامل ہے جو اسکی شخصیت کی تعمیر میں موثر ہوتے ہیں۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ باپ دوسرے متضاد عوامل کی وجہ سے، یا اپنی دعوتی زندگی کی مجبوریوں کی بنا پر ایسی کمزور صورتحال سے دوچار ہوتے ہیں کہ اپنے گھرانے پر خاطر خواہ اثر انداز نہیں ہو پاتے۔ یہ بکثرت داعیان دین (انبیاء ائمہ اور علما) کی مشکل ہے۔ کیونکہ بسا اوقات دعوتی زندگی کی مجبوریاں، مشکلات اور پیچیدگیاں انسان کو اپنے اہل خانہ کی طرف توجہ نہیں دینے دیتیں۔

گمراہ معاشرے کا اثر

یہاں اس نکتے کی جانب اشارہ کر دینا بھی مناسب دکھائی دیتا ہے کہ کبھی کبھی گمراہ

معاشرہ باآسانی بغیر کسی مزاحمت کے پیغمبر کے اہل خانہ کو بھی اپنی راہ پر لگا لیتا ہے۔ دراصل پیغمبر کی جد و جہد ایک بڑی جماعت کے خلاف ہوتی ہے' اور مشکل یہ ہوتی ہے کہ یہ مخالف جماعت اتنے زیادہ مادی اسباب و وسائل اور وسیع امکانات و ذرائع سے لیس ہوتی ہے کہ پیغمبر اور ان کے اصحاب کے لئے ان سے مقابلہ آسان نہیں ہوتا۔

اسکی وجہ یہ ہے کہ پیغمبر اور ان کے اصحاب کے پاس تمام وسائلِ قدرت موجود نہیں ہوتے' اور طاقت کے کچھ ہی ذرائع کے حامل ہوتے ہیں جو طبیعی طور پر انہیں حاصل ہوتے ہیں۔ کیونکہ میدانِ دعوت ' انسانی طاقتوں اور صلاحیتوں کے اظہار کا میدان ہے' غیبی قوتوں کو بروئے کار لانے کا میدان نہیں۔ اس میدان میں غیب بعض خاص مواقع پر اور معین حدود ہی میں دخل دیتا ہے اور بسا اوقات تو بالکل ہی دخل انداز نہیں ہوتا۔

اس ماحول میں ' (گمراہ) معاشرہ ' پیغمبر ' امام یا عالم کے گھرانے پر دباؤ ڈالتا ہے' اسے بھی اپنے پھندے میں کسنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسے معاشرے میں دباؤ ڈالنے والے عناصر کی کثرت پیغمبر کے اہل خانہ کو بھی گمراہی کی سمت لے جاتی ہے اور ممکن ہے کبھی ان مصلحین کی مخلصانہ کوششوں کو شکست سے دوچار کر دے۔

ہم کچھ ایسے انبیاء ' اولیا اور علما کا مشاہدہ کرتے ہیں جنہیں نامناسب بیویوں کی طرف سے مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ان بیویوں نے ان کے برخلاف موقف اپنایا۔ لہٰذا قرآن کریم میں حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی ازواج کے بارے میں آیا ہے کہ :

"ضرب اللہ مثلا للذین کفروا امرات نوح و امرات لوط کانتا تحت عبدین من عبادنا صالحین فخانتا هما فلم یغنیا عنهما من اللہ شیئا وقیل ادخلا النار مع الداخلین۔"

"خدا نے کفر اختیار کرنے والوں کے لئے نوح اور لوط کی بیویوں کی مثال بیان کی ہے کہ یہ دونوں ہمارے نیک بندوں کی زوجیت میں تھیں ' لیکن

جب ان سے خیانت کی تو ان کی زوجیت نے خدا کی بارگاہ میں انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچایا اور ان سے کہہ دیا گیا کہ تم بھی جہنم میں داخل ہونے والے دوسرے لوگوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔"

(سورہ تحریم ۶۶ - آیت ۱۰)

رسالت سے خیانت

اس گفتگو سے یہ بات بھی علم میں آتی ہے کہ خیانت سے مراد صرف عزت، آبرو اور ناموس کی خیانت نہیں۔ بلکہ سب سے بڑی خیانت مقام رسالت اور امانت نبوت سے خیانت ہے۔ اور قدرتی طور پر یہ خیانت انبیاء اولیاء اور علماء کی اولادوں پر بھی منفی اثرات مرتب کرتی ہے۔

اگر کوئی ماں فکری اور عملی طور پر گمراہ اور کفر آمیز رجحانات سے متاثر ہو تو یہ چیز انتہائی برے اثرات کی حامل ہوتی ہے۔ کیونکہ اس صورت میں وہ کافرانہ رجحانات کے گھر میں داخلے کا ذریعہ بنتی ہے اور اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک وقت پیغمبر خود کو (معاشرے کی مانند) گھر میں بھی محصور محسوس کرتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے گھرانے کو اس بنا پر گمراہ کن رجحانات سے محفوظ نہیں رکھ پاتا کہ وہاں اس کی اہلیہ اسکی مخالف ہوتی ہے۔ اور حتیٰ اس صورتحال سے باہر نکلنے کا امکان بھی اسکے پاس نہیں ہوتا۔

گو کہ ہمیں قرآن کریم میں حضرت نوحؑ کے بیٹے کی جانب کوئی تاریخی اشارہ نہیں ملتا، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے والد اسے خطاب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میرے ہمراہ کشتی میں سوار ہو جاؤ، اور نقصان اٹھانے والوں میں نہ جا ملو: ارکب معنا ولاتکن مع الکافرین (ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جاؤ اور کافروں میں نہ ہو جاؤ۔ سورہ ہود ۱۱ - آیت ۴۲) لیکن جس طرح کہ واضح ہے حضرت نوح کا بیٹا گمراہ ہے، وہ اپنے والد کے احترام کو ذرہ برابر ملحوظ نہیں رکھتا اور ان کی تنبیہ کو خاطر میں نہیں لاتا، اور ان کے غیب سے ارتباط پر ایمان نہیں رکھتا، اور یہ بات نہیں مانتا کہ اس کا باپ اس

بڑی مشکل سے نمٹنے کے لئے اتنی طاقت کا مالک ہے کہ کسی اور میں اتنی قدرت نہیں : قال ساوی الی جبل یعصمنی من الماء (اس نے کہا میں عنقریب کسی پہاڑ پر پناہ لے لوں گا جو مجھے پانی سے بچا لے گا۔ سورہ ہود ۱۱۔ آیت ۴۳)۔ حضرت نوحؑ جو اب اپنے بیٹے کی ہدایت سے ناامید ہو چکے تھے' فرماتے ہیں : لاعاصم الیوم من امر اللہ (آج حکم خدا سے کوئی بچانے والا نہیں ہے۔ سورہ ہود ۱۱۔ آیت ۴۳)

اس موقع پر حضرت نوحؑ نے اپنے پروردگار کو جو صدا دی اس میں اعتراض کا پہلو نہ تھا' بلکہ سوال اور التماس کے لہجے میں پکار تھی۔ کیونکہ خداوند عالم نے ان سے ان کے فرزند کی نجات کا وعدہ کیا تھا : ونادی نوح ربہ فقال رب ان ابنی من اهلی وان وعدک الحق وانت احکم الحاکمین' قال یانوح انہ لیس من اهلک انہ عمل غیر صالح (اور نوح نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ پروردگارا! میرا فرزند میرے اہل میں سے ہے اور اہل کو بچانے کا تیرا وعدہ برحق ہے اور تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ ارشاد ہوا کہ نوح' یہ تمہارے اہل میں سے نہیں ہے' یہ عمل غیر صالح ہے۔ سورہ ہود ۱۱۔ آیت ۴۵'۴۶)

ماں کا اثر

جب ہم خود سے یہ سوال کرتے ہیں کہ آخر کیا وجہ تھی کہ حضرت نوحؑ کا بیٹا اہل ایمان میں شامل نہ ہوا؟ تو ہمیں قرآن کی رو سے اس میں حضرت نوحؑ کی زوجہ اور ان کے بیٹے کے باہمی ارتباط کا ہاتھ نظر آتا ہے۔ وہ اس طرح کہ بیٹے پر زیادہ اس کی ماں کی تربیت کا اثر ہوتا ہے اور بہت کم باپ کے اثرات قبول کرتا ہے۔ کیونکہ اسکا باپ یکاو تنہا ہے جبکہ اسکی ماں کا رابطہ (اپنے اقربا اور دوسروں کے ساتھ ساتھ) پورے معاشرے سے ہے۔ اور قدرتی بات ہے کہ بچہ اکثریتی گروہ کے اثرات قبول کرتا ہے جبکہ اسکا باپ جو عظیم اور بھاری ذمے داریوں کا بوجھ اپنے کاندھوں پر اٹھائے ہوئے ہے اور اس کے گرد مومنین کا ایک بہت چھوٹا سا گروہ ہے' اپنے بیٹے پر اثرانداز نہیں ہو پاتا۔

اس وضاحت کے ذریعے ہم حضرت اسماعیلؑ اور حضرت نوحؑ کے بیٹے کے مسئلے کے درمیان فرق کو سمجھ سکتے ہیں۔ اسکی تشریح یہ ہے کہ حضرت اسماعیلؑ نے ایک ایسے ماحول میں پرورش پائی جہاں حضرت ابراہیمؑ نے انہیں گمراہ کن دباؤ سے محفوظ رکھا، حضرت اسماعیلؑ ایک ایسے گھرانے میں پروان چڑھے جہاں انحرافی اور گمراہ کن رجحانات کا گزر نہ تھا' اس لئے کہ ان کی والدہ بھی صالح خاتون اور مومنہ تھیں۔

اسی بنا پر اسلام شادی بیاہ کے معاملے کو اہمیت دیتا ہے اور مومنین کو تاکید کرتا ہے کہ وہ اپنے لئے دیندار شریک حیات کا انتخاب کریں۔

ایک شخص رسول کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور سوال کرتا ہے کہ میں کن خصوصیات کی حامل خاتون سے شادی کروں؟ آنحضرتؐ اس سے فرماتے ہیں کہ دیندار (لڑکی) کو شریک حیات منتخب کرو۔ اسی طرح آنجنابؐ شوہر کے لئے بھی اسی شرط کو اہمیت دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں :

"اذا جاءکم من ترضون خلقه و دینه فزوجوه الا تفعلوه تکن فتنة فی الارض و فساد کبیر۔"

"جب بھی تمہارے پاس کوئی ایسا مرد تمہاری بیٹی کا پیام لے کر آئے جس کے دین اور اخلاق سے تم مطمئن ہو تو اس سے اپنی لڑکی کی شادی کردو۔ اگر تم ایسا نہ کروگے تو روئے زمین پر بڑا فتنہ و فساد پھوٹے گا۔"

اسلام گھرانے کی بہتری اور سلامتی کی غرض سے تاکید کرتا ہے کہ خاتونِ خانہ دین کی پابند ہو اور مرد کو بھی متدین ہونا چاہئے۔ تاکہ بچے کی اولین پرورش گاہ ہی ایسی ہو جو اسکے فکر و شعور اور جذبات و احساسات کو مطلوبہ سطح تک بلند کرسکے اور گمراہی سے محفوظ رہنے کے لئے اس کے اندر ابتدائی حفاظتی رکاوٹ کھڑی کردے۔

لیکن اگر والدین کے درمیان کشمکش پائی جائے۔ مثلاً باپ بچوں کو دین و مذہب کا پابند بنانا چاہے لیکن ماں انہیں لادینیت اور گمراہی کی طرف دھکیلنا چاہتی ہو (یا اس کے برعکس ہو) تو ایسی صورت میں قدرتی بات ہے کہ بچوں کی مناسب تربیت نہیں ہوسکتی۔

ہم یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ تربیت کے سلسلے میں والدین کا عنصر ہی ہر مرض کی دوا ہے۔ لیکن یہ بات زور دے کر ضرور کہتے ہیں کہ بچے کے مستقبل کے بناؤ یا بگاڑ میں والدین کا کردار انتہائی اہم ہوتا ہے۔ البتہ دوسرے عوامل کے اثرات کا بھی ہم انکار نہیں کرتے۔

اس گفتگو کی روشنی میں حضرت نوحؑ کی داستان ' ہمیں سکھاتی ہے کہ باپ کو اپنی اولاد کی تربیت کی جانب متوجہ رہنا چاہئے' ہاتھ پر ہاتھ دھرے اس اطمینان کے ساتھ نہیں بیٹھے رہنا چاہئے کہ اسکا بیٹا مستقبل میں ایک صالح اور نیک کردار انسان ثابت ہو گا۔ نیز اسے اپنی بیوی کے برے کردار اور اخلاق کی طرف سے بھی چوکنا رہنا چاہئے' کیونکہ اس کا اثر اس کے بچے پر پڑتا ہے۔ تاہم اگر طاقتور عوامل کے زیر تسلط آ کے اسکی اولاد گمراہ ہو جائے' تو اس بات کو اسے حد سے زیادہ اپنے اوپر سوار نہیں کرنا چاہئے اور خود کو کسی مشکل میں نہیں ڈالنا چاہئے۔ لوگوں کو بھی بیٹے کے بگاڑ کو باپ کی خرابی کی دلیل نہیں سمجھنا چاہئے۔ بدقسمتی سے بعض لوگ ایسے مواقع پر یہی کہتے ہیں کہ جاؤ جاؤ پہلے اپنے گھر کو ٹھیک کرو۔

درست ہے کہ خداوند عالم نے اہل خانہ کی رہنمائی اور اقربا کو تنبیہ و ہدایت ' انسان کی ذمہ داری قرار دی ہے' لیکن اسکے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ اس بارے میں صد در صد ذمے دار ہے۔ بلکہ اس پر اتنی ہی ذمے داری عائد ہوتی ہے جتنی اس میں اس سلسلے میں قدرت و توانائی ہے۔

صداقت 'شبہوں کا ازالہ کرتی ہے

☆ آپ کا کیا خیال ہے 'کیا ایک سماجی مصلح کی گھریلو زندگی کی ناموافقت اسکی اصلاحی جدوجہد کو نقصان نہیں پہنچاتی ' یا کم از کم اسکی قدر و قیمت کو گھٹا نہیں دیتی؟

○ بالکل ' یہ صورتحال کبھی کبھی داعی اور مصلح کے خلاف عوام کے ذہن میں ایک ناپسندیدہ تاثر چھوڑتی ہے۔ خواہ یہ داعی پیغمبر ہو' امام ہو یا اہل ایمان میں سے کوئی

شخص۔ لوگ کوشش کرتے ہیں کہ اس صورتحال کے منفی پہلو کو نمایاں کریں اور یہ بات پھیلائیں کہ یہ شخص اپنی دعوت میں سچا نہیں اور اسکی دعوت اور سرگرمیوں کا واحد مقصد لوگوں کو اپنا فریفتہ و گرویدہ بنانا اور منصب و مقام اور مال و دولت کے حصول کے لئے ان سے فائدہ اٹھانا ہے۔

قرآن کریم میں جہاں خداوند عالم نے انبیاء کی اقوام کے بارے میں گفتگو کی ہے وہاں ہم دیکھتے ہیں کہ یہ اقوام اپنے پیغمبروں پر تہمت لگاتی ہیں کہ ان کی جدوجہد لوگوں پر تسلط و اقتدار اور مادی فوائد کے حصول کے لئے ہے۔ جس طرح کہ حضرت موسیٰؑ اور فرعون کے قصے میں ملتا ہے کہ لوگ کہا کرتے تھے کہ اگر موسیٰؑ اپنی دعوت میں سچے ہیں اور اس پر صدق دل سے ایمان رکھتے ہیں تو اس کے اظہار کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے گھرانے کو بھی دعوت دیں اور انہیں بھی اپنے اوپر ایمان لانے والا بنائیں۔

اسی طرح جب لوگ دیکھتے ہیں کہ کوئی بلند آہنگ نعرے لگا رہا ہے اور لوگوں کو اصلاح کی دعوت دے رہا ہے' درحالیکہ خود ان چیزوں کا پابند نہیں' تو اسکے بارے میں کہتے ہیں کہ اگر وہ اپنی دعوت میں مخلص ہے' تو پہلے خود اپنی اصلاح کرے' بعد میں دوسروں کو دعوت دے۔

جی ہاں! یہ صورتحال عام حالات میں منفی اثرات مرتب کرتی ہے۔ لیکن ہمارا خیال ہے کہ اگر یہ شخص (عالم یا کوئی بھی دوسرا داعی) لوگوں کو باور کرادے کہ وہ اپنی دعوت میں سچا ہے اور لوگ بھی اسے اپنے مشن میں مخلص سمجھنے لگیں اور یہ بھی دیکھ لیں کہ وہ اپنی گمراہ اولاد سے سازباز نہیں کرتا اور انہیں دوسرے افراد پر کوئی ترجیح نہیں دیتا۔ نیز اپنی دعوت کے دوران اس نے اپنے اہل خانہ کو راہ راست پر لانے میں کوئی سستی نہیں کی ہے' کوئی کسر نہ چھوڑی ہے تو لوگ دعوت کے سلسلے میں اسکی سچائی اور اخلاص پر یقین کرلیتے ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ابولہب' جو پیغمبر اسلامؐ کا چچا تھا' آنحضرتؐ کی دعوت کا سرسخت مخالف تھا' لیکن اس چیز نے لوگوں کے اذہان میں آنحضرتؐ کے لئے کوئی منفی اثر مرتب

نہیں کیا' کیونکہ آنحضرتؐ کے دعوتی کردار' دعوتی سرگرمیوں میں آپ کی تن دہی اور سخت جد وجہد اور مسلمان بیگانوں کو غیر مسلم اقربا پر مقدم رکھنے کے عمل نے 'لوگوں پر یہ واضح کر دیا کہ آنحضرتؐ کے رشتہ داروں پر اسلامی دعوت کے اثر انداز نہ ہونے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ آپؐ اپنی دعوت میں مخلص نہیں بلکہ یہ ان لوگوں کی شخصیت میں موجود پیچیدہ عناصر کا نتیجہ ہے۔ اسی بنا پر اس بات نے آنحضرتؐ پر کوئی منفی اثر نہیں ڈالا۔

ہماری رائے ہے کہ اگر داعیان و مبلغانِ دین اپنے اہل خانہ اور رشتہ داروں سے برتاؤ میں اس بات کی پابندی کریں اور لوگوں پر یہ بات ثابت ہو جائے کہ وہ اپنے بچوں سے مشفقانہ تعلق کی بنا پر ان کی گمراہی کو نظر انداز نہیں کریں گے تو اس صورتحال (یعنی ان کے بچوں اور اہل خانہ کی گمراہی) کا منفی اثر زائل ہو کر شاید ان کے لئے ایک مثبت عامل میں بدل جائے۔

گمراہ کن ماحول اور اخلاقی مانع

☆ سورہ یوسف میں ہم ایک ایسے جوان کا تذکرہ پاتے ہیں جو شہوت انگیز ماحول میں گھرے ہونے کے باوجود پرہیزگاری کا ثبوت دیتا ہے اور اپنے نفس کی حفاظت کرتا ہے۔ ہمارے زمانے کے جوان کس طرح حضرت یوسفؑ کی تاسی کر سکتے ہیں؟

○ حضرت یوسفؑ جس صورتحال سے دوچار ہوئے' جب ہم اسکا مطالعہ کرتے ہیں' تو پتا چلتا ہے کہ انہیں ہمارے زمانے کے نوجوان کی نسبت کہیں زیادہ سخت اور انتہائی دشوار صورتحال کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ کیونکہ موجودہ زمانے میں فریب اور گمراہی کے وسیع مواقع کی طرف نوجوان اپنے شوق و ارادے سے قدم اٹھاتے ہیں' اور اکثر مواقع پر طوعاً و کرہاً وہ یہ راہ اختیار نہیں کرتے اور ان سے ان کی آزادی اور اختیار سلب نہیں کیا جاتا۔ جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت یوسفؑ کو اس عورت کے شوہر نے خرید کر اپنا غلام بنایا تھا' جو رات دن آپؑ کے ساتھ رہتی ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت یوسفؑ از خود' بغیر کسی بیرونی مداخلت کے اس عورت کی

طرف سے بے اعتنائی برتتے ہیں۔ کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ حضرت یوسفؑ نے اسکے حسن و جمال کی طرف کسی رغبت کا اظہار کیا اور ان کی شخصیت میں پنہاں جنسی خواہش بیدار ہوئی۔ یہ تمام باتیں اس بات کی علامت ہیں کہ حضرت یوسفؑ اس حالت کی مخالف ذاتی عصمت کے مالک تھے۔

ممکن ہے کوئی یہ کہے کہ حضرت یوسفؑ کیونکہ غلام تھے' اس لئے ان میں اپنی مالکن سے دست درازی کی جرات نہ تھی' یعنی حضرت یوسفؑ اور اس عورت کے درمیان ایک داخلی حجاب حائل تھا جس نے انہیں اس عمل کے ارتکاب سے روکے رکھا۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ اگرچہ یہ حجاب بعض مواقع پر رکاوٹ ثابت ہوتا ہے لیکن دراز مدت تک موثر نہیں رہتا' بالخصوص جب خود عورت ارتکاب گناہ پر آمادہ ہو۔

پردۂ ایمانی

حضرت یوسفؑ نے جس صورتحال کا شدت کے ساتھ مقابلہ کیا' یعنی عزیز مصر کی بیوی کی ناجائز خواہش کو جس سختی سے مسترد کیا' اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپؑ کے امتناع کا سبب کوئی داخلی حجاب نہ تھا' بلکہ جو چیز حائل ہوئی وہ ایمانی رکاوٹ تھی۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ رب العزت فرماتا ہے : ولقد همت به و هم بها لولا ان را برهان ربه (اور یقیناً اس عورت نے ان سے برائی کا ارادہ کیا اور وہ بھی ارادہ کر بیٹھتے اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتے۔ سورہ یوسف ۱۲۔ آیت ۲۴)۔

بعض لوگ اس آیت کی یہ تفسیر کرتے ہیں کہ حضرت یوسفؑ نے اس عورت سے برائی کا قصد کر لیا تھا لیکن جس تفسیر کی جانب ہمارا جھکاؤ ہے اور جسے ہم بیان قرآن کے نزدیک ترین سمجھتے ہیں ' وہ یہ ہے کہ حضرت یوسفؑ غیر شعوری طور پر اسکی جانب مائل ہوئے تھے ' بالکل اسی طرح جیسے انسان اپنی پسندیدہ غذا کی طرف راغب ہوتا ہے اور اس موقع پر غیر شعوری طور پر بھوک محسوس کرتا ہے' لیکن یہ میل و رغبت دیرپا نہیں ہوتی ' کیونکہ یہ غیر شعوری اور طبعی ہوتی ہے' ارادی اور عمدی نہیں : لولا ان را

برھان ربہ (اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتے) یعنی اگر ان کا ایمان بیدار نہ ہو جاتا۔ لہٰذا عصمت کے معنی حرام ماکولات و مشروبات اور حرام خواہشات کی جانب سے بے رغبتی اور بے میلی نہیں بلکہ اسکے معنی یہ ہیں کہ معصوم حرام کا ارتکاب نہیں کرتا' حرام میں ملوث نہیں ہوتا اور جبلی اور طبیعی میلانات کے زیر اثر عملِ بد کا مرتکب نہیں ہوتا۔

اس داستان کی شکل و صورت اس وقت اور واضح ہو جاتی ہے جب عزیز مصر کی بیوی مصری بیگمات کی ایک محفل جماتی ہے اور وہاں ان کے سامنے حضرت یوسفؑ کو طلب کرتی ہے اور جوں ہی ان عورتوں کی نگاہ حضرت یوسفؑ کے سراپے پر پڑتی ہے بے اختیار کہہ اٹھتی ہیں : حاشا للہ ما ھذا بشرا ان ھذا الا ملک کریم (حاشا للہ یہ تو انسان نہیں بلکہ کوئی محترم فرشتہ ہے۔ سورہ یوسف ۱۲۔ آیت ۳۱)۔

اس موقع پر حضرت یوسفؑ کو یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ ان کے گرد حصار تنگ سے تنگ تر ہوتا چلا جا رہا ہے' یہاں تک کہ بے اعتنائی ان کے بس سے باہر ہو جائے گی کیونکہ اس سلسلے میں وہ اپنی پوری طاقت صرف کر چکے تھے۔

اس صورتحال پر توجہ کے ذریعے ہم حضرت یوسفؑ کی اس تکلیف اور اذیت کا احساس کرسکتے ہیں جو آپؑ نے اس عورت کی گمراہ کن دعوت سے بچاؤ کے سلسلے میں اٹھائی تھی۔ اور یہی درد و رنج ہے جسکی بنا پر وہ خدا سے التجا کرتے ہوئے فرماتے ہیں :
رب السجن احب الی مما یدعوننی الیہ والا تصرف عنی کیدھن اصب الیھن (پروردگار یہ قید مجھے اس کام سے زیادہ محبوب ہے جسکی طرف یہ مجھے دعوت دے رہی ہیں اور اگر تو ان کے مکر کا رخ میری طرف سے موڑ نہ دے گا تو میں ان کی طرف مائل ہو سکتا ہوں۔ سورہ یوسف ۱۲ آیت ۳۳)

اخلاقی مانع

اس داستان پر غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ حضرت یوسفؑ کی مضبوط ایمانی شخصیت نے انہیں اس گڑھے میں گرنے سے محفوظ رکھا۔ یہ قوتِ ایمانی آپؑ کو اپنے پدر

بزرگوار کی صحبت اور خداوندعالم کی عظمت وبزرگی کے بارے میں غوروفکر کے ذریعے حاصل ہوئی تھی۔ حضرت یوسفؑ عظیم روحانی آرزوں کے حامل تھے۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت یعقوبؑ نے انتہائی شفقت اور محبت سے اپنے فرزند کی تربیت کی اور انہیں ایک مضبوط اخلاق کا حامل انسان بنانے میں کامیاب ہوئے۔ غالباً حضرت یعقوبؑ کی حضرت یوسف سے والہانہ محبت کا راز بھی یہی تھا نہ کہ ان کا حسن وجمال۔

جب ہم اس بات کا مطالعہ کرتے ہیں کہ حضرت یعقوبؑ نے کس انداز سے اپنے بچوں کی تربیت کی تو دیکھتے ہیں کہ حضرت یعقوبؑ کی بھرپور کوشش یہ تھی کہ اپنے بچوں میں ایمان کو تقویت دیں اور انہیں اطاعتِ الٰہی کا خوگر بنائیں۔

پھر یہیں سے یہ بات بھی علم میں آتی ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے اپنے اس ممتاز فرزند (حضرت یوسفؑ) کو خداوندعالم پر ایمان سے سرشار اور پیغام ربانی کے راستے سے ہم آہنگ پایا اور اسی بنا پر اسے اپنے دوسرے بچوں پر فوقیت دی۔ یہ امتیاز دوسرے بچوں میں حسد کے جذبات بھڑکانے کا سبب بنا' یہاں تک کہ وہ حضرت یوسفؑ سے چھٹکارا حاصل کرنے کے بارے میں سوچنے لگے۔

پیغمبرانہ روح

شاید یہ چیز ہم پر حضرت یوسفؑ کے پیغمبرانہ روح کا حامل ہونے کی وضاحت کرسکے کہ اسی وقت سے جبکہ آپؑ کے بھائیوں نے آپ کے خلاف سازش کے تانے بانے بنے اور آپؑ سے دغابازی کے مرتکب ہوئے اور اس وقت تک جبکہ آپؑ کو قید میں ڈالا گیا' آپؑ نے کسی ایک فرد سے بھی ایمان وتقویٰ کے سلسلے میں رہنمائی وہدایت حاصل نہ کی تھی بلکہ آپؑ کو اندرون خانہ سے بھی اور معاشرے کی طرف سے بھی گمراہی کی جانب دعوت وترغیب دی گئی تھی۔

جب ہم زندان میں آپؑ کی قید کے عرصے پر نگاہ ڈالتے ہیں' تو آپؑ وہاں بھی لوگوں

کو خدا کی طرف دعوت دینے میں کوشاں نظر آتے ہیں : یاصاحبی السجن ء ارباب متفرقون خیرام اللہ الواحد القہار (اے میرے قید خانے کے ساتھیو! تم ہی بتاؤ کہ متعدد خدا بہتر ہیں یا ایک خدائے واحد و قہار۔ سورہ یوسف ۱۲- آیت ۳۹))۔

اس گفتگو سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ حضرت یوسفؑ دعوتی ذہنیت کے مالک تھے اور صرف اپنی اصلاح اور تہذیب نفس ہی کو کافی نہ سمجھتے تھے' آپؑ کی کوشش ہوتی تھی کہ دوسروں کو بھی پیغام الہٰی سے آشنا کریں' اپنی اور اپنے معاشرے کی اصلاح کے لیے پایا جانے والا یہی دعوتی جذبہ تھا جو حضرت یوسفؑ کو یہ موقف اپنانے پر آمادہ کرتا تھا اور یہی وہ چیز ہے جس پر ہم ایمانی اور دعوتی جذبے کی تربیت اور نشوونما کے پروگرام بنانے کے ضرورت کے دوران تاکید کرتے ہیں۔

اس مقام پر ہم یہ کہنا ضروری سمجھتے ہیں کہ اصلاح معاشرہ کے لئے سرگرم عمل مومن کی جدوجہد اسے قوتِ مدافعت بخشتی ہے اور اسے دوسروں کے اثرات سے محفوظ رکھتی ہے۔ لیکن ایسا مومن جو اس سلسلے میں اہتمام نہیں کرتا اور معاشرے کی اصلاح سے لاتعلق رہتا ہے' وہ ایسی قوت اور مدافعت کا مالک نہیں ہوتا۔

حضرت یوسف جو اپنی دعوت اور پیغام کے سلسلے میں ایک فعال اور متحرک انسان تھے' ہمارا اعتقاد ہے کہ اسلامی بنیاد پر ان کی تربیت اور اپنی دعوت کے سلسلے میں ان کی شعوری کوششوں نے انہیں اس مقام پر ثابت و استوار رکھا اور ان کے قدموں میں لغزش نہ آنے دی۔

ان کے ثبات و استقلال کی وجہ یہ تھی کہ وہ سمجھتے تھے کہ جن لوگوں کے درمیان وہ زندگی بسر کر رہے ہیں انہیں ان کی ہدایت و رہنمائی کرنی چاہئے' نہ کہ وہ خود ان لوگوں کے اثرات قبول کرنے لگیں۔

کیا عورت بھی ایسے کردار کی مالک ہو سکتی ہے

☆ یہاں تک مرد کے مضبوط کردار کی بابت گفتگو ہوئی ہے' جس کی مثال حضرت یوسفؑ تھے' عورت کے کردار کی مضبوطی اور اسکی اہمیت واثرات کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

○ جب ہم حضرت یوسفؑ کے کردار کی پختگی کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں تو ہماری نظر میں (عورت کے مقابل) ایک مرد کی شخصیت نہیں ہوتی ہے بلکہ انہیں ہم ایک مخلص' باایمان اور داعیانہ کردار کے حامل انسان کے طور پر دیکھتے ہیں' جو خدا کی طرف دعوت اور اسکی راہ میں جہاد کے راستے پر گامزن ہے۔ لہٰذا یہاں ایک مسلمان اور مومن عورت بھی ہماری مخاطب ہے۔ تاہم جو چیز ضروری ہے وہ ماحول اور معاشرے میں سالم اور درست تربیتی ماحول کی فراہمی اور حرکت اور جدوجہد کی ذہنیت کا پیدا کرنا ہے' جو مسلمان عورت اور اسی طرح مسلمان مرد کو کردار کی پختگی عطا کرے۔ پھر یہ بات بھی ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ انسانیت جانچنے کا پیمانہ یہ نہیں ہے کہ کسی نے اپنی خواہشات کی تسکین کیسے کی ہے بلکہ یہ پیمانہ اپنے فریضے کی ادائیگی کی مقدار ہے' اس بات کی جانب اشارہ ابن عباس کے نام امیرالمومنینؑ کے ایک مکتوب میں ہوتا ہے' جس میں آپ نے تحریر کیا:

"فلا یکن افضل ما نلت فی نفسک من دنیاک بلوغ لذة اوشفاء غیظ ولکن اطفاء باطل واحیاء حق و لیکن سرورک بما قدمت واسفک علی ما خلفت وھمک فیما بعدالموت"

"خبردار تمہارے لئے دنیا کی سب سے بڑی نعمت کسی لذت کا حصول یا جذبہ انتقام کی تسکین ہی نہ بن جائے بلکہ بہترین نعمت باطل کے مٹانے اور حق کے زندہ کرنے کو سمجھو اور تمہارے لئے خوشی کا باعث وہ اعمال

ہوں جنہیں تم نے پہلے بھیج دیا ہے اور تمہارے لئے باعث افسوس وہ سرمایہ ہو جسے صحیح مصرف کے بغیر چھوڑا ہے اور تمہاری تمام تر فکر موت کے بعد کے مرحلے کے بارے میں ہونی چاہیے۔"

(نہج البلاغہ - مکتوب ۲۶)

اس گفتگو کو دیکھئے تو یہ تاکید کرتی نظر آتی ہے کہ انسان کی تمام تر جدوجہد اپنی خواہشات کی تسکین کے لئے نہ ہو بلکہ اس کی پوری کوشش اپنے دوش پر عائد ہونے والے فرائض اور ذمے داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ہو۔ البتہ اسکے معنی یہ نہیں کہ ہم اپنی جبلتوں اور فطری خواہشات کا گلا گھونٹ ڈالیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ فطری خواہشات اور جبلتوں کو کنٹرول کر کے انہیں خدا پسند سمت دیں اور اس سلسلے میں خدا کی قرار دی ہوئی حدوں کی رعایت کریں اور اس بات کو ذہن نشین رکھیں کہ ایک متحرک' فعال' دینِ خدا کی طرف دعوت دینے والے اور احکام الٰہی پر عمل پیرا مسلمان کی حیثیت سے یہ ہماری ذمے داری ہے کہ دوسرے انسانوں کو جبلتوں کے تسلط سے نجات دیں نہ کہ خود بھی جبلتوں کے زیر تسلط آ کے اس بحران کو دوچند کر دیں۔

عقدۂ حسد

☆ سورہ یوسف کے ایک حصے میں برادران یوسفؑ کی دھوکا دہی کا تذکرہ ہوا ہے۔ اس چیز کو دیکھتے ہوئے کہ حضرت یوسفؑ اور ان کے بھائیوں نے حضرت یعقوبؑ کے زیر سایہ ایک ساتھ تربیت پائی آپ حضرت یوسفؑ کے بالمقابل ان کے بھائیوں کے موقف اور کردار کی کس طرح توجیہ کریں گے؟

○ دکھائی یہ دیتا ہے کہ بہت سے انسانوں کی مشکل یہ ہے کہ انہوں نے ایمان کو اپنے لئے ایک از خود حاصل امتیاز سمجھا ہوا ہے۔ خواہ یہ انسان انبیاء کی اولاد ہوں' ائمہ کی یا علما کی اور خواہ یہ مسلمان معاشرے میں زندگی بسر کرنے والے اہل ایمان ہوں۔ ایمان نے ایسے لوگوں کی روح کی گہرائی اور شخصیت کے باطن میں جگہ نہیں بنائی ہوتی اور اس

سے ان کا باطن سرشار اور متاثر نہیں ہوا ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نظر میں پورا کا پورا دین صرف تقلیدی طور پر محض چند مخصوص عبادی اور معنوی اعمال کی انجام دہی تک منحصر ہو کے رہ جاتا ہے۔

بصد افسوس' اخلاقی مسائل جن میں نفسانی خواہشات اور شیطانی وسوسوں سے روگردانی کی ضرورت ہوتی ہے اور جو انسان میں الٰہی اور شیطانی عنصر کے درمیان جنگ کا ایک میدان ہیں' ان کے بارے میں یہ لوگ سنجیدگی اور گہرائی کے ساتھ توجہ نہیں دیتے کیونکہ یہ لوگ ان امور میں تربیت کو اپنی شخصیت کے لئے کوئی بنیادی حیثیت نہیں دیتے۔

عصرِ ائمہؑ میں

انبیاء' اولیاء' علما اور مومنین کی بہت سی اولادوں میں بھی خلافِ اخلاق صفات پائی جاتی ہیں۔ عصر ائمہؑ میں بھی بنی حسینؑ (جو مقام امامت پر فائز تھے) کے خلاف بنی حسن کا موقف قابل توجہ ہے' جس سے ان کی حسد کی بو آتی ہے۔ اسی طرح دوسرے ائمہؑ کے بعض فرزندوں کا رویہ ہے۔ مثال کے طور پر انہی میں سے ایک کا ہارون الرشید کے دربار میں امام موسیٰ کاظمؑ کی چغل خوری کرنا اور اسی طرح امام ہادیؑ کے فرزند جعفر (جو جعفر کذاب کے نام سے مشہور ہے) کا منفی کردار' حسد کی نمایاں مثالیں ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ مذکورہ مثالوں میں ایک ایسی خاص حالت پائی جاتی ہے جو داخلی ماحول کو مثبت کی بجائے (بعض لحاظ سے) منفی باتوں کی پرورش کا ذریعہ بنا دیتی ہے۔ کیونکہ ایسے انسان فضائل و اعلیٰ اخلاقی اقدار سے معمور فضا میں زندگی بسر کرنے کے باوجود ان فضائل کے بارے میں کوئی مثبت احساس نہیں رکھتے۔

حضرت یعقوبؑ کے فرزندوں کا مسئلہ بھی یہی تھا' اسلئے کہ وہ یوسفؑ اور ان کے دوسرے بھائی (اور ان دس بھائیوں کی مائیں علیحدہ علیحدہ تھیں) کے حوالے سے ایک نفسیاتی کمپلکس کا شکار تھے۔

حضرت یعقوبؑ اپنے دوسرے فرزندوں کی نسبت حضرت یوسفؑ اور ان کے بھائی (بنیامین) سے زیادہ جذباتی لگاؤ رکھتے تھے اور ان دو کو ان دس پر مقدم رکھتے تھے لہٰذا ان کے بقیہ فرزندوں کی حسد شاید اسی جذباتی تفریق کا نتیجہ قرار دی جاسکے۔

دوسرا قابل ذکر امکان یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت یوسفؑ اور ان کے بھائی (بنیامین) کی کامیابیاں ان کے دوسرے بھائیوں کے دل میں ان کے خلاف حسد کی وجہ بنی ہوں اور وہ انہیں نقصان پہنچانے کے بارے میں سوچنے لگے ہوں۔

اگر یہاں کوئی یہ سوال کرے کہ وہ پیغمبر تھے (پس کیوں ایسے طرز عمل کے مرتکب ہوئے) تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا پیغمبر ہونا ثابت نہیں۔ غالباً قرآن کریم سے بھی یہ بات دریافت نہیں ہو پائے۔ تاہم یہ ممکن ہے کہ اپنے طرز عمل کی خرابی کا علم ہو جانے کے بعد وہ نیک اور صالح انسان بن گئے ہوں اور اس نفسیاتی کمپلکس سے چھٹکارا حاصل کر لیا ہو۔

دعوت کے دوران

مذکورہ بالا گفتگو کی روشنی میں، ہم اپنے معاشرے کے حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے، اپنے فریضے کو واضح کرسکتے ہیں۔ لہٰذا اس بات کو بنیادی عنوان سے پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے کہ علما مومن والدین اور صالح رہنما و قائدین (معاشرے اور گھر) کی عمومی ایمانی فضا سے مطمئن ہو کے نہ بیٹھ جائیں۔ یعنی ایسا نہ ہو کہ وہ سوچنے لگیں کہ ان کے نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کی تربیت اور اصلاح کے لئے ایسے مومن معاشرے میں زندگی بسر کرنا ہی کافی ہے جو انہیں سیدھے اور صحیح راستے پر لگا دے۔ بلکہ انہیں لازماً تربیت اور رہنمائی کے ایسے جدید طریقوں سے استفادے کی کوشش کرنی چاہئے جو ان جوانوں کے لئے تازگی اور جاذبیت کے حامل ہوں تاکہ وہ شوق و رغبت کے ساتھ راہ راست اختیار کریں۔ یہ کام متنوع طریقوں اور طرح طرح کے حالات سے استفادے کے ذریعے انجام پائے گا۔

ہمارا خیال ہے کہ ایمان کی بنیادوں کو مستحکم کرنے کے لئے مختلف طریقے اختیار کر کے' ان طریقوں میں جدت پیدا کر کے اور اس مقصد کے لئے مختلف مواقع پیدا کر کے مومن معاشرے کی فضا کو یکسانیت اور روٹین سے باہر نکالنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ یہ یکسانیت اس بات کا موجب ہوتی ہے کہ ہمارے نزدیک یہ اہم اور حساس مسائل بھی زندگی کے ایسے روزمرہ مسائل کی مانند ہو جاتے ہیں جن کے بارے میں ہم غور و فکر نہیں کرتے اور جن سے بے اعتنا رہتے ہیں۔

حسد کا کوئی فائدہ نہیں

ہمیں سورۂ یوسف سے اس تربیتی مفہوم کو سمجھنے کی ضرورت ہے' تاکہ ہم حضرت یوسفؑ اور ان کے بھائیوں کی داستان سے حاسد کے اندر محسود کے خلاف جذبہ عداوت بھڑکانے کے سلسلے میں حسد کی تاثیر جان سکیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ہر چند برادران یوسفؑ حضرت یوسفؑ اور ان کے بھائی (بنیامین) سے حسد میں مبتلا تھے اور انہیں قتل کرنے یا نقصان پہنچانے کے لئے منصوبے بناتے تھے لیکن اس داستان کا نتیجہ بتاتا ہے کہ انہیں اس تگ و دو سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔

جب حضرت یوسفؑ ان کے ساتھ احترام سے پیش آتے ہیں' انہیں اپنے پاس بلاتے ہیں اور جب خداوند عالم ان کے والد اور بھائیوں کو طویل جدائی کے بعد اکٹھا کر دیتا ہے' تو آپؑ کمال بزرگواری کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں اپنے گلے لگالیتے ہیں۔ اب برادران یوسفؑ پر ظاہر ہوتا ہے کہ یوسف تو بڑے وسیع النظر انسان ہیں' ایسا بلند مقام اور منصب پالینے کے باوجود بھی وہ ذرا نہیں بدلے اور انہوں نے بد سلوکی اور جیسے کو تیسے کا رویہ نہیں اپنایا' بلکہ وہ اپنی پیغمبرانہ شخصیت کے تقاضے کے مطابق انہیں اپنے پاس بلاتے ہیں اور درگاہ خدا میں اپنے اور اپنے بھائیوں کے حق میں دعا کرتے ہیں۔

وہ لوگ جو نیک اور پاکباز' متحرک اور فعال انسانوں سے حسد کرتے ہیں (خواہ وہ

لوگ ان کے اقربا ہوں یا اجنبی افراد) انھیں یہ بات سوچنی چاہئے کہ وہ کس طرح ابتدا ہی میں ایسے انسانوں کی شخصیت سے اپنے پسندیدہ مثبت اور درست نتائج حاصل کرسکتے ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اگر برادران یوسف' حضرت یوسف سے صاف وشفاف میل جول رکھتے' باہم گفت وشنید کرتے' تو لازماً اس معنوی عنصر کو کشف کرلیتے جس سے حضرت یوسفؑ کی ذات مالامال تھی اور یہی بات ان کی ان بہت سی نفسیاتی پیچیدگیوں کو حل کردیتی جو حضرت یعقوبؑ کی حضرت یوسفؑ اور ان کے بھائی (بنیامین) کی جانب خاص توجہ اور مخصوص لگاؤ کے مشاہدے کا نتیجہ تھیں اور ممکن ہے یہ پیچیدگیاں وجود ہی میں نہ آتیں۔

یہ بات ہر انسان کو اپنی گرہ میں باندھ لینی چاہئے کہ حسد کا کوئی عملی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا اور نہ ہی یہ محسود (جس سے حسد کی جائے) کو دشواریوں میں مبتلا کرنے کی ان کی آرزو پوری کرتی ہے۔ خاص طور پر اگر وہ مضبوط ایمان کا حامل ہو اور یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ خداوندعالم ہر عامل سے بالاتر ہے اور وہی ہے جو انسانوں میں تغیر و تحول ایجاد کرتا ہے' وہی ہے جو دلوں کو منقلب کرتا ہے' معاملات وامور کی تدبیر اسی کے ہاتھ میں ہے۔

لہٰذا حاسدوں کی حسد دوسروں پر کوئی منفی اثر نہیں ڈال سکتی' ان کی دشمنی کسی کو اس وقت تک کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی جب تک خدا نہ چاہے کیونکہ کائنات میں کچھ بھی اذن وارادہ الٰہی کے بغیر واقع نہیں ہوتا۔

حاسد کو ذرا سوچنا چاہئے

کتنا اچھا ہو کہ حاسد ہماری معروضات پر سوچ بچار کریں اور اس نکتے پر فکر مرکوز کریں کہ خداوندعالم کا خزانہ انتہائی وسیع اور لامحدود ہے اور وہ محسود کو بخشی ہوئی کسی چیز میں کمی کئے بغیر اسی طرح کی چیز حاسد کو بھی عطا کرسکتا ہے۔ پس اسکے لئے بہتر ہے کہ وہ حسد کے بجائے غبطہ کرے۔ اور غبطہ کے معنی یہ ہے کہ انسان خدا سے تمنا کرے کہ اس نے فلاں شخص کو جو کچھ عطا کیا ہے اس کی مانند یا اس سے بھی زیادہ اور بہتر مجھے

عطا فرمائے۔

لٰہذا ہمارے خیال میں اس قصے (یوسفؑ اور برادران یوسفؑ کی داستان) کو حسد کے آغاز اور انجام کے درمیان فرق کے اسباب سے واقفیت کے لئے ایک زندہ نمونہ ہونا چاہئے۔ خاص کر اپنے بھائیوں کی خیانت پر، حضرت یوسفؑ کے رد عمل کا جائزہ لے کر، نیز اس حقیقت کے بارے میں غور و فکر کر کے کہ خداوند عالم نے کس طرح حضرت یوسفؑ کو، انتہائی برے حالات سے (جبکہ وہ موت کے منھ میں پہنچ چکے تھے، اور انہیں غلاموں کی منڈی میں پہنچا دیا گیا تھا) نجات دلا کر ایک بلند مقام سے ہمکنار کیا، انہیں شاندار منصب عطا کیا، یہاں تک کہ وہ مصر کے حاکم بن گئے۔ حضرت یوسفؑ، ان الفاظ کے ذریعے اسی بات کی جانب اشارہ فرماتے ہیں :

"رب قد اتیتنی من الملک و علمتنی من تاویل الاحادیث فاطر السماوات والارض انت ولی فی الدنیاوالاخرة توفنی مسلماوالحقنی بالصالحین"

"پروردگار تو نے مجھے ملک بھی عطا کیا اور خوابوں کی تعبیر کا علم بھی دیا، تو زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے اور دنیا اور آخرت میں میرا ولی اور سرپرست ہے مجھے دنیا سے فرمانبردار اٹھانا اور صالحین سے ملحق کر دینا"

(سورہ یوسف ۱۲۔ آیت ۱۰۱)

ان الفاظ کے ذریعے حضرت یوسفؑ اس احساس کا اظہار کرتے ہیں کہ ان تمام امور میں خداوند عالم کا فضل و کرم ان کے شامل حال تھا۔

حاسد انسان کو محسود کے خلاف سازش اور منصوبہ بندی سے قبل حضرت یوسفؑ کے قصے پر غور و فکر کرنا چاہئے، اسے سمجھ لینا چاہئے کہ خداوند تبارک و تعالیٰ اپنے مومن و مخلص بندے کے مقام و رتبہ کو اس قدر بلندی پر پہنچا سکتا ہے کہ حاسد آرزو کرنے لگے کہ اے کاش وہ اپنی اسی پہلی حالت پر باقی رہتا تاکہ میں اس کی ترقی اور درجات کی بلندی کی وجہ سے روحانی اذیت کا شکار نہ ہوتا۔ حاسد کو حسد سے باز رہنا چاہئے تاکہ

محسود کی ترقی اور درجات کی بلندی اسمیں روحانی اذیت وجود میں لانے کا سبب نہ بنے۔

اس ناپسندیدہ عادت کا شکار وہ تمام لوگ جو راہ خدا میں سرگرم عمل ہیں' چاہے وہ علما میں سے ہوں یا ان کا تعلق مومنین سے ہو' انہیں اپنی اس مومنانہ جدوجہد کے راستے میں وسیع النظر اور وسیع القلب ہونا چاہئے اور یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ :

"الحسد یاکل الایمان کما تاکل النار الحطب"

"حسد ایمان کو اسی طرح کھا جاتی ہے جس طرح آگ خشک لکڑی کو۔"

معنوی ضعف

☆ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ برادران یوسفؑ کے اس نامناسب طرز عمل کی وجہ ان کا مفاہیم (خواب کی تعبیر وغیرہ) سے مکمل طور پر آگاہ نہ ہونا تھا' جبکہ کچھ دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ ان کے اس طرزِ عمل کی وجہ ان کا معنوی ضعف تھا۔ آپ کیا فرماتے ہیں؟

○ خواہ وہ مفاہیم (خواب کی تعبیر وغیرہ) سے مکمل طور پر آگاہ رہے ہوں یا ان کی آگہی ناقص ہو' بہر صورت معنوی پہلو اس مسئلے کا اساسی پہلو ہے۔ کیونکہ ایک مسلمان کی زندگی کو صحیح سمت پر لگانے اور اسی راستے پر گامزن رکھنے کے لیے صرف مکمل آگہی ہی کافی نہیں بلکہ اس سلسلے میں بنیادی کردار اسکے معنوی پہلو کو حاصل ہے۔ کیونکہ انسان کی حرکت اور عمل اسکے معنوی پہلو سے تعلق رکھتی ہے۔ یہی پہلو ہے جو اسے زندگی کے اہم مسائل میں سختیوں اور محرومیوں پر تحمل کی قدرت بخشتا ہے اور یہی معنوی پہلو اور اخلاقی امور کی پابندی ہے جو اسے الٰہی فرائض کی بجاآوری پر آمادہ کرتی ہے۔

اس بنیاد پر ہمارا خیال ہے کہ معنوی اور روحانی پہلو ہی' اس مسئلے کی بنیاد اور اساس ہے۔ اسی بنا پر ہم نے ابتدا میں کہا تھا کہ ایسے افراد جو دینی ماحول میں زندگی بسر کرتے ہیں اور جنھوں نے دین کو تقلیدی اور موروثی طور پر اپنایا ہوا ہے اور وہ دین کو اپنی ذاتی جاگیر سمجھتے ہیں (جس میں کسی دوسرے کو دخل اندازی کی اجازت نہیں) اور یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ جب اپنے علما کو متوجہ کرتے ہیں' اور انہیں ان کے منفی طرز

عمل سے آگاہ کرتے ہیں تو وہ بھڑک اٹھتے ہیں اور ان سے اظہار ناراضگی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تم ہمیں پڑھاتے ہو' جبکہ تمہیں جو کچھ آتا ہے' وہ ہمارا سکھایا ہوا ہے اور ہم ہی تمہیں وعظ و نصیحت کرتے ہیں۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ علما ان لوگوں سے زیادہ علم و ادراک کے حامل ہوتے ہیں لیکن افسوس کہ عملی لحاظ سے اخلاقی مسائل کی زیادہ پابندی کا مظاہرہ نہیں کرپاتے۔

دوستی کا مناسب ماحول

☆ فرمان الٰہی ہے کہ : الاخلاء یومئذ بعضهم لبعض عدو الا المتقین (آج کے دن صاحبان تقویٰ کے علاوہ تمام دوست ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔ سورہ زخرف ۴۳ ۔ آیت ۶۷)۔ اس آیہ کریمہ کو پیش نظر رکھا جائے تو دوستوں کے انتخاب کا مسئلہ جوانوں کے لئے انتہائی درجہ اہمیت کا حامل نظر آتا ہے۔ آپ اس بارے میں کن بنیادوں کا تعین کرتے ہیں؟

○ صرف جوانوں ہی کی بات نہیں بلکہ ہر باایمان شخص پر لازم ہے کہ اپنے لئے ایک ایسے ماحول کا انتخاب کرے جہاں اسکا ایمان تقویت اور نشو و نما پائے۔

یہ معاملہ بالکل بیج کی بوائی کے معاملے کی مانند ہے۔ یعنی اگر اسے نامناسب زمین اور غیر موافق ماحول میں بو دیا جائے تو اسکی فطری نشو و نما نہ ہو سکے گی۔ حتیٰ اگر اسکی نشو و نما کے لئے بہت سے غیر قدرتی ذرائع کام میں لائے جائیں اور یہ اسے تناور درخت بنا دیں اور اسکی بقا کا ذریعہ بن جائیں لیکن اس کے باوجود یہ مصنوعی ذرائع اسکے معنوی پہلو اور اس کی قدرتی خاصیت فراہم کرنے پر قادر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ غیر فطری ذرائع اور غیر قدرتی فضا میں بڑھنے والے نباتات میں وہ خصوصیات نہیں پائی جاتیں جو قدرتی فضا میں اور فطری وسائل کے ذریعے نشو و نما پانے والے نباتات کا خاصہ ہے۔ لہٰذا مومن انسان کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے رہن سہن کے لئے فطری فضا اور ماحول فراہم کرے' تاکہ وہاں اس کا ایمان نمو اور افزائش پا سکے۔

اس مقام پر ہمیں اسلام کی وہ ہدایت نظر آتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ مرد کو دیندار عورت سے اور عورت کو ایسے مرد سے شادی کرنی چاہئے جس کے دین و اخلاق کی طرف سے اسے اطمینان ہو۔ کیونکہ گھر کی فضا ایمان کی نشو و نما کا گہوارہ ہے۔

اسی طرح اسلام کی یہ ہدایت بھی نظر آتی ہے جس میں "خضراء الدمن" سے رشتہ استوار کرنے کو منع کیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے :

"ایاکم و خضراء الدمن ---- قالوا : وماخضراء الدمن؟ قال : المرأة الحسناء فی منبت السوء۔"

"کوڑے پر اگنے والی سبزی سے پرہیز کرو' پوچھا گیا : کوڑے پر اگنے والی سبزی سے کیا مراد ہے؟ فرمایا : ایسی خوبصورت عورت جس کی پرورش خراب ماحول میں ہوئی ہو؟"

یہ تاکید اس بنا پر ہے کہ برا ماحول اس عورت کے ایمان کی فطری نشو و نما نہیں ہونے دیتا اور بالطبع اسکے اخلاق پر بھی ناخوش آئند اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اسی طرح جیسے آلودہ زمین میں اگنے والے نباتات کی غذا میں اس زمین کی آلودگیاں بھی شامل ہو جاتی ہیں۔

اس مقام پر انسانوں کو آپس میں ملانے والے ایک اور جذباتی بندھن کے مظہر کے عنوان سے دوست اور ہم نشین کا کردار سامنے آتا ہے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں انسانی زندگی پر فکر و شعور سے زیادہ جذبات و عواطف اثر انداز ہوتے ہیں۔ کیونکہ فکر کا تعلق عقیدے اور ایمان سے ہوتا ہے اور کسی کا اپنے عقیدے اور ایمان کو دوسرے میں منتقل کرنا اس وقت تک مشکل ہے جب تک مقابل کے اندر انہیں قبول کرنے کے سلسلے میں نرم گوشہ نہ پیدا کر لیا جائے۔ لیکن جذباتی اور عاطفی پہلو انسان کے شعور و احساس کو اس حد تک متاثر کر سکتا ہے کہ ممکن ہے وہ اپنی فکر سے غافل ہو جائے اور اس کے نتیجے میں جذبات کبھی کبھی انسان کی فکر پر بھی غالب آجاتے ہیں اور مقابل کو اس طرح زیر اثر لے لیتے ہیں کہ بالاخر وہ اپنی فکر سے دست بردار ہو کے دوسرے کی فکر قبول کر لیتا ہے۔

روابط میں جذبات و عواطف کا کردار

ہمیں بہت سے جوان نظر آتے ہیں جو کچھ جذباتی عوامل کی وجہ سے بعض ایسی پارٹیوں اور گروہوں کی جانب رغبت پیدا کر لیتے ہیں جو ان کی فکر اور دین سے موافق نہیں ہوتیں۔ یہ صورت حال کبھی تو دوستانہ روابط اور صحبت کے اثر سے وجود میں آتی ہے اور کبھی اس کی وجہ جنس مخالف سے انسیت ہوتی ہے۔

ان پارٹیوں سے وابستہ ہو جانے والے بہت سے لوگ جب ان میں اپنی شمولیت کے محرکات کے بارے میں غور و فکر کرتے ہیں تو ان پر بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ ان کا ان پارٹیوں کی جانب رجحان' ان جذباتی عوامل کا نتیجہ تھا جو انہوں نے اپنے کسی دوست یا ہم نشین سے قبول کئے تھے۔

اس بنیاد پر مومن انسان کو چاہئے کہ اپنے لئے ایسے دوست کا انتخاب کرے جس سے میل ملاپ اسکے ایمان کی تقویت اور نشو و نما کا موقع بھی فراہم کرے۔ لہٰذا لازم ہے کہ نادان کی صحبت سے پرہیز کیا جائے۔ کیونکہ نادان اپنے جہل کے ذریعے جلد یا بدیر اپنے دوست کو گمراہ کر دے گا۔

اسی طرح "احمق" سے بھی دوستی نہیں رکھنی چاہئے' جس کی زندگی توازن و اعتدال سے محروم ہوتی ہے۔ کیونکہ ایسا بے وقوف دوست ' حدیث کے بقول : یضرک فی الوقت الذی یرید فیہ ان ینفعک (تمہیں فائدہ پہنچانا چاہے گا لیکن عین اسی وقت (نہ چاہتے ہوئے بھی) تمہیں نقصان پہنچا بیٹھے گا)

فاسق سے بھی دوستی کا رشتہ استوار نہ کرنا کیونکہ دوستانہ ماحول کی وجہ سے اسکی بری عادات و اطوار اور ناپسندیدہ آداب و افعال کو نظر انداز کرنے لگو گے اور یوں تم بھی گناہ آلود ہو جاؤ گے۔

کافر کو بھی دوستی کے لئے منتخب نہیں کرنا چاہئے اور اسے دوست بنا کے اپنے ذہن کے دروازوں کو اسکے کفر آلود افکار کے لئے نہیں کھول دینا چاہئے۔ یہاں تک کہ اسکے

افکار و عقائد طبیعی دکھائی دینے لگیں اور انسان انہیں مسترد کرنے کے بارے میں نہ سوچے۔

اسکے مقابل لازم ہے کہ عاقل' اور ایسے باایمان شخص کو دوستی کے لئے منتخب کیا جائے جس کے قلب و روح کی گہرائیوں میں ایمان جاگزیں ہو۔ تاکہ تم نے جو راہ حیات اپنائی ہے تمہارا دوست اپنے تمام تر اثرات کے ساتھ اس سے مختلف راہ حیات پیش نہ کرے بلکہ دونوں ایک ہی راہ کے مسافر اور ایک ہی منزل کے راہی ہوں۔

برے دوستوں سے پرہیز

خلاصہ کلام یہ کہ دوست جذبات و عواطف کے ذریعے اپنے دوست پر مثبت یا منفی اثرات ڈالتا ہے۔ لہٰذا دوستی انسان کی زندگی کے لئے ایک انتہائی اہم مسئلے کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور اس مفہوم کو ہم قرآن کریم کی اس آیت میں پاتے ہیں جس میں بتایا گیا ہے کہ روز قیامت انسان اپنے دنیوی اعمال کا نتیجہ دیکھنے کے بعد یہ کہے گا :

"ویوم یعض الظالم علی یدیہ یقول یالیتنی اتخذت مع الرسول سبیلا یا ویلتی لیتنی لم اتخذ فلانا خلیلا لقد اضلنی عن الذکر بعداذجاء نی وکان الشیطان للانسان خذولا۔"

"اس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو کاٹے گا اور کہے گا کہ کاش میں نے رسول کے ساتھ ہی راستہ اختیار کیا ہوتا۔ ہائے افسوس کاش میں نے فلاں شخص کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا۔ اس نے تو ذکر کے آنے کے بعد بھی مجھے گمراہ کردیا اور شیطان تو انسان کو رسوا کرنے والا ہے ہی۔"

(سورہ فرقان ۲۵۔ آیات ۲۷ تا ۲۹)

خداوند عالم کی پیش کی ہوئی اس مثال میں ہم ایک ایسے انسان کو پاتے ہیں جو دنیا میں اپنی گمراہی اور کج رفتاری پر حسرت وندامت کا اظہار کرتا ہے۔ اس کی تباہی اور نامرادی

کی وجہ ایسے دوستوں کا اثر قبول کرلیتا ہے جو گمراہی اور برے کاموں کو اسکے سامنے سجا سنوار کر پیش کرتے تھے اور اسکے جذبات واحساسات کو اپنے شکنجے میں لئے ہوئے تھے، جس کے نتیجے میں یہ انسان خدا کی رحمت سے محروم ہوجاتا ہے۔

ایک قرآنی مثال

اگر ہم اس موقع پر چند مثالوں کا ذکر کرنا چاہیں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قرآن کریم میں تابع اور متبوع، پیرو اور پیشوا کے الفاظ عام معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔ کبھی کبھی یہ پیروی استکبار و استضعاف کا سبب بن جاتی ہے۔ لیکن ہم ان دو عنوانات سے جامع ترین معنی اخذ کرسکتے ہیں اور انسانوں کی ہر قسم کی اطاعت و پیروی کو اس کے دائرے میں شامل کرسکتے ہیں، خواہ وہ احساسات اور عواطف کے زیر اثر بیوی کا شوہر کی اطاعت کرنا ہو یا شوہر کا بیوی کی، یا اسی طرح ایک دوست کا دوسرے دوست کی پیروی کرنا ہو :

"اذتبرا الذین اتبعوا من الذین اتبعوا ورأوا العذاب وتقطعت بهم الاسباب، وقال الذین اتبعوا لو ان لنا کرة فنتبرا منهم کما تبرءوا منا، کذلک یریهم الله اعمالهم حسرات علیهم وما هم بخارجین من النار"

"اس وقت جبکہ پیشوا اپنے پیروکاروں سے بیزاری کا اظہار کریں گے اور سب کے سامنے عذاب ہوگا اور تمام وسائل منقطع ہوجائیں گے اور پیروکار یہ بھی کہیں گے کہ اے کاش ہم نے ان سے اسی طرح بیزاری اختیار کی ہوتی جس طرح یہ آج ہم سے اظہار بیزاری کررہے ہیں۔ خدا ان سب کے اعمال کو اسی طرح حسرت بنا کر پیش کرے گا اور ان میں سے کسی کو بھی جہنم سے چھٹکارا نہیں ملے گا۔"

(سورہ بقرہ ۲۔ آیات ۱۶۶، ۱۶۷)

یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم زور دے کر یہ بات کہہ رہا ہے کہ خود پیروکار ہی

جوابدہ ہوں گے خواہ انہوں نے جذباتی یا مادی دباؤ کے زیر اثر ہی گمراہ فرد کی پیروی کی ہو۔

قرآن کریم انسانوں کو متنبہ کرتا ہے کہ وہ مذکورہ تجربے سے استفادہ کریں' اس سے نصیحت حاصل کریں' عبرت پکڑیں اور ایسی فضا سے چھٹکارا حاصل کریں جو ان پر ایسا دباؤ مسلط کردیتی ہے۔ ہم اس مفہوم کو قرآن کریم کی ایک دوسری آیت سے اخذ کرتے ہیں جس میں ارشادباری تعالیٰ ہے :

"ان الذین تو فاھم الملائکة ظالمی انفسھم قالوافیم کنتم قالواکنا مستضعفین فی الارض قالوالم تکن ارض اللہ واسعة فتھا جروافیھا فاولئک ماواھم جھنم وساءت مصیرا"

"جن لوگوں کو فرشتوں نے اس حال میں اٹھایا کہ انہوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا تھا اور ان سے پوچھا کہ تم کس حال میں تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہم زمین میں کمزور بنا دیئے گئے تھے فرشتوں نے کہا کہ کیا خدا کی زمین وسیع نہیں تھی کہ تم ہجرت کرجاتے۔ ان لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بد ترین منزل ہے۔" (سورہ نساء ۴ - آیت ۹۷)

لہٰذا جب خداوند سبحان ان زبوں حال لوگوں کو ان کی گمراہی اور مستکبروں کے ساتھ ان کی ہمراہی کی وجہ سے قابل مواخذہ سمجھتا ہے تو قدرتی بات ہے کہ ان سے چاہتا ہے کہ وہ گمراہی کا سبب بننے والے ماحول سے دور رہیں تاکہ اس ماحول کا دباؤ انہیں گمراہ نہ کرے۔ اس اشارے کے ذریعے یہ آیت رہنمائی کرتی ہے کہ ہر انسان کو ایسے جذباتی یا مادی دباؤ میں آنے سے خود کو بچانا چاہئے جس سے اسکے گمراہ ہو جانے کا امکان ہو اور اگر ایسے دباؤ سے بچنا محال نظر آتا ہو تو اس پر واجب ہے کہ اس زہریلے ماحول سے دوری اختیار کرے' تاکہ نجات پاسکے۔

قرآن کریم لوگوں کے باہمی عمومی روابط اور ان کے ایک دوسرے پر اثر انداز

ہونے کے باب میں مذکورہ تربیتی اسلوب پیش کرتا ہے اور انہیں دوسروں کی فکر کے سامنے نہ جھکنے' فکری استقلال' اندھی تقلید سے پرہیز' دباؤ کے ماحول سے دوری اور ایمان کی حفاظت کے لئے ٹھوس اور بنیادی سعی وکاوش کی ہدایت کرتا ہے۔

دوست میدانِ حشر میں

اس مقام پر ہم اس آیہ کریمہ کی جانب متوجہ ہوتے ہیں جس میں ارشاد رب العزت ہے :

"الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض عدو الا المتقین"

"آج کے دن صاحبان تقویٰ کے سوا تمام دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوجائیں گے۔" (سورہ زخرف ۴۳۔ آیت ٦۷)

کیونکہ اس دنیا میں برقرار ہونے والی دوستیوں کا' عالم آخرت میں جوابدہ ہونا پڑے گا اور وہاں ان تمام دوستوں کا مواخذہ کیا جائے گا جو دنیا میں لہو ولعب' خیانت وگمراہی اور کفروشرک کے معاملات میں باہم شریک تھے۔ اور انہیں اپنے حتمی مقدر کا سامنا کرنا پڑے گا اور ایک کو دوسرے کی گمراہی کا بوجھ اٹھانا پڑے گا۔ اور یوں ایسا شخص جو دنیا میں اپنے کسی دوست کے زیر اثر انحراف اور گمراہی کی راہ پر چل پڑا ہوگا' جب روز قیامت اس پر انکشاف ہوگا کہ اسکا یہ دوست درحقیقت دوستی کے لبادے میں اسکا دشمن تھا' تو یہ حقیقت جان کر وہ اس سے الجھ پڑے گا' اس کے دل میں اسکے لئے عداوت اور عناد پیدا ہوجائے گا اور گزشتہ دوستی دشمنی میں تبدیل ہوجائے گی۔

لیکن وہ پرہیزگار لوگ جو دنیا میں نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کے معاون اور مددگار رہے ہوں گے' فرامین الٰہی کے سامنے خاضع اور سرجھکائے رہے ہوں گے' جن کی پیشانیاں خدا کے سامنے سربسجود رہی ہوں گی اور جو ایک دوسرے کو حق اور صبر کی نصیحت کرتے رہے ہوں گے' قدرتی بات ہے کہ ان کی دوستی آخرت میں بھی قائم اور پائیدار رہے گی' کیونکہ دنیا میں انکا بندھن صالح بندھن تھا' جو محض اس دنیا

تک محدود نہیں رہتا بلکہ سرائے آخرت میں بھی جاری رہتا ہے۔

دوستوں کے حقوق

☆ عوام الناس میں مشہور ہے : الصدیق عندالضیق (دوست وہ ہے جو پریشانی اور بدحالی میں کام آئے) یا : فی الاسفار تعرف الاخوان (دوستی سفر میں پہچانی جاتی ہے) اسی طرح کی اور بھی کہاوتیں معاشرے میں رائج ہیں۔ آپ فرمایئے کہ ایک دوست کے دوسرے دوست پر کیا حقوق ہوتے ہیں؟

○ دوستی اور رفاقت درحقیقت دو افراد کے درمیان احساس کی یگانگت کی ایک قسم ہے۔ لہٰذا جب لوگ دوستی کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں تو درحقیقت ایثار و وفا موضوع بحث ہوتا ہے۔ شاید وہ ضرب الامثال جن میں کہا گیا ہے کہ "دوست وہ ہے جو پریشانی اور بدحالی میں دوست کی دستگیری کرے" یا "دوست کو پہچاننا ہو تو سفر میں پہچانو" اس بات کی عکاس ہوں کہ بدحالی اور سفر وہ دو حالات ہیں جن میں انسانوں کے جوہر کھلتے ہیں' ان کی اصلیت سامنے آتی ہے۔

جب ہم دائرۂ ایمان میں دوستی کے بارے میں غور و فکر کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ اسلام مومن انسان پر فرض کرتا ہے کہ اپنے مومن بھائی سے اسکا تعلق کشادہ روئی پر مشتمل ہو' وہ اسکا مونس و غمخوار بنے' اس سے سختیاں دور کرے' اسکی ضروریات کا خیال رکھے' تمام معاملات میں اسکی مدد کے لئے آگے بڑھے اور اسکی جان' مال' عزت و آبرو کی حفاظت کرے۔ لہٰذا ایمانی اخوت کے اعتبار سے (جو دوستی کے بندھن کی مضبوطی کو دو چند کرتی ہے) مومن انسان پر واجب ہے کہ مشکلات' دشواریوں اور زندگی میں پیش آنے والے سخت حالات میں اپنے مومن بھائی کی مدد و تعاون کے لئے بلا تاخیر قدم اٹھائے۔

نماز کی تاکید

☆ قرآن کریم میں آیا ہے : وامر اھلک بالصلاۃ (اور اپنے اہل کو نماز کا

حکم دیں۔ سورہ طہٰ ۲۰۔ آیت ۱۳۲) اس حکم کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟ بالفاظ دیگر آیا کسی کے حکم پر پڑھی جانے والی نماز سے وہ آثار و نتائج حاصل ہو سکتے ہیں جن کا وعدہ کیا گیا ہے؟

○ یہاں امر سے مراد 'امر کے لغوی معنی نہیں ہیں بلکہ اس جگہ امر' ہر اس عمل کو کہا گیا ہے جسے انسان اپنے مقصد کے حصول کے لئے انجام دے۔ یہاں مقصد یہ ہے کہ اہل خانہ 'خدا کی اطاعت اور اسکی پرستش کریں۔ نماز' خدا کی عبادت اور اس سے اخلاص کا نمایاں مظہر ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہئے کہ تمام ذرائع کو اس امر (نماز) کی ترویج کے لئے کام میں لائے۔ اگر کبھی کلام اثر نہ کرے تو عمل کے ذریعے اپنی بات پہنچائے اور اسی طرح کبھی ترغیب اور تہدید سے بھی کام لیا جا سکتا ہے اور کبھی مناسب فضا اور مساعد حالات فراہم کر کے یا انسان کو نامناسب ماحول سے پرہیز کی تلقین کے ذریعے اور کبھی تربیت کے دوسرے ذرائع سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

یہاں "امر" کے معنی یہ ہیں کہ اس سلسلے (نماز کی ترویج) میں تمام ممکنہ وسائل سے استفادہ کیا جائے۔ البتہ یہ بات پیش نظر رہے کہ گفتار اور عمل کی مانند وہ دوسرے تمام وسائل جو ایک انسان دوسرے انسان کو قانع کرنے کے لئے استعمال کرتا ہے قدرتی طور پر ہمیشہ سو فیصدی کامیاب نتیجہ نہیں دیتے۔ کیونکہ ہر چند انسان انتہائی مہارت کا مالک ہو اور اپنی فکر پر اخلاص اور ایمان رکھتا ہو لیکن اسے اس ماحول کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے جو اس انسان کو گھیرے ہوتا ہے جس کی نصیحت مقصود ہوتی ہے' اسی طرح زبانی اور عملی نصیحت کا اثر قبول کرنے کے سلسلے میں افراد کی ذہنی اور فکری خصوصیات نیز اس سلسلے کے مثبت اور منفی عوامل کی قوت اور کمزوری کو بھی مد نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔

داعیانِ دین کی ذمہ داری

اسلام داعی دین' مبلغ' ناصح اور واعظ کو یہ تلقین کرنا چاہتا ہے کہ دوسروں کو ہدایت و رہنمائی' ان کے افکار میں تغیر اور ان کے طرز حیات کی اصلاح کے لئے ہر ممکن طریقے

سے استفادہ ان کے ذمے ہے۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تو اس سلسلے میں اپنے فریضے سے سبک دوش سمجھے جائیں گے۔

آیت قرآن : یا ایھاالذین آمنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا وقودھا الناس والحجارۃ (اے ایمان والو خود کو اور اپنے اہل خانہ کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔ سورہ تحریم ۶۶ - آیت ۶) کی تفسیر میں آیا ہے کہ ائمہؑ میں سے کسی سے سوال کیا گیا : ہم انہیں کس طرح آتش جہنم سے بچائیں ؟ امامؑ نے فرمایا: انہیں امر و نہی کرو۔ کہا گیا : ہم انہیں امر و نہی کرتے ہیں لیکن وہ ہماری بات نہیں مانتے۔ فرمایا : اگر تم نے انہیں امر و نہی کردی ہے تو پھر تم اپنے فریضے سے بری الذمہ ہو گئے ہو۔

اس شخص کے جواب میں اور اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے امامؑ نے امر و نہی کے سادہ معنی مراد نہیں لئے ہیں بلکہ انہیں دو ایسے وسیلوں کے طور پر پیش نظر رکھا ہے جو ممکن ہے کبھی گفتار، کبھی عمل اور کبھی ماحول کی صورت میں ظاہر ہوں لہٰذا کہا گیا ہے کہ تم اپنے فریضے یعنی واجبات کے لئے امر اور محرمات سے نہی پر عمل کرو اور اگر تم نے اپنی سکت اور طاقت کے بقدر ان وسائل و ذرائع سے استفادہ کیا تو اسکے بعد تم پر کوئی ذمے داری نہیں۔

خداوند عالم اپنے نبی کو بھی ان کی طاقت و قدرت کی حد تک ہی جوابدہ سمجھتا ہے اور انہیں اطمینان دلاتا ہے کہ اس سے زیادہ ان پر ذمے داری عائد نہیں ہوتی۔ فرمان الٰہی ہے : انما انت منذر ولکل قوم ھاد (آپ صرف ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کے لئے ایک ہادی اور رہبر ہے۔ سورہ رعد ۱۳ - آیت ۷) اور ارشاد الٰہی ہے : فذکر انما انت مذکر لست علیھم بمصیطر (لہٰذا تم نصیحت کرتے رہو کہ تم صرف نصیحت کرنے والے ہو، تم ان پر مسلط اور ان کے ذمہ دار نہیں۔ سورہ غاشیہ ۸۸ - آیت ۲۱، ۲۲) نیز فرمایا ہے : افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مومنین (تو کیا آپ لوگوں پر جبر کریں گے کہ سب مومن بن جائیں۔ سورہ یونس ۱۰ - آیت ۹۹)۔

آپؑ میں جتنی طاقت و توانائی ہے بس اسی حد تک مسائل کا مقابلہ کرنے اور ان سے نبرد آزما ہونے کے ذمہ دار ہیں اور جب آپؑ نے اپنی تمام تر صلاحیتوں سے کام لے لیا اور اپنے پاس موجود امکانات سے استفادہ کر لیا تو گویا آپؑ نے اپنا فریضہ ادا کر دیا' اب آپ کی ذمے داری ختم ہوئی۔

اس بنیاد پر ہم کہیں گے کہ یہاں امر سے مراد محض زبانی حکم اور فرمان نہیں بلکہ ایک مسلسل عمل مقصود ہے۔ یعنی انسان ہدایت کے لئے ان تمام وسائل سے استفادہ کرے جو بالواسطہ یا بلا واسطہ اسکے اختیار میں ہیں اور جن کی تاثیر اور اثر اندازی کی خاصیت سے وہ واقف ہے۔ تاہم اب یہ وسائل اثر کرتے ہیں یا نہیں' یہ بات اس شخص پر موقوف ہے جس کے لئے ان سے استفادہ کیا جا رہا ہے۔

والدین سے حسنِ سلوک

☆ فرمان الٰہی ہے : وان جاھداک علیٰ ان تشرک بی مالیس لک بہ علم' فلا تطعھما وصاحبھما فی الدنیا معروفا (اور اگر تمہارے ماں باپ اس بات پر زور دیں کہ کسی ایسی چیز کو میرا شریک بناؤ جس کا تمہیں علم نہیں ہے' تو خبردار ان کی اطاعت نہ کرنا لیکن دنیا میں ان کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرنا۔ سورہ لقمان ۳۱ - آیت ۱۵)۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ مومن اولاد اپنے غیر مومن والدین سے حسن سلوک کا مظاہرہ کرے؟

○ جب ہم انسان کے اپنے والدین سے تعلق کے بارے میں اسلام کے دیئے ہوئے دستور عمل کا مطالعہ کرتے ہیں' تو وہاں یہ نہیں ملتا کہ خداوند عالم نے انسان پر اپنے والدین کی اطاعت فرض کی ہے۔ کیونکہ والدین کا اپنے بچوں سے رشتہ استوار کرنے والے تعلق کی بنیاد والدین کا اپنے بچوں سے حسن سلوک اور احسان ہے' رابطہ اور تعلق کا یہ بندھن بچے پر واجب نہیں کرتا کہ وہ اپنے والدین کی خواہشات کے سامنے اپنی شخصیت کو مٹا ڈالے۔

والدین کے اچھے برتاؤ کے بالمقابل بچے سے جس جوابی عمل کو مقبول اور معقول سمجھا گیا ہے وہ بچے کا والدین کی اطاعت محض نہیں بلکہ یہ ہے کہ بچہ بھی اپنے ماں باپ سے حسن سلوک کرے۔ قرآن کریم میں بھی اس موضوع پر گفتگو کی گئی ہے اور ارشاد الٰہی ہے :

"وقضٰی ربک الا تعبدوا الا ایاہ وبالوالدین احسانا"

"اور آپ کے پروردگار کا فیصلہ ہے کہ تم سب اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا۔"

(سورہ بنی اسرائیل ۱۷- آیت ۲۳)

یہاں قرآن کریم والدین سے حسن سلوک اور اچھے برتاؤ کی تاکید کرنے سے قبل پرستش اور عبادت کی بنیاد پر انسان اور خدا کے ربط و تعلق کی بابت گفتگو کرتا ہے۔ کیونکہ یہ تعلق مربوب کا اپنے رب، مخلوق کا اپنے خالق، مملوک کا اپنے مالک اور ہستی کا سرچشمہ ہستی سے تعلق ہے۔ لہٰذا اس قسم کا رابطہ اور تعلق پرستش اور عبودیت کو واجب کرتا ہے۔ کیونکہ ہماری ہستی اور وجود اس کے ارادے کے تابع ہے اور جب ایسا ہے تو ہمارے اعمال اور افعال بھی اسکے ارادے اور حکم کے تابع ہونے چاہئیں۔

والدین کی عظیم خدمات

انسان کے اپنے والدین سے تعلق کی خصوصیات علیحدہ ہیں اور خدا سے تعلق کی خصوصیت علیحدہ۔ والدین بچے کو وجود نہیں بخشتے بلکہ اسے وجود میں لانے کے لے ایک واسطہ ہوتے ہیں۔ اللہ ہے جو راز حیات نطفہ کو ودیعت کرتا ہے اور اس کی نشو و نما کے لئے تمام ضروری اسباب فراہم کرتا ہے تاکہ وہ علقہ (جما ہوا خون) پھر مضغہ (گوشت کا لوتھڑا) پھر عظاما (ہڈیاں) بنے۔ اسکے بعد اس پر گوشت چڑھاتا ہے اور آخر میں اسے دوسری چیزوں سے آراستہ کرتا ہے۔ بچے کی ولادت کے بعد بھی خدا ہی ہے جو اسکی ماں کے سینے میں دودھ جاری کرتا ہے۔

لہٰذا ماں اور باپ واسطے کا کردار ادا کرتے ہیں' ان کا کردار اس صاحب ارادہ ہستی کا کردار نہیں ہوتا جو وجود کو حقیقت کا روپ دیتی ہے۔ اس بنیاد پر والدین کا مقام محسن کا مقام ہے' جو بچے پر احسان کرتے ہیں۔ یہاں ہم اس آیہ شریفہ کی جانب متوجہ ہوتے ہیں جس میں فرمایا گیا ہے : هل جزاء الاحسان الا الاحسان (کیا احسان کا بدلہ احسان کے علاوہ کچھ اور بھی ہو سکتا ہے؟۔ سورہ رحمان ۵۵۔ آیت ۶۰)

ملاحظہ فرمایا کہ والدین سے تعلق حسن سلوک اور احسان کا تعلق ہے اور اسکی مثال خداوند عالم ہمارے سامنے یوں بیان کرتا ہے :

"اما یبلغن عندک الکبر احد هما او کلاهما فلا تقل لهما اف ولا تنهر هما وقل لهما قولا کریما واخفض لهما جناح الذل من الرحمة وقل رب ارحمهما کما ربیانی صغیرا"

"اگر تمہارے سامنے ان دونوں میں سے ایک یا دونوں بوڑھے ہو جائیں تو خبردار ان سے اف بھی نہ کہنا اور انہیں جھڑکنا بھی نہیں اور ان سے ہمیشہ شریفانہ طرز سے گفتگو کرتے رہنا اور ان کے لئے خاکساری کے ساتھ اپنے کاندھوں کو جھکا دینا اور ان کے حق میں دعا کرتے رہنا کہ پروردگار ان دونوں پر اسی طرح رحمت نازل فرمائے جس طرح کہ انہوں نے بچپنے میں مجھے پالا ہے۔" (سورہ بنی اسرائیل ۱۷۔ آیت ۲۳'۲۴)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک احسان اور نیک برتاؤ کی سب سے نمایاں مثال یہ ہے کہ انسان ان تمام مواقع پر' جب اسکے والدین اپنی پیری یا بد مزاجی یا بعض عوارض کی بنا پر اس سے سختی کے ساتھ پیش آتے ہیں' ان کے اس رویے کو برداشت کرے۔ یہی وجہ ہے کہ خداوند عالم اولاد کو ہدایت کرتا ہے کہ ماں باپ کے سامنے ان کا رویہ انکساری اور عاجزی پر مبنی ہو۔ تاہم اس انکساری و عاجزی کے معنی اپنی انسانی شخصیت سے گر جانا نہیں' اپنے مقام و مرتبے سے پست ہو جانا نہیں بلکہ مہربانی اور رحمت کی رو سے تذلل اور

خاکساری ہے' ہو بہو اسی طرح جیسے انسان اپنے کم سن بچے (سے مہر و محبت کی رو سے اس) کے سامنے بچھا جاتا ہے۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ خداوند سبحان ماں کی زحمتوں اور تکلیفوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتا ہے :

"حملته امه وهنا علی وهن"

"اس کی ماں نے دکھ پر دکھ جھیل کر اسے پیٹ میں رکھا ہے۔"

(سورہ لقمان ۳۱۔ آیت ۱۴)

اور اسے یاد دلاتا ہے کہ :

"حملته امه کرها و وضعته کرها"

"کہ اس کی ماں نے بڑے رنج کے ساتھ اسے شکم میں رکھا ہے اور پھر بڑی تکلیف کے ساتھ پیدا کیا ہے۔" (سورہ احقاف ۴۶۔ آیت ۱۵)

اللہ رب العزت ماں کی مشقتوں اور دکھوں کا تذکرہ کر کے بچوں کو یہ پیغام دیتا ہے کہ جس طرح والدین نے تمہارے لئے مشکلات برداشت کیں اور زحمتیں اٹھائیں تم بھی ان کے لئے مشکلیں' رنج اور تکلیفیں برداشت کرو۔

والدین کے بالمقابل اولاد کی ذمہ داریاں

گزشتہ گفتگو سے' بالخصوص مذکورہ بالا آیات کے مطالعے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ والدین اور اولاد کا باہمی تعلق' احسان اور باہمی خوش معاملگی کا تعلق ہے۔ یعنی ماں باپ اپنے بچوں سے اچھا برتاؤ کرتے ہیں' خوش سلوکی سے پیش آتے ہیں لہٰذا بچوں پر بھی واجب ہے کہ جواباً ان سے اچھا اور نیک سلوک کریں۔ چاہے والدین کافر یا گناہگار ہی کیوں نہ ہوں' بچوں کو بہر صورت حسن سلوک اور احسان کی راہ اپنانی چاہئے :

"وان جاهداک لتشرک بی ما لیس لک به علم فلا تطعهما"

"اور اگر وہ کسی ایسی شے کو میرا شریک بنانے پر مجبور کریں جس کا تمہیں علم نہ ہو تو خبردار ان کی اطاعت نہ کرنا۔" (سورہ عنکبوت ۲۹۔ آیت ۸)

اگرچہ کافر کی اطاعت جائز نہیں' چاہے وہ والدین ہی کیوں نہ ہوں لیکن اسکے باوجود ماں باپ کا کافر' مشرک یا گنہگار ہونا اس انسانی تعلق کو جاری رکھنے میں مانع نہیں ہونا چاہئے جسے خداوند عالم نے ہر انسان پر فرض کیا ہے' اور یہ فریضہ ان سے حسن سلوک ہے' جس کے متعلق ارشاد ہے :

"فلا تقل لهما اف ولا تنهر هما"

"ان سے اف بھی نہ کہنا اور نہ ہی درشت لہجے میں بات کرنا۔"

(سورہ بنی اسرئیل ۱۷۔ آیت ۲۳)

مذکورہ فرمان' حسن سلوک اور اچھے برتاؤ کے محض ایک طریقے کو بیان کرتا ہے جبکہ حسن سلوک کے اور بھی بہت سے انداز ہیں' مثلاً ان کے اخراجات پورے کرنا' ان کی آسائش اور سہولت کے وسائل فراہم کرنا' ان سے خنداں پیشانی اور خوشروئی سے پیش آنا' ان کا بوسہ لینا' انہیں آغوش میں لینا' ان کے علاج معالجے کا خیال رکھنا اور ان تمام چیزوں کو ملحوظ رکھنا جو ایک انسان کی راحت و آرام' خوشی اور مسرت کا موجب ہوتی ہیں۔

محبت کا ہدایت میں بدلنا

والدین سے حسن سلوک ان کی ہدایت اور رہنمائی کا ایک وسیلہ بھی بن سکتا ہے۔ اور اس بات کو ہم امام جعفر صادقؑ سے مروی ایک داستان میں دیکھتے ہیں : ایک عیسائی امامؑ کی خدمت حاضر ہوا اور آپؑ کی تعلیم وہدایت کے نتیجے میں اسلام قبول کیا۔ پھر عرض گزار ہوا : میری ماں ابھی تک عیسائی مذہب پر باقی ہے' میں اس سے کیسا سلوک کروں؟ امامؑ نے فرمایا : تم اب اپنی ماں سے اس سے بھی بہتر سلوک کرنا جیسا اس وقت کیا کرتے تھے جب تم عیسائی تھے۔ وہ شخص امامؑ کی خدمت سے رخصت ہوا اور

آپکی نصیحت پر عمل کرنے لگا۔ اب وہ پہلے سے بھی زیادہ اپنی ماں کا خیال رکھتا اور اسکی روز مرہ ضرورتوں کی تکمیل میں لگا رہتا۔ جب اس کی ماں نے اپنے بیٹے کی اس روز افزوں چاہت و محبت کا مشاہدہ کیا تو متعجب ہوئی اور اس سے پوچھا : کیا بات ہے؟ اس سے پہلے بھی تمہارا برتاؤ میرے ساتھ اچھا تھا لیکن ابھی کچھ عرصے سے میں دیکھ رہی ہوں کہ تم کچھ زیادہ ہی میرا خیال رکھنے لگے ہو' آخر اس تبدیلی کی وجہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا بات دراصل یہ ہے کہ میں دین اسلام قبول کر چکا ہوں' اس دین کے پیشوا نے مجھے اس عمل کی تلقین کی ہے۔ ماں نے پوچھا : کیا وہ پیغمبر ہیں؟ اس نے کہا : نہیں' البتہ فرزند پیغمبر ہیں۔ ماں نے کہا : یہ تو انبیاء کے اخلاق میں سے ہے۔ بیٹا! مجھے بھی اپنے دین کے متعلق بتاؤ۔ اس نے اپنی ماں کے سامنے دین اسلام پیش کیا اور وہ عورت اسی وقت دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئی۔

اس روایت سے یہ نتیجہ لیا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی اولاد اپنی تمام توجہ' احساسات اور محبت کو اپنے کافر یا گنہگار ماں باپ پر مرکوز کر دے تو اپنے اس عمل کے ذریعے ان کی فکر اور رجحانات کو بدل کر انہیں راہ راست پر لا سکتی ہے۔

والدین کی خوشنودی کی حدود

☆ جناب عالی کے افاضات کی روشنی میں اس حدیث کی کیا تفسیر کریں جس میں کہا گیا ہے : رضا اللہ من رضا الوالدین (والدین کی رضا میں خدا کی رضا ہے)۔

○ یہ جملہ میں نے سنا ضرور ہے لیکن اسکے حدیث ہونے یا نہ ہونے کا مجھے علم نہیں۔ ممکن ہے یہ جملہ اس بات کی جانب اشارہ ہو کہ خداوند عالم انسان سے چاہتا ہے کہ وہ والدین کی خوشنودی حاصل کرے۔ لیکن اس سے مراد وہی رضایت اور خوشنودی ہے جو اطاعت الٰہی کی حدود کے اندر اندر ہو۔ ایسا نہیں ہے کہ ہر قیمت پر والدین کی رضا حاصل کی جائے اور ان کی خوشنودی کا خیال رکھا جائے۔ مثلاً اگر والدین اپنی اولاد کو کسی ایسے عمل کی انجام دہی کی تاکید کریں جو خلاف مصلحت ہو یا کوئی گناہ آلود عمل بجا لانے پر مجبور

کریں' یا اس کے سپرد کوئی ایسا کام کریں جو (چاہے مستحب امر میں ہی سہی) خدا کی اطاعت میں رکاوٹ ہو تو ایسی صورت میں اولاد پر والدین کی خوشنودی کا حصول لازم نہیں' کیونکہ خدا کسی ایسے انسان کو دوسروں پر مسلط دیکھنا نہیں چاہتا جس کے دل میں دین کے بارے میں کدورت ہو اور جسے مستحبات کی انجامدہی اور مکروہات سے گریز پسند نہ ہو۔

اس گفتگو کے نتیجے میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ "والدین کی رضا میں خدا کی رضا ہے" سے مراد یہ ہے کہ ماں باپ کی خوشنودی کا حصول اس دائرے تک محدود ہے جس میں خداوند عالم نے اولاد کے ذمے والدین کے کسی حق کی ادائیگی رکھی ہو۔ لہٰذا اولاد پر لازم ہے کہ وہ خدا کے بتائے ہوئے راستے پر قدم اٹھائیں۔ خداوند عالم ان سے اس وقت تک راضی نہ ہو گا جب تک ان کے والدین خوش نہ ہوں کیونکہ اگر اولاد خدا کے بتائے ہوئے راستے سے گمراہ ہو کر اپنے والدین سے برا سلوک کرے اور ان سے نیک برتاؤ نہ کرے تو دراصل اس نے خدا کے حکم کی نافرمانی کی ہے اور اسکے بتائے ہوئے راستے کو ترک کیا ہے۔

قول و فعل کی ہم آہنگی

☆ ارشادِ الٰہی ہے: یاایھاالذین آمنوالم تقولون مالا تفعلون کبر مقتاعنداللہان تقولوامالا تفعلون (اے اہل ایمان ایسی بات کیوں کہتے ہو جس پر عمل نہیں کرتے۔ خدا سخت ناراض ہوتا ہے اس بات پر جو تم کہتے ہو لیکن اس پر عمل نہیں کرتے۔ سورہ صف ۶۱ - آیت ۲'۳)) کیا یہ ممانعت ہر اس قول کی مطلق ممانعت ہے جس پر عمل نہ کیا جائے یا اس نیت کی مذمت ہے جو گفتار کے موقع پر بے عمل شخص کے باطن میں ہوتی ہے؟

○ اس آیت کا مقصد قول و فعل یا ایمان کے درمیان ہم آہنگی کی ضرورت پر زور دینا ہے۔ اس اعتبار سے کہ قول ایمان کا اظہار اور اسے آشکار کرتا ہے اور اس طرز عمل

کا ترجمان ہے جسے ایمان مرد مومن پر فرض کرتا ہے اور وہ اس سمت میں کدو کاوش میں مصروف ہوتا ہے جس کا تقاضا استقامت ایمان اس سے کرتی ہے۔

گویا اس آیت میں خداوند عالم اس بے عمل گروہ سے فرماتا ہے : تم نے اپنے ایمان کا زبانی اعتراف تو کیا ہے لیکن عملاً اس راستے پر گامزن نہیں ہو جسے ایمان نے تم پر فرض کیا ہے۔۔۔ تمہارے ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ راہ خدا میں جہاد کرو اور خدا کی دعوت قبول کرو لیکن تمہارا ایمان صرف ایک ذہنی سوچ ہے جس نے عالم حقیقت میں عمل کا روپ اختیار نہیں کیا ہے۔ اور اللہ تعالی ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو دین کی صرف باتیں کرتے ہیں' اپنی دینداری کا اعلان کرتے ہیں لیکن عملاً دین کی پیروی نہیں کرتے۔

لیکن اگر کبھی ایسا ہو کہ انسان اسلام کے بلند مقاصد کی حمایت کرتے ہوئے کوئی ایسی بات کہے جس پر وہ (ایک یقینی موضوع کے طور پر) ایمان نہ رکھتا ہو' تو یہ چیز مذکورہ آیہ کریمہ میں کی جانے والی مذمت میں شامل نہیں۔ کیوں؟ اسلئے کہ جب ہم نے یہ بات سمجھ لی ہے کہ ایمان اور عمل کے درمیان توازن ضروری ہے یعنی قول کو ایمان کا عکاس ہونا چاہئے۔ لہٰذا ایک ایسا انسان جو ایسی بات کہتا ہے جس پر ایمان نہیں رکھتا یا ایسا موقف اپناتا ہے جس پر اسے یقین نہیں ہوتا تو وہ ایمان کے راستے سے خارج نہیں ہوتا کیونکہ وہ یہ کام اس بنیاد پر کرتا ہے کہ ایمان کے تقاضے نے اس پر یہ چیز واجب کی ہوتی ہے۔

کیونکہ خداوند عالم مومن انسان سے چاہتا ہے کہ وہ دشوار حالات میں ایسا طرز عمل اختیار کرے جس کا نتیجہ اسلام کے بلند مقاصد اور عظیم اہداف کے لئے نقصان کا باعث نہ ہو۔ اسی بنا پر انسان کے قول و فعل میں اختلاف کے مسئلے کا جائزہ لیتے ہوئے' اس ماحول کو بھی مدنظر رکھنا چاہئے جس میں وہ قول ادا ہوا ہے۔ دیکھنا چاہئے کہ کیا وہ ماحول ایسا ماحول تھا جس میں قلبی ایمان سے مکمل طور پر ہم آہنگ بات کہی جاتی' یا نہیں وہ ایک ایسی جگہ تھی جہاں ایسی گفتگو کی جانی چاہئے تھی جو عظیم دینی اہداف اور اصل دینی موقف کی تقویت کا باعث ہو' اگرچہ یہ کہی جانے والی بات' کہنے والے کے قلبی عقیدے

کے برخلاف ہو۔

گوشہ نشینی

☆ کیا جوانان کہف نے اپنے معاشرے کی حقیقتوں سے راہ فرار اختیار کی تھی' یا ایک خاص زمانے کے لئے گوشہ نشینی اپنائی تھی؟

○ جوانان کہف کے احوال کا مطالعہ کرتے ہوئے ہمارے سامنے دو احتمال آتے ہیں۔ پہلا احتمال تو یہ ہے کہ ان پر ماحول کا دباؤ اس حد تک بڑھ چکا تھا کہ وہ خوفزدہ تھے کہ کہیں طاغوتی طاقتیں انہیں کفر اختیار کرنے پر مجبور نہ کر دیں۔ نیز انہیں اس بات کا بھی دھڑکا تھا کہ ان پر معاشرتی دباؤ اس حد تک نہ بڑھ جائے کہ وہ اس کا مقابلہ نہ کر سکیں۔ اور جیسا کہ مستضعفین (جن کی جان لینے کو فرشتے اس وقت گئے جب وہ خود پر ظلم کر رہے تھے) کے بارے میں خدائے تعالیٰ کے کلام میں ہماری نظر سے گزر چکا ہے کہ خداوند عالم کو یہ بات پسند تھی کہ وہ اپنے دین کی حفاظت اور اس ماحول سے نجات کے لئے اپنے وطن سے ہجرت کر جائیں تاکہ جس معاشرے میں وہ رہ رہے ہیں وہاں کا سخت دباؤ انہیں اپنے دین سے دستبردار ہونے پر مجبور نہ کر دے۔ شاید اصحاب کہف کا تعلق اسی گروہ (مستضعفین) سے ہو اور انہیں یہی مشکل درپیش ہو۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ وہ ایک ایسا موقع حاصل کرنا چاہتے ہوں جس میں زیادہ توانائی جمع کر کے معاشرے میں لوٹیں اور اپنے اوپر پڑنے والے شدید دباؤ میں کمی لائیں' اور نئے سرے سے اپنا پروگرام شروع کریں۔ البتہ اس دوسرے احتمال کو تقویت پہنچانے والے قرائن اور شواہد ہمارے پاس موجود نہیں ہیں جبکہ پہلا احتمال زیادہ قوی نظر آتا ہے۔ اہم یہ ہے کہ ہم اس بات کو پیش نظر رکھیں کہ خداوند متعال اس داستان کو بعد میں آنے والے مومنین کے لئے عبرت قرار دینا چاہتا ہے اور ان پر یہ واضح کرنا چاہتا ہے کہ وہ اپنے حکیمانہ ارادے کے تحت مختلف وسائل اور گوناگوں راہوں سے اپنے بندوں کو نجات بخشتا ہے۔

عبادت کا وسیع مفہوم

☆ خداوند متعال قرآن مجید میں فرماتا ہے : وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (اور میں نے جنات اور انسان کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ سورہ ذاریات ۵۱۔ آیت ۵۶)۔ خدا نے ہمیں کیسی عبادت کے لئے خلق کیا ہے؟

○ عبادت کے معنی ہیں انتہائی درجہ کی فرمانبرداری اور بندگی۔ یعنی خداوند عالم یہ چاہتا ہے کہ جن و انس اسکے احکام و فرامین کے تابع و فرمانبردار رہیں۔ خداوند عالم جن وانس سے چاہتا ہے کہ ان کا ارادہ خدا کے ارادے کے تابع ہو' ان کے اعمال وافعال خدا کے امر و نہی کے مطابق ہوں اور روئے زمین پر انسان کی پوری حیات خدا کی اس خلافت کی مظہر ہو جس کی ذمے داریوں کا بوجھ خدا انسان سے اٹھوانا چاہتا ہے۔

اس گفتگو کی روشنی میں ہم پر واضح ہوتا ہے کہ عبادت' ہر اس چیز کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے جس میں خدا کے اوامر و نواہی کا لحاظ رکھا گیا ہو۔ بالفاظ دیگر اس میں ہر وہ عمل شامل ہے جو خدا کی محبت میں اور اسکی رضا کے لئے انجام دیا گیا ہو۔ اس مفہوم کو ہم ان احادیث سے اخذ کرتے ہیں جو کہتی ہیں : العبادۃ سبعون جزءافضلھا طلب الحلال (عبادت کے ستر حصے ہیں اور اسکا افضل ترین حصہ طلب حلال ہے) یا : افضل العبادۃ العفاف (بہترین عبادت پاک دامنی ہے) یا : ماعبداللّٰہ بشیءافضل من عفۃ بطن او فرج (خدا کی عبادت شکم اور فرج کی پاکدامنی کے عمل سے بڑھ کر کسی اور عمل کے ذریعے نہیں ہوتی) یا وہ حدیث جو کہتی ہے : طلب العلم عبادۃ (طلب علم عبادت ہے) یا وہ جس میں ہے : تفکر ساعۃ خیر من عبادۃ سنۃ (ایک ساعت غور و فکر ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے) یعنی غور و فکر 'سوچ بچار عبادت کی ایک ایسی قسم ہے جو ایک سال کی عبادت (جیسے بے معرفت نماز) سے برتر ہے۔

ارادۂ الٰہی کی انجام دہی

اس طرح ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ خداوند عالم جن وانس سے جس عبادت کا طلبگار ہے اور چاہتا ہے کہ وہ اسے زندگی کے مقصد اور ہدف کے طور پر پیش نظر رکھیں' وہ یہ ہے کہ وہ عالم ہستی میں خدا کی مشیت اور ارادے کو حقیقت کا روپ دیں۔ شاید یہ مفہوم خداوند عالم کے اس کلام سے حاصل کیا جاسکے جس میں وہ انبیاء کو بھیجنے اور آسمانی کتب کے نزول کی حکمت بیان فرماتا ہے : لقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معھم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط (بے شک ہم نے انبیاء کو واضح دلیلوں کے ساتھ بھیجا ہے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان کو بھی نازل کیا ہے تاکہ لوگ عدالت کے ساتھ عمل کریں۔ سورہ حدید ۵۷ - آیت ۲۵)۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعثت انبیاء کا مقصد یہ ہے کہ لوگ عدل وانصاف کے مطابق عمل کریں۔ لہٰذا انبیاء اس لئے آئے ہیں تاکہ ان چیزوں کو بیان کریں جو خدا لوگوں سے چاہتا ہے۔ اور یوں خداوند عالم کے نزدیک انسان کی زندگی کا مقصد یہ ہے کہ لوگ عدل وانصاف کی رعایت کریں۔

عدالت کا قیام

اس بنیاد پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ عدالت کا قیام اور انصاف کا رواج در حقیقت عبادت عملی کی ایک قسم ہے جس پر عمل کا تقاضا خداوند عالم اپنے بندوں سے کرتا ہے۔ مذکورہ آیہ کریمہ میں "عبادت" کے وہ معنی مراد نہیں ہیں جو عام طور پر مشہور ومعروف ہیں' جن کے مطابق خدا نے جن وانس کو نماز پڑھنے یا روزہ رکھنے کے لئے خلق کیا ہے۔ بلکہ یہاں عبادت کا مفہوم اس عامیانہ معنی سے کہیں بالاتر اور ماورا ہے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ فقہا کے بقول ہر ایسا عمل جسے انسان خدا کی خوشنودی اور اسکے تقرب کے ارادے سے انجام دے عبادت ہے۔

قرآنی جوان

☆ ہم ایسی نسل اور ایسے جوان تیار کرنا چاہتے ہیں جن کی زندگیاں قرآنی ہدایات وتعلیمات میں ڈھلی ہوئی ہوں' اسکا کیا طریقہ ہے؟

○ جب آپ "قرآنی نسل" یا "قرآنی جوان" کا کلمہ استعمال کرتے ہیں تو درحقیقت آپ کی گفتگو ان قرآنی مفاہیم کے بارے میں ہوتی ہے جو چاہتے ہیں کہ جوان ان کے سانچے میں ڈھل جائیں۔ خواہ یہ مفاہیم عقیدتی ہوں' یا اخلاقی' یا عبادی' یا عملی۔ لہٰذا جوانوں پر لازم ہے کہ قرآن کا مطالعہ کرتے ہوئے اسے سمجھ کے پڑھیں' جب بھی قرآن کریم کی جانب متوجہ ہوں تو شعوری اور عملی انداز سے ہوں۔ ان کی قرائت خشک اور بے روح نہ ہو' طوطے کی طرح زبانی رٹنے پر اکتفانہ کریں۔

لہٰذا ہمارے وہ جوان جو ایک اسلامی زندگی بسر کر رہے ہیں اور خدا کی طرف دعوت کی راہ پر گامزن ہیں وہ ایک مرتبہ پھر اسلامی دعوت کے ابتدائی دور اور نزول قرآن کے عہد سے تعلق رکھنے والے متحرک جوانوں کے کردار کو دہرا سکتے ہیں' وہ جوان جن کی پوری حیات پر قرآن کریم ایک الٰہی محرک کے طور پر سایہ فگن تھا۔

اہم یہ ہے کہ مسلمانوں کی نسل نو اپنے پورے شعور اور پورے وجود کے ساتھ قرآنی تعلیمات سے کسب فیض کرے' قرآن کریم کا دامن مضبوطی کے ساتھ تھامے اور اس عمل میں رسول کریمؐ کو اپنا اسوہ اور ماڈل بنائے' جن کے اخلاق کی توصیف ان کی ایک زوجہ نے ان الفاظ میں کی ہے : کان خلقه القرآن (قرآن کریم آپؐ کا خلق تھا)۔

ہمیں بھی قرآنی اخلاق سے اسی طرح آراستہ ہونا چاہیے کہ لوگ ہمارے کردار ورفتار کو قرآن کا عملی نمونہ پائیں' ہمیں قرآنی تعلیمات کی جیتی جاگتی تصویر محسوس کریں۔

ضمیمہ احادیث (۱)

خواہشاتِ نفس کے بارے میں

☆ "قال الامام علی (ع) : آفة العقل الھوی"
امام علیؑ نے فرمایا : خواہشِ نفس عقل کو برباد کر دیتی ہے۔

☆ "وقال (ع) : الشھوات سموم قاتلات"
آپؑ ہی کا ارشاد ہے : نفسانی خواہشات مہلک زہروں کی مانند ہیں۔

☆ "وقال (ع) : حلاوة الشھوة ینغصھا عار الفضیحة"
آپؑ ہی کا ارشاد ہے : خواہشاتِ نفس کی شیرینی کو ذلت و رسوائی تلخ کر دیتی ہے۔

☆ "وقال (ع) : ان الجنة حفت بالمکارہ، وان النار حفت بالشھوات"
آپؑ ہی کا ارشاد ہے : جنت مشکلات اور سختیوں میں لپٹی ہوئی ہے، اور دوزخ خواہشاتِ نفس میں۔

☆ "وقال (ع) : بقدر اللذة یکون التنغیص"
آپؑ ہی کا ارشاد ہے : گناہگار گناہ سے حاصل ہونے والی لذت کی مقدار کے برابر ناگواری اور تلخ کامی کا مزہ چکھے گا۔

☆ "وقال رسول اللہ (ص) : رب شھوة ساعة اورثت حزنا

طویلا"

رسول اللہؐ نے فرمایا : کبھی کبھی لمحہ بھر کی نفسانی لذتیں اپنے پیچھے طویل رنج و غم چھوڑ جاتی ہیں۔

☆ "وقال علی (ع) : من تلذذ بمعاصی اللہ اورثہ اللہ ذلا"

حضرت علیؑ نے فرمایا : خدا کی نافرمانی سے لذت حاصل کرنے والے کو خدا ذلت و خواری سے دوچار کرتا ہے۔

☆ "وقال (ع) : الھوی الہ معبود' والعقل صدیق محمود"

آپؑ ہی ارشاد ہے : نفسانی خواہشات' خواہش پرستوں کے معبود ہیں اور عقل و خرد قابلِ ستائش دوست۔

☆ "وقال (ع) : انک ان اطعت ھواک اصمک واعماک وافسد منقلبک وارداک"

آپؑ ہی کا ارشاد ہے : خواہشاتِ نفس کی پیروی انسان کے آنکھ اور کان بند کر دیتی ہے' اسکا مستقبل تباہ اور اسے برباد کر دیتی ہے۔

☆ "وقال (ع) : اول الشھوات طرب واخرھا عطب"

آپؑ ہی ارشاد ہے : شہوت کا آغاز طرب اور مستی ہے اور اسکا انجام صرف اور صرف ہلاکت۔

☆ "وقال (ع) : اقمعوا ھذہ النفوس فانھا طلقة' ان تطیعوھا تنزع بکم الی شر غایة"

آپؑ ہی کا ارشاد ہے : نفسانی خواہشات کو اپنے دل وجان سے نکال پھینکو کہ یہ سرکش ہوتی ہیں اور (ہوشیار کہ) اگر تم نے اپنی لگام ان کے حوالے کر دی تو یہ تمہیں بدترین انجام سے دوچار کر دیں گی۔

☆ "وقال الامام الصادق (ع) : احذروا اھواء کم کما تحذرون اعداء کم' فلیس شیء اعدی للرجال من اتباع اھوائھم وحصاد

السنتهم"
امام صادقؑ کا ارشاد ہے : اپنی نفسانی خواہشات سے ایسے ہوشیار رہو، جیسے اپنے دشمن سے چوکنا رہتے ہو، کیونکہ خواہشاتِ نفس کی پیروی اور بے تکی گفتگو انسان کی بدترین دشمن ہیں۔

☆ "وقال علی(ع) : ردع النفس عن الھوی، الجھاد الأکبر"
حضرت علیؑ کا ارشاد ہے : اپنے نفس کو خواہشاتِ نفسانی سے باز رکھنا جہادِ اکبر ہے۔

صحبت اور ہم نشینی کے بارے میں

☆ "قال رسول اللہ(ص) : جماع الشر مقارنة قرین السوء"
رسول اللہؐ کا ارشاد ہے : برے کی دوستی، تمام برائیوں کی جڑ ہے۔

☆ "وقال الحواریون لعیسی(ع) : یاروح اللہ : من نجالس اذا؟ قال : من یذکر کم اللہ رویتہ، ویزید فی علمکم منطقه، و یرغبکم فی الاخرة عمله"
حواریوں نے حضرت عیسیٰؑ سے پوچھا : اے روح اللہ! ہم کن خصوصیات کے حامل شخص کے ساتھ نشست برخاست رکھیں؟ فرمایا : ایسے شخص کے ساتھ جس کا دیدار تمہیں خدا کی یاد دلائے، جسکی گفتگو تمہارے علم میں اضافہ کرے اور جس کا عمل تمہیں آخرت کی جانب راغب کرے۔

☆ "وقال الامام علی(ع) : جلیس الخیر نعمة، جلیس الشر نقمة"
امام علیؑ نے فرمایا : نیکوکار سے دوستی نعمت اور بدکار سے دوستی بلا ہے۔

☆ "وقال الامام زین العابدین(ع) : مجالسة الصالحین داعیة الی الصلاح"
امام زین العابدینؑ نے فرمایا : نیکوکاروں کی ہم نشینی نیکی اور بھلائی پر ابھارتی ہے۔

☆ "وقال لقمان لابنه : یا بنی جالس العلماء ' وزاحمهم برکبتیک فان الله یحیی القلوب بنور الحکمة کما یحیی الارض بوابل السماء"

حضرت لقمانؑ نے اپنے فرزند سے فرمایا : اے بیٹا! علما کی صحبت میں بیٹھنا اور ان کے آگے زانوئے ادب تہ کرنا' کیونکہ خداوند متعال دلوں کو حکمت کے نور سے اسی طرح زندہ کرتا ہے جس طرح زمین کو بارش سے زندہ کرتا ہے۔

☆ "وقال الامام علی (ع) : جالس الحلماء تزدد حلما"

امام علیؑ نے فرمایا : بردبار لوگوں کی صحبت اختیار کرو اس طرح تمہاری بردباری میں اضافہ ہوگا۔

☆ "وقال (ع) : جالس العلماء تسعد"

آپؑ ہی نے فرمایا : علما کی صحبت اختیار کرو سعادت پاؤ گے۔

☆ "وقال رسول الله (ص) : جالس الابرار فانک ان فعلت خیرا حمدوک وان اخطات لم یعنفوک"

رسول اللہؐ نے فرمایا : نیک لوگوں کی رفاقت اور ہم نشینی اپناؤ کہ اگر تم نیکی کرو گے تو تمہیں سراہیں گے اور اگر کسی خطا کے مرتکب ہو گے تو تم سے درشتی اور بدسلوکی سے پیش نہ آئیں گے۔

☆ "وقال الامام علی (ع) : جالس الفقراء تزدد شکرا"

حضرت علیؑ نے فرمایا : ناداروں کی صحبت اپناؤ' تمہارے شکر میں اضافہ ہوگا۔

☆ "وقال الرسول الکریم (ص) : سائلوا العلماء ' وخاطبوا الحکماء' وجالسوا الفقراء"

رسول کریمؐ نے فرمایا : اپنے مسائل' علما سے دریافت کرو' داناؤں سے گفتگو کرو اور ناداروں کے ساتھ نشست و برخاست رکھو۔

☆ "وعن علی (ع) : مجالسة اهل الهوی منساة للایمان

ومحضرة للشیطان"

حضرت علیؑ کا ارشاد ہے : خواہشاتِ نفس کی پرستش کرنے والوں کی ہم نشینی ایمان کو بھلا دیتی ہے اور شیطان کو حاضر کر دیتی ہے۔

☆ "وقال (ع) : جانبوا الاشرار و جالسوا الاخیار"

آپؑ ہی نے فرمایا : بدکاروں سے دور رہو اور نیکوکاروں کی صحبت اپناؤ۔

شرم و حیا کے بارے میں

☆ "قال رسول اللہ (ص) : الحیاء لا یاتی الا بالخیر"

رسول اللہؐ نے فرمایا : حیا صرف بہتری لاتی ہے۔

☆ "وقال (ص) : ان اللہ یحب الحیی المتعفف، و یبغض البذی السائل الملحف"

آپؐ ہی نے فرمایا : خداوند عالم باحیا اور پاکدامن انسان کو پسند کرتا ہے اور بدزبان اور سرہو جانے والے سائل کو ناپسند کرتا ہے۔

☆ "وقال (ص) : ان الحیاء من شرائع الاسلام"

آپؐ ہی نے فرمایا : بے شک حیا اسلام کی شریعت ہے۔

☆ "وقال الامام علی (ع) : الحیاء سبب الی کل جمیل"

امام علیؑ نے فرمایا : شرم و حیا وہ رسی ہے جس کے دوسرے سرے پر خوبیاں ہیں۔

☆ "وقال (ع) : احسن ملابس الدنیا الحیاء"

آپؑ ہی نے فرمایا : اس دنیا کا بہترین لباس حیا ہے۔

☆ "وقال (ع) : من کساہ الحیاء ثوبہ خفی علی الناس عیبہ"

آپؑ ہی نے فرمایا : جو شخص حیا کی چادر اوڑھ لے، اسکے عیب انسانوں سے چھپے رہتے ہیں۔

☆ "وقال (ع) : الحیاء غض الطرف"

آپ ہی نے فرمایا : نگاہوں کو جھکا لینا حیا ہے۔

☆ "وقال النبی الاکرم (ص) : ماکان الفحش فی شیء قط الا شانہ' ولا کان الحیاء فی شیء قط الا زانہ"

نبی کریمؐ نے فرمایا : ناسزا گوئی' ذلت و خواری کا موجب ہے اور حیا' زینت اور نیکیوں کا باعث۔

☆ "وقال (ص) : لو کان الحیاء رجلاً لکان صالحا"

آپ ہی نے فرمایا : اگر حیا انسان (کی شکل میں مجسم) ہوتی تو بے شک نیکوکار انسان کی شکل اختیار کرتی۔

☆ "وقال الامام الکاظم (ع) : الحیاء من الایمان و الایمان فی الجنۃ' والبذاء من الجفاء والجفاء فی النار"

امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا : حیا ایمان کا جز ہے اور ایمان کا مقام بہشت ہے' بدزبانی جفا ہے اور جفا جہنمی ہے۔

دوستی اور معاشرت کے بارے میں

☆ "قال رسول اللہ (ص) : المرء علی دین خلیلہ فانظر من تخالل"

رسول اللہؐ نے فرمایا : انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے۔ پس اچھی طرح دیکھ لو کہ کسے دوست بنا رہے ہو۔

☆ "قال علی (ع) : ابذل لاخیک دمک ومالک' ولعدوک عدلک وانصافک' وللعامۃ بشرک واحسانک"

حضرت علیؑ نے فرمایا : اپنے بھائی کے لئے جان و مال فدا کر دو' اپنے دشمن سے عدل و انصاف برتو اور عام لوگوں سے خندہ پیشانی سے پیش آؤ اور احسان کرو۔

☆ "وقال (ع) : احبب حبیبک ھونا ما فعسی ان یکون

بغیضک یوما ما' وابغض بغیضک هونا ما فعسی ان یکون حبیبک یوما ما"

اور آپؑ ہی نے فرمایا : دوستی میں حد سے نہ گزرو' مبادا وہ دوست کسی دن تمہارا دشمن ہو جائے (اسی طرح) دشمنی کو بھی حد میں رکھو شاید دشمن ایک دن تمہارا دوست بن جائے۔

☆ "وقال (ع) : صاحب الاخوان بالاحسان' وتغمد ذنوبهم بالغفران"

آپؑ ہی نے فرمایا : اپنے بھائیوں سے حسنِ سلوک کرو اور ان کی غلطیوں کو بخش دو۔

☆ "وقال (ع) : التودد الی الناس راس العقل"

آپؑ ہی نے فرمایا : لوگوں سے محبت اور مہربانی عقل کی اساس ہے۔

☆ "وقال (ع) : بالتودد تتاکد المحبة"

آپؑ ہی نے فرمایا : مودت سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔

☆ "وقال (ع) : بحسن العشرة تدوم المودة"

آپؑ ہی نے فرمایا : حسنِ معاشرت سے مودت و محبت کو دوام حاصل ہوتا ہے۔

☆ "وقال (ع) : ایاک ان تخرج صدیقک اخراجا یخرجه عن مودتک' واستبق له من انسک موضعا یثق بالرجوع الیه"

آپؑ ہی نے فرمایا : ایسا نہ ہو کہ اپنے دوست کو خود سے اس قدر دور کر دو کہ اس سے مودت و محبت کا رشتہ یکسر منقطع ہو جائے' اور (ہر حال میں) اپنے دل میں اس کی محبت باقی رکھو تاکہ اس کے سہارے وہ تمہاری طرف پلٹ آئے۔

☆ "وقال (ع) : عمارة القلوب فی معاشرة ذوی العقول"

آپؑ ہی نے فرمایا : صاحبانِ عقل کے ساتھ میل جول دلوں کی آبادی کا باعث ہے۔

☆ "وقال (ع) : معاشرة ذوی الفضائل حیاة القلوب"

آپؑ ہی نے فرمایا : صاحبانِ فضل کے ساتھ میل جول دلوں کی حیات و شادابی کا

موجب ہے۔

☆ "وقال(ع) : خوافی الاخلاق تکشفها المعاشرة"

آپ ہی کا ارشاد ہے : میل جول سے انسان کی پوشیدہ اخلاقی خصوصیات سامنے آتی ہیں۔

☆ "وقال موصیا ابنه الحسن (ع) : احبب لاخیک ما تحب لنفسک، واکره له ما تکره لها"

آپ ہی نے اپنے فرزند امام حسنؑ کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا : جو چیز اپنے لئے پسند کرتے ہو، وہی اپنے بھائی کے لئے چاہو۔ اور جس چیز کو اپنے لئے ناپسندیدہ سمجھو، اسے اسکے لئے بھی برا سمجھو۔

۲

نقطۂ انقلاب

سعادت و شقاوت

☆ حدیث شریف میں ہے : السعید سعید فی بطن امه' والشقی شقی فی بطن امه (نیک بخت بطن مادر میں ہی نیک بخت ہوتا ہے اور بد بخت بطن مادر ہی میں بد بخت ہوتا ہے۔) اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ والدین کی خصوصیات موروثی طور پر بچے کے حصے میں آتی ہیں۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اس روایت کی رو سے بچے اپنے افعال میں مجبور ہوتے ہیں۔ اس بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟

○ پہلی بات : ممکن ہے اس حدیث سے ہم ایک ایسا مفہوم حاصل کر سکیں جس کے تحت وراثت اور اسکے منفی یا مثبت اثرات کا مسئلہ ہی درمیان میں نہ آئے' جس کی بنا پر یہ کہا جاتا ہے کہ بچوں کی نیک بختی اور بد بختی کا موجب وہ صفات و خصوصیات ہوتی ہیں جو بچے اپنے والدین سے وراثت میں پاتے ہیں۔ بلکہ اس حدیث سے یہ مفہوم اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ انسانوں کی پیدائش کے وقت ہی سے ان کے مستقبل کا علم رکھتا ہے' اور جانتا ہے کہ وہ نیک بختی کی راہ پر چلیں گے یا بد بختی کا راستہ اپنائیں گے۔ اللہ رب العزت' بندوں کے اس دنیا میں نیک بختی یا بد بختی کے راستے پر قدم رکھنے سے

قبل ہی واقف ہے کہ وہ دنیا میں کس روش پر گامزن ہوں گے۔

یہ جبر نہیں ہے

ممکن ہے بعض اذہان میں یہ شبہ پیدا ہو کہ یہ حدیث جبر کی جانب اشارہ کرتی ہے۔ اس سلسلے میں ہمارا جواب یہ ہے کہ ہمارا یہ اعتقاد کہ خداوند عالم اسی وقت سے انسان کی نیک بختی اور بد بختی کا علم رکھتا ہے جبکہ وہ ابھی اپنی ماں کے شکم ہی میں ہوتا ہے' انسان کی سعادت یا شقاوت کے اسکے اپنے ارادے اور اختیار سے تعلق کی نفی نہیں کرتا۔ کیونکہ خداوند عالم اس بات کو جانتا ہے کہ انسان کا مستقبل' جس کا تعین خود انسان کا عزم وارادہ کرتا ہے کیا ہوگا۔ بنا برایں 'نیک بخت انسان کی سعادت کا سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ خود اختیاری طور پر اپنے لئے حق' نیکی اور عدالت کا راستہ منتخب کرتا ہے اور بدبخت کی بد بختی کا موجب ظلم اور بدی کی راہ اپنانا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اس بارے میں خداوند عالم کا علم اپنی سعادت یا شقاوت کے تعین کے سلسلے میں انسان کے ارادے اور اختیار کو باطل نہیں کرتا۔

خداوند عالم تمام باتوں' بشمول انسان کی سعادت اور شقاوت کا علم رکھتا ہے اور اسکی مشیت کے مطابق تمام مسائل ان طبیعی قوانین کے ذریعے واقع ہوتے ہیں جو اللہ رب العزت نے انسان کی شخصیت یا کائنات کو ودیعت کئے ہیں۔ مثال کے طور پر خداوند عالم بارش برسنے کے وقت سے آگاہ ہے لیکن اسکا مطلب یہ نہیں ہے کہ بارش براہ راست مشیت ایزدی سے برسے گی۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ خداوند عالم حوادث کے واقع ہونے سے قبل ہی ان کے وقوع پذیر ہونے کا علم رکھتا ہے لیکن حوادث ان اسباب و علل کے توسط سے واقع ہوتے ہیں جنہیں خداوند عالم نے کائنات میں قرار دیا ہے۔

اس گفتگو سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انسان کی سعادت اور شقاوت' نیک بختی اور بد بختی مقدمات اور نتائج کے درمیان پائے جانے والی اسباب وعلل کی کار فرمائی کی بنا پر خود انسان کا ارادہ واختیار رقم کرتا ہے۔ لہٰذا مذکورہ حدیث انسان کی زندگی کے بناؤ

یا بگاڑ میں اسکے ارادے اور اختیار کی نفی نہیں کرتی۔

وراثت اور انسانی ارادہ

دوسری بات : مذکورہ حدیث کے ذریعے اگر وراثت اور انسان کی سعادت یا شقاوت کے درمیان تعلق دریافت ہو بھی جائے 'تب بھی یہ امر وراثتی عناصر کے مقابلے پر انسان کی آزادی کو لغو قرار نہیں دیتا۔ اس لئے کہ وراثتی عناصر انسان کو ایک معین عمل کی انجام دہی پر اکسانے کا باعث تو ہو سکتے ہیں لیکن ان کے اثرات اس حد تک قوی نہیں ہوتے کہ ایک دوسرے راستے پر قدم بڑھانے یا ایک دوسرے افق پر پرواز کرنے کی قدرت و صلاحیت انسان سے سلب کرلیں۔ انسان کی شخصیت میں موجود وراثتی عناصر اس میں فکری' نفسیاتی یا عملی عوامل ایجاد کرتے ہیں' جو بسا اوقات کسی عمل کی انجام دہی کے لئے اسکے نفس یا فکر پر دباؤ ڈالتے ہیں۔

البتہ یہ صورتحال انسان کو بے دست وپا نہیں کردیتی' اور وہ ان عناصر کے سامنے بے بس نہیں ہوتا' کیونکہ خداوند عالم نے انسان کو عقل کی نعمت اور ارادے کا گوہر بھی عطا کیا ہے۔ اور اس کے لئے ایسے مواقع فراہم کئے ہیں جن سے استفادے کے ذریعے وہ اپنے لئے دوسری راہوں کا انتخاب کر سکتا ہے۔ یہ وراثتی عوامل ہو بہو ایسے ہی ہیں جیسے صحت سے متعلق عوامل۔ مثلاً ایک ایسا انسان جس کی ولادت صحت کے لئے مکمل طور پر مضر ماحول میں ہوئی ہو' اس بات پر قادر ہوتا ہے کہ صحت کے لئے مفید عوامل سے استفادہ کر کے مطلوبہ صحت حاصل کر سکے اور اسی طرح ایک ایسا انسان جس نے صحت کے لئے مفید ماحول میں آنکھ کھولی ہو اسکے لئے بھی یہ امکان موجود ہے کہ وہ اپنے ارادے اور اختیار کو غلط طور پر کام میں لاکر اپنے لئے مضر صحت حالات پیدا کرلے۔

لہٰذا ہم یہ عقیدہ نہیں رکھتے کہ وراثت انسان سے اسکا ارادہ سلب کر سکتی ہے' یا اسکے اختیار کی قوت اس سے چھین سکتی ہے۔ البتہ اس حد تک قبول کرتے ہیں کہ وراثت اپنی معین کردہ ڈگر کے برخلاف راستہ اختیار کرنے پر انسان کے سامنے مشکلات

کھڑی کرتی ہے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ انسان جس طرح اپنی جسمانی اور شعوری تکمیل کی راہ میں اندرونی مشکلات سے دوچار ہوتا ہے اسی طرح باہر سے بھی اور خارجی عوامل کے توسط سے آنے والی مشکلات بھی اس پر تکامل کی راہ دشوار کرتی ہیں۔

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان برائیوں سے مکمل طور پر لتھڑے ہوئے ایک ایسے ماحول میں زندگی بسر کرتا ہے جو اسکے سامنے تمام برائیوں کے راستے کھول دیتا ہے لیکن اسکے باوجود وہ اس ماحول کے اثرات پر غالب آسکتا ہے اور اپنے لئے خیر کی راہ کا چناؤ کر سکتا ہے۔ دوسری طرف یہ بھی ممکن ہے کہ ایک نیک اور صالح ماحول میں زندگی گزارنے والا انسان اپنے اندرونی دباؤ اور جبلی خواہشات کے غلبے کی بنا پر اس صالح ماحول کے اثرات سے مستفید نہ ہو اور اسکا جھکاؤ شر اور برائیوں کی سمت ہو جائے۔

ماحول تبدیل کرنے کے سلسلے میں انسان کی قدرت

انسان کے اندر جاگزیں اندرونی عوامل 'اسکے باطن میں بیٹھے ہوئے موروثی عناصر اور ان بیرونی عوامل کے درمیان کوئی فرق نہیں جو چاروں طرف سے انسان کو گھیرے ہوئے ہوتے ہیں اور جن کا وہ روز و شب سامنا کرتا ہے۔

ہر دو صورتوں میں انسان اپنے داخلی اور خارجی حالات بدلنے پر قادر ہے۔ یہ مفہوم ہم اس آیہ کریمہ سے حاصل کرتے ہیں جس میں ارشاد قدرت ہے : ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیر وا ما بانفسھم (اور خدا کسی قوم کی حالت کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے آپ کو تبدیل نہ کرلے۔ سورہ رعد ۱۳۔ آیت ۱۱)

یعنی انسان میں اپنے حالات تبدیل کرنے کی قدرت پائی جاتی ہے۔ خواہ یہ حالات ان موروثی عناصر کے پیدا کردہ ہوں جو اس پر دباؤ ڈالتے ہیں یا اس پر اثر انداز ہونے والی جبلی خواہشات کا نتیجہ ہوں یا ان خارجی عوامل کی بنا پر ہوں جس میں وہ گھرا ہوتا ہے۔

خداوند متعال نے اس کلام میں حالات کی تبدیلی کو خود انسان کی فکر' احساس اور اسکے باطن میں جاگزیں عناصر میں تبدیلی سے وابستہ قرار دیا ہے۔اور اسکا مفہوم یہ ہے کہ انسان خود پر اثرانداز ہونے والے ہر داخلی اور خارجی عامل کے مقابل ڈٹ جانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔خواہ یہ عناصر اسکی ذات کا حصہ ہوں یا اسکے اردگرد کا ماحول۔

علاوہ ازایں اسلام جہادِ نفس (جسے جہاد اکبر کا نام دیا گیا ہے) کی شدت کے ساتھ تاکید کرتا ہے۔اس جہاد کو جہاد اکبر کا نام دینا اس کے دوران پیش آنے والی شدید صعوبتوں اور دشواریوں کی جانب اشارہ ہے۔ مختصر یہ کہ انسان جس طرح (خارجی) ماحول کے منفی اثرات پر قابو پانے کی قدرت رکھتا ہے اسی طرح باطنی منفی عوامل پر بھی غالب آسکتا ہے۔

ماحول کی طرف سے استضعاف

☆ ایسے بچے جو خراب اور غیر سالم گھریلو ماحول میں آنکھ کھولتے ہیں اور جن کے معاشرے میں بھی ان کے والدین کے ناپسندیدہ اعمال کو بری نظر سے نہیں دیکھا جاتا (اور معاشرہ بھی ان کے اعمال کی تائید کرتا ہے)۔ ہمارا آپ سے سوال یہ ہے کہ ایسے حالات اور ماحول میں جوان کی ذمے داری کیا ہے؟

○ "اسلام کے نکتہ نظر سے مسئولیت" کے موضوع میں "مستضعف" کے عنوان سے ایک تعبیر پائی جاتی ہے۔جو کبھی فکری استضعاف کے لئے استعمال ہوتی ہے اور جو عقیدتی' سیاسی اور اجتماعی مفہوم پیدا کرلیتی ہے اور کبھی خارجی استضعاف کے عوامل کے بارے میں استعمال ہوتی ہے' جس سے مراد کسی قوی عنصر کے مقابل' انسان کی قدرتِ عمل کا ختم ہوجانا ہے۔

اگر استضعاف سے مراد فکری استضعاف ہو تو سوالِ بالا کا جواب واضح ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایسا ماحول جہاں حق وعدالت کے برخلاف عقائد وافکار رائج ہوں اور ایک ایسا بند معاشرہ ہو جو اپنے افراد کو کسی دوسرے تصور کے بارے میں سوچنے سمجھنے

تک کی اجازت نہ دیتا ہو' وہاں زندگی بسر کرنے والا انسان اپنے ماحول میں مکمل طور پر غرق ہو جاتا ہے اور اسکے سوا اسے کوئی دوسری چیز نہیں سوجھتی۔

ایسے ماحول میں زندگی بسر کرنے والے انسان کی مثال بالکل اس شخص کی سی ہوتی ہے جسے ایک تنگ و تاریک کمرے میں قید کر دیا گیا ہو اور دنیا ومافیہا سے بے خبر رکھا گیا ہو۔ قدرتی بات ہے کہ ایسا انسان اس تنگ و تاریک ماحول کے سوا کسی چیز سے آشنا نہ ہو گا اور اسکے سوا کسی دوسری دنیا کا تصور بھی اسکے ذہن میں نہ آئے گا۔

ایسا انسان جس کے سامنے کسی دوسرے احتمال کا دروازہ بند ہو' یا اسکے فکری تصورات کی دنیا میں کسی دوسرے احتمال کے لئے دروازہ کھلا نہ ہو اور نتیجے کے طور پر تعلیم کے ذریعے اس دوسرے احتمال کی پرورش اور اسکے مثبت نتائج تک پہنچنے کی قدرت نہ رکھتا ہو' تو فقہی اصطلاح میں ایسے انسان کو "جاہلِ قاصر" کہتے ہیں۔ یعنی ایسا جاہل جو اپنی فکری فضا یا عمل و فعالیت کے میدانوں میں حق کے ایک (اجمالی) تصور کا مالک ہو لیکن کیونکہ اسکے سامنے کسی دوسرے احتمال اور خیال کا دروازہ بند ہے اسلئے اسکے پاس حق کی پہچان اور شناخت کا کوئی ذریعہ نہیں۔ (ایسے شخص کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں ہوتی کہ حق اسکی اختیار کردہ راہ کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ ہے)۔

عذر رکھنے والے اور عذر نہ رکھنے والے

وہ انسان جو معرفت کے راستے پر قدم بڑھاتا ہے' اسکا سامنا مختلف افکار و خیالات سے ہوتا ہے۔ اسکے برعکس ایسا شخص جو صرف ایک انداز فکر میں زندگی بسر کرتا ہے' دوسرے افکار و خیالات سے یکسر نا آشنا ہوتا ہے۔ ہم اسے "جاہلِ قاصر" کہتے ہیں اور ایسا انسان معذور ہے۔ قرآن کریم اس قسم کے انسانوں کی جانب یوں اشارہ کرتا ہے: الا المستضعفین من الرجال والنساء والولدان لا یستطیعون حیلۃ ولا یھتدون سبیلا (علاوہ ان کمزور مردوں' عورتوں اور بچوں کے جن کے اختیار میں کوئی تدبیر نہ تھی اور وہ کوئی راستہ نہ نکال سکتے تھے۔ سورہ نساء ۴ - آیت ۹۸)۔

البتہ ایک دوسرا ماحول ایسا بھی پایا جاتا ہے جس میں انسان متعدد اور رنگا رنگ افکار کا سامنا کرتا ہے اور ان کے بارے میں غور و فکر کر سکتا ہے۔ مثلاً ایک ایسا انسان جو کسی عیسائی یا سنی معاشرے میں زندگی بسر کرتا ہے اور وہاں رہتے ہوئے سنتا ہے کہ تشیع کے نام سے بھی مسلمانوں کا ایک فرقہ پایا جاتا ہے۔ یا ایک ایسا انسان جو کسی کمیونسٹ سماج میں زندگی بسر کرتا ہے اور سنتا ہے کہ ڈیموکریسی سرمایہ داری یا اسلام کے نام سے بھی مکاتب فکر پائے جاتے ہیں اور وہ ان مختلف عقائد و افکار کے بارے میں سوچ بچار کر سکتا ہے۔ ایسا انسان اگر اپنے عقیدے یا فکر سے چمٹا رہے اور دوسرے مکاتب عقائد اور تصورات کی جانچ پرکھ نہ کرے' تو وہ معذور نہیں کہلائے گا۔ کیونکہ کسی بھی چیز پر اعتقاد اور یقین کے دو پہلو ہوتے ہیں' ایک اثباتی پہلو اور دوسرا انکاری پہلو۔ اثباتی پہلو' ان عناصر پر مشتمل ہوتا ہے جو اس عقیدے پر ایمان اور اسکی قبولیت کا راستہ ہموار کرتے ہیں اور انکاری پہلو وہ دلائل اور علامات ہوتی ہیں جن کی بنیاد پر کسی فکر کو مسترد کیا جاتا ہے۔ لہٰذا کسی بھی فکر اور عقیدے کو قبول کرنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اس بات پر ایمان لایا جائے کہ "یہ فکر یا عقیدہ حق ہے اور اسکے برخلاف افکار و عقائد باطل ہیں۔"

لہٰذا جب تک آپ دوسرے عقائد کو باطل ثابت نہ کر سکیں اس وقت تک اپنے عقیدے کی حقانیت پر مطمئن ہو کے نہیں بیٹھ سکتے۔ اور ایسے اطمینان کا حصول صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب ہم اپنی تمام تر فکری قوتوں کو کام میں لائیں تاکہ ہمارا ذہن جس کسی چیز کی حقانیت کو ممکن قرار دے فکری کدو کاوش کے ذریعے ہم اسکی حقیقت تک پہنچ سکیں۔

پوری جدوجہد کرنا

اگر آپ بھرپور جدوجہد کے بعد ایک معین نتیجے پر پہنچ جائیں جو ممکن ہے حق ہو اور شاید حق نہ ہو۔ تو اس صورت میں آپ معذور ہوں گے۔ لیکن اگر دوسرے احتمالات کی

شناخت کے سلسلے میں آپ کوتاہی کے مرتکب ہوں تو جاہلِ مقصر۔ کہلائیں گے اور جاہلِ مقصر شرعی اور عقلی لحاظ سے معذور نہیں ہوتا۔ کیونکہ جب خداوند سبحان نے انسان کو حق کی معرفت کے ذرائع فراہم کئے ہیں تو اس سے یہ بھی چاہا ہے کہ ان ذرائع و وسائل سے استفادہ کرے اور صرف اس بہانے سے جمود کے عالم میں پڑا نہ رہے کہ یہ ذرائع فطری طور پر مجھے فراہم نہیں ہوئے۔ بعض احادیث میں آیا ہے کہ جب روزِ قیامت انسان کو محشور کیا جائے گا تو اس سے کہیں گے : تم نے کیوں عمل نہ کیا؟ وہ کہے گا : مجھے علم نہ تھا۔ جواباً کہا جائے گا : کیوں علم نہ تھا؟ اور اسی بارے میں فرمانِ الٰہی ہے : قل فللہ الحجۃ البالغۃ (کہہ دیجئے کہ اللہ ہی کے پاس محکم اور رسا دلیلیں ہیں۔ سورہ انعام ۶ ۔ آیت ۱۴۹)

یہاں ایک نکتہ قابلِ توجہ ہے اور وہ یہ کہ ایسا انسان جسے معرفت کے ذرائع میسر ہوں لیکن سفر ہجرت، مراسلت یا حصول علم کی قدرت نہ رکھتا ہو، تو روزِ قیامت اس سے صرف ان اعتقادی مسائل کے بارے میں سوال جواب کئے جائیں گے جنہیں تنہا عقل کے ذریعے دریافت کیا جا سکتا ہے۔ جیسے خدا کی وحدانیت اور اسی قبیل کے دوسرے مسائل۔ بالفاظ دیگر صرف ان امور کے بارے میں اس سے مواخذہ کیا جائے گا جنہیں وہ اپنی فطری عقل کے ذریعے دریافت کر سکتا ہے، لیکن ایسے امور جن کے بارے میں انسان کسی خارجی تعلیم کے بغیر شناسائی حاصل نہیں کر سکتا تو اگر حصولِ علم کے لئے کافی وسائل اسکے اختیار میں نہ ہوں تو وہ معذور ہے۔

عقیدے میں تقلید

☆ وہ اعتقادات جن کے بارے میں غور و فکر اور تحقیق و جستجو لازم ہے، انہیں تقلیدی طور پر اختیار کرنے کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

۱۔ جو شخص معرفت کے وسائل و امکانات کے باوجود حق کو تلاش نہ کرے اسے جاہلِ مقصر کہتے ہیں۔

○ گزشتہ سوال کے جواب کو پیش نظر رکھ کر اس بات کو آگے بڑھاتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ بہت سے لوگ جن حالات اور جس ماحول میں زندگی بسر کر رہے ہیں' اپنی سستی اور کاہلی کی وجہ سے اسی میں مگن رہتے ہیں' اور خود کو دوسرے مسالک اور مختلف عقائد کے بارے میں غور و فکر' تحقیق اور جستجو کی زحمت میں نہیں ڈالتے۔ ان لوگوں کی یہ حالت کبھی کبھی اس حد کو پہنچ جاتی ہے کہ ان کے ذہن میں فریق ثانی کی کم از کم ایک فیصد حقانیت کا خیال بھی نہیں گزرتا۔

قرآن کریم عقیدے کے بارے میں زمانہ جاہلیت کے مشرک عربوں کے اس طرز عمل کو مسترد کرتا ہے جس پر وہ اصرار کرتے تھے اور ان لوگوں کے یہ کہنے پر کہ : انا وجدنا اباءنا علی امة وانا علی اثارھم مقتدون (ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا ہے اور ہم انہیں کے نقش قدم کی پیروی کرنے والے ہیں۔ سورہ زخرف ۴۳۔ آیت ۲۳) ان سے سوال کرتا ہے کہ : قل اولو جئتکم باھدی مما وجدتم علیه اباءکم (تو پیغمبر نے کہا کہ چاہے میں اس سے بہتر پیغام لے آؤں جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ سورہ زخرف ۴۳۔ آیت ۲۴) یا : اولو کان آباوھم لا یعقلون شیئا ولا یھتدون۔ (چاہے ان کے باپ دادا بے عقل ہی رہے ہوں اور ہدایت یافتہ نہ رہے ہوں۔ سورہ بقرہ ۲۔ آیت ۱۷۰)

خداوند سبحان انسان کو عقیدے میں تقلید کا پابند نہیں کرتا' بلکہ وہ چاہتا ہے کہ انسان خود اپنی عقل کی مدد سے اپنے لئے عقیدے کا انتخاب کرے۔ اس نے دوسرے عقائد کی حقانیت کے گمان کو اس پر حجت قرار دیا ہے۔ یعنی اگر انسان کے سامنے اس بات کا معقول احتمال موجود ہو کہ جس عقیدے پر وہ ایمان رکھتا ہے اس کے علاوہ ایک دوسرا عقیدہ حق ہے' تو اس پر لازم ہے کہ اس سلسلے میں رکاوٹ بننے والی ہر قسم کی مشکلات کے باوجود اس نئے عقیدے کے بارے میں تحقیق و تفتیش کرے۔ کیونکہ ہم بکثرت لوگوں کو دیکھتے ہیں جو ایک ماحول میں رہتے ہوئے خاص طرز فکر کے حامل ہو جاتے ہیں' لیکن کسی دوسرے ماحول میں منتقل ہونے کے بعد ان پر وہاں موجود رجحانات کا

غلبہ ہو جاتا ہے' اپنے پہلے طرز فکر سے روگرداں ہو جاتے ہیں۔ یہ امر اس فکر کے واقعی ہونے کو ظاہر کرتا ہے جو ایسے ہی انسان کو ذمے دار قرار دیتی ہے جس نے حالات کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے ہوں' اسکے خلاف بغاوت کی جرات نہ رکھتا ہو۔

بلوغ اسلامی نکتۂ نگاہ سے

☆ بلوغ کا مرحلہ علمِ حیاتیات (Biology) کے اعتبار سے بھی اور تکلیفِ شرعی کے پہلو سے بھی' ایک انسان کی زندگی کا نقطہ انقلاب ہے۔ تربیت' نفسیات اور سماجیات کے بعض ماہرین اس مرحلے کو ایک مردِ مسلم کی زندگی کا پیچیدہ ترین مرحلہ قرار دیتے ہیں۔

بلوغ کے مرحلے کو آپ کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

○ اسلام' انسان کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے اس بات کی تاکید کرتا ہے کہ اس کے وجود میں اور اسکی شخصیت کے اندر بے چینی اور بے قراری کے عناصر پائے جاتے ہیں۔ جس مقام پر خداوند عالم ہمارے لئے حضرت آدمؑ کو انسان کا ماڈل اور نمونہ قرار دے کر فرماتا ہے : ولقد عهدنا الی ءادم من قبل فنسی ولم نجد له عزما (اور ہم نے آدم سے اس سے پہلے عہد لیا تھا مگر انہوں نے اسے ترک کر دیا اور ہم نے ان کے پاس عزم و ثبات نہیں پایا۔ سورہ طٰہٰ ۲۰ - آیت ۱۱۵) یہاں ذاتی طور پر ابوالبشر حضرت آدمؑ مراد نہیں ہیں بلکہ "نوعِ آدم" مراد ہے جو مضبوط عزم و ارادے کی مالک نہیں' کیونکہ قرآن کہتا ہے : خلق الانسان من عجل ساوريكم اياتی فلا تستعجلون (انسان کے ضمیر میں عجلت شامل ہو گئی ہے اور عنقریب ہم تمہیں اپنی نشانیاں دکھلائیں گے تو پھر تم لوگ جلدی نہیں کرو گے۔ سورہ انبیاء ۲۱ - آیت ۳۷) اور فرمایا گیا ہے : وكان الانسان عجولا (اور انسان بہت جلد باز واقع ہوا ہے۔ سورہ بنی اسرائیل ۱۷ - آیت ۱۱)۔ نیز فرمان ہے : وخلق الانسان ضعيفا۔ (اور انسان تو کمزور ہی پیدا کیا گیا ہے۔ سورہ نساء ۴ - آیت ۲۸)۔ نیز ارشاد ہے : الله الذی خلقكم من ضعف (اللہ ہی وہ ہے جس نے تم سب کو کمزوری

سے پیدا کیا ہے۔ سورہ روم ۳۰۔ آیت ۵۴) اور فرمان ہے : وما ابری نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء الا ما رحم ربی (اور میں اپنے نفس کو بھی بری قرار نہیں دیتا کہ نفس بہرحال برائیوں کا حکم دینے والا ہے' مگر یہ کہ میرا پروردگار رحم کرے۔ سورہ یوسف ۱۲۔ آیت ۵۳)

چنانچہ بکثرت آیاتِ قرآن اس حقیقت کی ترجمان ہیں کہ تخلیق کے موقع پر انسان کو سراپا قدرت و قوت کے ساتھ خلق نہیں کیا گیا بلکہ اس کی شخصیت میں کمزور عناصر بھی پائے جاتے ہیں۔

جب ہم ان کمزور عناصر کی جستجو کرتے ہیں' تو دیکھتے ہیں کہ یہ عناصر انسان کی شخصیت کی گہرائی میں موجود ہیں۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں انسانی جبلتوں کا مثبت کردار انسان کی حیات کی بقا و دوام کا موجب ہوتا ہے' جبکہ جبلتوں کا منفی عمل اور ان کا انحرافی رخ انسان کی حیات کے لئے ضرر رساں ہے' اور اس کے اندر توازن کا خاتمہ کر دیتا ہے۔ لہٰذا انسان درحقیقت جبلتوں کے منفی اور مثبت خطوط کے درمیان حرکت کرتا ہے۔ خداوند عالم نے شاہراہ زندگی پر سفر کے لئے انسان کو عقل عطا کی ہے' جو ارادے کی مدد سے انسان کے وجود کے مختلف پہلوؤں میں توازن اور ہم آہنگی ایجاد کر سکتی ہے۔

بلوغ ایک طبیعی حالت ہے

گزشتہ گفتگو کو پیش نظر رکھتے ہوئے' بلوغ کو انسان کی ایک طبیعی حالت سمجھنا چاہئے۔ اس مرحلے میں انسان میں جسمانی نشوونما کا عمل اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ اسے اپنی جبلی ضروریات محسوس ہونے لگتی ہیں۔ اس مرحلے کے آغاز پر ایک طرح کی سرکشی اسکے وجود میں انگڑائی لیتی ہے اور اسے دوسروں کی اطاعت اور پیروی سے نکال کر اپنی ذات کے شعور اور خود مختاری کی حالت میں لے آتی ہے۔ لیکن اس موقع پر ایک واضح راہ راست کی سمت اسکی رہنمائی کرنے والی کوئی چیز موجود نہیں ہوتی۔

بلوغ کا مرحلہ ہوبہو سمندر کی متلاطم موجوں کے توازن کے مرحلے کی مانند ہوتا

ہے۔ گویا اپنی زندگی کے مرحلہ ثانی میں داخل ہونے والا انسان اپنے وجود میں ایک نئی شخصیت اور نئی ہستی کے لئے آمادگی پاتا ہے' جس کا آغاز ایسے تجربے سے ہوتا ہے جو اسے ایک یکسر نیا انسان بنا دیتا ہے اور اس جدید مرحلے کے لئے اسکے سامنے ایک نئے قاعدے کی بنیاد رکھتا ہے۔ اس مرحلے میں تربیت کا اہم اور کلیدی کردار سامنے آتا ہے جو انسان کو تباہی سے محفوظ رکھتا ہے' کیونکہ جبلت کا جنون' بالفاظ دیگر انسان میں سرکش خواہشات کا طغیان اور ایک غیر واضح افق سے واقفیت اسکے توازن کو درہم برہم کر دیتے ہیں۔ اور اس بے اعتدالی کی وجہ جوان میں تجربے کا فقدان ہے جس کی مدد سے وہ اپنے کردار و عمل میں توازن اور اعتدال پیدا کر سکتا ہے۔

اسلام اور بچوں کی نگہداشت

یہی وجہ ہے کہ اسلام میں بچوں کی دیکھ بھال اور نگہداشت کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے۔ ایک حدیث میں ہے : اترکہ سبعا وادبہ سبعا واصحبہ سبعا (بچے کو پہلے سات سال اسکے حال پر چھوڑ دو' دوسرے سات سال اسے ادب تمیز سکھاؤ اور تیسرے سات سال میں اسکے ساتھی اور دوست بن جاؤ)۔ لہٰذا ادب آموزی کا زمانہ جو ۷ برس سے ۱۴ برس کی عمر پر محیط ہے' راہ راست کی سمت انسان کی رہنمائی کا زمانہ ہے۔ اس زمانے میں بچے میں شخصیت کے عناصر تشکیل دینے والے پاکیزہ بیج بونے چاہئیں' تاکہ جب وہ ۱۴ برس یا اس سے قبل یا بعد بلوغ کی منزل پر پہنچے تو احکام و ضوابط کا مطیع و فرمانبردار ہو۔

پھر چودھویں برس سے شروع ہونے والے دوستی اور رفاقت کے زمانے سے مراد یہ ہے کہ زمانہ بلوغ میں نوجوان کی نگہداشت کے لئے ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جو اسکے لئے ایک ایسا ماحول پیدا کر دے' جس سے براہ راست استفادے کے ذریعے وہ اپنی آئندہ زندگی کے میدان میں فطری انداز میں قدم رکھ سکے۔

مرحلہ بلوغ نوجوان کی شخصیت کی تعمیر میں جو خاص اہمیت رکھتا ہے ہم اسے کم کرنا

نہیں چاہتے لیکن مسئلے کو اس درجہ اہم بھی نہیں سمجھتے جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے' اور وہ اسے انتہائی اہم قرار دیتے ہیں۔ البتہ ہم اس بات پر اعتقاد رکھتے ہیں کہ دیکھ بھال' نگرانی اور نگہداشت اس حد تک کڑی نہیں ہونی چاہئے کہ نوجوان خود کو زنجیروں میں جکڑا ہوا سمجھنے لگے جس کی وجہ سے وہ اندرونی طور پر گھٹن کا شکار ہو جائے اور نفسیاتی مریض بن جائے۔ جبکہ دوسری طرف اسے ایسی مکمل آزادی دینا بھی مناسب نہیں جس میں وہ خود کو ہر حد و حدود' اصول و قانون سے آزاد سمجھنے لگے اور توازن اور اعتدال کے راستے سے پھسل جائے۔ مختصر یہ کہ نگہداشت کا عمل ایسا سخت بھی نہ ہو جسے جبر کہا جائے اور ایسا نرم بھی نہ ہو کہ جسے غفلت اور سستی کہہ سکیں بلکہ انتہائی نرمی اور انتہائی سختی کے بیچ بیچ ہونا چاہئے۔

نوجوان اور کج رفتاری

☆ زمانہ بلوغ اور جوانی کی ایک خصوصیت تجربے کی کمی اور ناپختگی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور میں انحرافی طرز عمل کے مظاہر بہت زیادہ دیکھنے میں آتے ہیں۔ کیا اسلامی تعلیمات میں ایسی ہدایات و رہنمایاں موجود ہیں جن کے ذریعے اس دور میں واقع ہونے والی لغزشوں کی روک تھام کی جاسکے؟

○ اسلام' والدین سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ اپنے بچے کے جوانی کے مرحلے میں قدم رکھنے سے قبل ہی اس کی شخصیت کے روحانی پہلو پر توجہ دیں اور اس مقصد کے لئے اسے درجہ بدرجہ عبادت کا عادی اور خدا پرستی کا خوگر بنائیں۔ اسی طرح اسلام جوان (لڑکے اور لڑکی دونوں) کو اپنی خود مختار اور قانونی شخصیت کا احساس عطا کر کے انہیں "خود اعتمادی" بخشتا ہے۔

جب جوان کا شعور پختہ ہو جاتا ہے اور اسکے ذریعے وہ اپنے امور و معاملات کا انتظام کرسکتا ہے تو اسلام اس پر سے بزرگوں کی ولایت اٹھالیتا ہے : وابتلوا الیتامٰی حتی اذابلغوا النکاح فان ءانستم منھم رشدا فادفعوا الیھم

اموالھم (اور یتیموں کا امتحان لو اور جب وہ نکاح کے قابل ہو جائیں تو اگر ان میں رشید (پختہ) ہونے کا احساس کرو تو ان کے اموال ان کے حوالے کردو۔ سورہ نساء ۴۔ آیت ۶)

رشد ایک ذہنی حالت ہے جس کا سرچشمہ انسان کی عقل اور فکر ہے۔ یہ حالت پالینے کے بعد انسان دوسرے افراد معاشرہ کی مانند خود سے متعلق معاملات اور مسائل کے بارے میں عاقلانہ اور متوازن عمل و خل کی قدرت حاصل کرلیتا ہے۔ لہذا نوجوانی کا مرحلہ کوئی غیر معمولی مرحلہ نہیں بلکہ انسان کی فطری حالتوں میں سے ایک حالت ہے جس میں انسان سن بلوغ گزار کر شعور اور پختگی کے مرحلے میں قدم رکھ رہا ہوتا ہے۔

نوجوانی اور ذمہ داری

اسلام کی نظر میں انسان اس وقت مکلف قرار پاتا ہے جب وہ سن بلوغ میں قدم رکھنے کے بعد اپنے اچھے برے کا خود ذمہ دار ہو جاتا ہے۔ اسکے معنی یہ ہیں کہ اسلام نوجوانی کے مرحلے کو انسان کے لئے فرائض و ذمے داریوں سے بے تعلقی اور سبک باری کا مرحلہ نہیں سمجھتا کیونکہ ممکن ہے جوانی کا مرحلہ اسکی عمر کے آخری دور تک جاری رہے' وہ اس طرح سے کہ جبلتوں کی سرگرمیاں جو انسان کے منفی پہلو کو اندرونی اور بیرونی عناصر کی تحریک کے ذریعے بیدار کرتی ہیں' وہ ابتدائے شباب سے زندگی کے اختتام تک اسمیں پائی جاتی ہیں اور جیسا کہ ہم جانتے ہیں بعض لوگ چالیس' پچاس یا ساٹھ سال کی عمر تک نوجوان رہتے ہیں۔ کیونکہ نوجوانی کی کوئی معین عمر نہیں ہوتی بلکہ یہ ایک ایسی حالت کا نام ہے جس کی سرگرمیاں بلوغ کے آغاز ہی سے شروع ہو جاتی ہیں اور جسکے جسمانی اور نفسیاتی اثرات اس وقت تک جاری رہتے ہیں جب تک انسان کی جبلتیں بیدار رہتی ہیں۔

نصیحت و رہنمائی

لہذا لازم ہے کہ بچے کے بالغ ہونے سے پہلے ہی اسکی روحانی 'فکری اور اجتماعی (نیز

دیگر میدانوں میں) رہنمائی کے کام کا آغاز کردیا جائے۔ تاکہ جوان کو (زمانہ بلوغ) میں جبلتوں کی بیداری کے نتیجے میں سامنے آنے والی مشکلات سے محفوظ رکھا جاسکے' نیز یہ رہنمائی زندگی کے دوسرے مراحل میں بھی اسے راہ راست پر رکھنے کی ضمانت ہو۔ اس کے علاوہ تربیت اور رہنمائی کے اصولوں میں اس بات کو بھی ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے کہ آج کے انسان کو متحرک زندگی اور نت نئے مسائل کے اعتبار سے گزشتہ زمانے کے انسان سے مختلف سمجھیں اور اسے محدود اور مقفل کرنے کی کوشش نہ کریں بلکہ اسکی فکر اور روح کے دریچوں کو کھولیں تاکہ وہ زندگی کی صاف اور پاکیزہ ہوا میں سانس لے سکے۔

استمنا یا خود لذتی۔۔۔۔ مجرم کون ہے؟

☆ زیر بحث موضوع سے تعلق رکھنے والا ایک مسئلہ جس پر شرعی نکتہ نظر اور عمومی رہنمائی کے پہلوؤں سے روشنی ڈالنے کی ضرورت ہے وہ خود لذتی یا استمنا "Hand Practices" کا مسئلہ ہے۔ اس بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟

○ اسلام "خود لذتی" کو حرام قرار دیتا ہے۔ کیونکہ اسلام چاہتا ہے کہ انسان صرف ازدواجی تعلقات کے ذریعے جنسی تسکین حاصل کرے۔ لہٰذا جنسی تسکین کے لئے شرعی اور اخلاقی اصولوں کے برخلاف کوئی بھی طریقہ اپنانا' اسلام کے نکتہ نظر سے مردود اور مذموم ہے۔ اس کے علاوہ اسکے نفسیاتی اور طبی نتائج بھی برے ہوتے ہیں۔

لہٰذا "خود لذتی" حرام اور ممنوع عمل ہے۔ خواہ اسکے لئے کوئی بھی طریقہ اختیار کیا جائے۔ حتیٰ جنسی تحریک کا سبب بننے والے ایسے تصورات بھی' جو منی کے اخراج پر منتج ہوں حرام ہیں۔

اگر ہم ان قدرتی اور حقیقی وجوہات کو جاننا چاہیں جو نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں میں اس قبیح اور ناپسندیدہ عادت کا سبب بنتی ہیں تو ہمیں معاشرے میں موجود طرح طرح کے دباؤ اور رکاوٹوں میں اسکی وجوہات تلاش کرنی چاہئیں۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ ہمارے

سماجی رسم و رواج نے مرد وزن کے ملاپ کے لئے صرف دائمی عقد کا دروازہ کھلا چھوڑا ہے۔ دوسرا سبب معاشی دباؤ ہے جو نوجوان کی جلد شادی میں رکاوٹ بنتا ہے۔ ایک اور وجہ معاشرے کی وہ فرسودہ روایات ہیں جو شریک حیات کے انتخاب کے سلسلے میں لڑکی کو سبقت کرنے سے باز رکھتی ہیں۔

جلد شادی

اسلام جلد شادی کی تاکید کرتا ہے اور ازدواج کو ایک طبیعی امر کے بطور پیش کرتا ہے۔ نیز اسے معاشرے کی مسلط کردہ تمام قیود سے مبرا قرار دیتا ہے۔ مثلاً فکری پختگی، معاشرتی مقام اور معاشی قدرت وغیرہ جیسی شرائط۔

اسلام کی نظر میں شادی کا (ایک) مقصد مرد وزن کی جنسی جبلت کی تسکین ہے۔ نیز وہ سمجھتا ہے کہ اس رشتے کے پہلو بہ پہلو دوسرے مسائل بھی نشوونما، تکامل و ترقی پا سکتے ہیں، جس طرح مختلف دوسرے روابط و تعلقات میں ہوتا ہے۔

البتہ بچوں کی پیدائش اور ان کی تربیت جیسے مسائل کے لئے مناسب راہ حل نکالے جاسکتے ہیں۔ کیونکہ ان مسائل کا بہر صورت سامنا کرنا پڑے گا، چاہے شادی دیر سے کی جائے یا ابتدائے شباب میں۔ لیکن اسلام لڑکے لڑکیوں کی جلد شادی کر دینے کی تاکید کرتا ہے اور مہر کو لڑکی کی رضامندی کے حصول کے صرف ایک ذریعے کے عنوان سے ملحوظ رکھتا اور معتبر سمجھتا ہے۔ اسی طرح اسلام مالی اور اقتصادی پہلو سے بھی شادی کو سہل بنانے کی تاکید کرتا ہے۔ جبکہ معاشرتی رسوم و رواج نے اس پہلو سے بھی شادی کو مشکل بنا دیا ہے۔

اسلامی احکام و تعلیمات کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اسلامی معاشرے میں زندگی بسر کرنے والے طالب علم اپنا تعلیمی سلسلہ جاری رکھتے ہوئے بھی شادی کا بندھن قائم کرسکتے ہیں۔ اگر لڑکا اور لڑکی دونوں ہی طالب علم ہیں تو اس دوران چاہیں تو اپنے والدین ہی کے گھر میں رہائش اختیار کریں یا ایک چھوٹا سا مکان کرائے پر لے لیں

اور ایسی سادہ زندگی بسر کریں جو ان کے زمانہ طالب علمی کا تقاضا ہے۔

آج ہم دیکھتے ہیں کہ معاشرے کی تقلید میں، سماجی اور اقتصادی پابندیاں مسلط کر کے شادی کے راستے میں آہنی رکاوٹیں حائل کر دی گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب تیس برس یا اس سے زیادہ عمر کو پہنچ کر شادی کی نوبت آتی ہے۔

بہر صورت اسلام نے (مسائل کے باوجود) ابتدائے شباب ہی میں شادی کو بہت سی روحانی اور اخلاقی مشکلات کے حل کی ایک بنیادی راہ کے طور پر پیش کیا ہے۔

ازدواجِ موقت (متعہ)۔۔۔اور جنسی مسئلے کو قبیح سمجھنا

فقہ امامیہ میں اس مسئلے کے حل کی ایک اور راہ بھی تجویز کی گئی ہے، جسے ازدواج موقت (متعہ) یا غیر دائمی نکاح کہا جاتا ہے۔ البتہ اس سلسلے میں دوشیزاؤں کے لئے خاص طور پر شرعی اور سماجی احتیاطوں کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ جبکہ بیوہ اور طلاق یافتہ خواتین کے لئے اس طرح کی کوئی مشکل نہیں۔

اسلام جنسی جبلت کی تسکین کے لئے مرد و زن کے درمیان جائز جنسی تعلق کو ایسا پست تعلق نہیں سمجھتا جو عورت کی حیثیت اور احترام گھٹانے کا موجب ہو۔ اسلام کی نظر میں جنسی تسکین بھی کھانے اور پینے کی مانند ایک مکمل فطری ضرورت ہے۔ اور اگر کوئی انسان اپنی اس جسمانی طلب کو (شرعی ضوابط کو پیش نظر رکھتے ہوئے) دوسرے انسان کے توسط سے پورا کرے تو یہ عمل اسکی شخصیت، عزت، حیثیت اور احترام کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتا۔ جنسی مسائل کے بارے میں معاشرے میں رائج توہمات کو قبول کرنا، درحقیقت فطرت سے دور ہونا اور اسے فراموش کر دینا ہے۔

جنس ایک مکمل فطری مسئلہ ہے۔ لہٰذا عورت اور مرد باہمی رضامندی سے شادی کا فیصلہ کرنے کے بعد (شرعی اور قانونی تقاضے پورے کر کے) انتہائی فطری طور پر ایک دوسرے کی جنسی احتیاج کی تسکین کر سکتے ہیں اور اسمیں اصلاً کسی کی تحقیر یا تذلیل کا پہلو نہیں نکلتا۔ کیونکہ یہ سننِ الٰہی میں سے ایک ہے۔ اگر مرد و زن کے لئے دائمی نکاح ممکن

نہ ہو تو شرعی شرائط ملحوظ رکھ کر اور معاشرتی ضوابط کو سامنے رکھتے ہوئے (اگر معاشرہ اسے قبول کر سکے تو) نکاح موقت کر سکتے ہیں۔ اس نکاح کے نتیجے میں ہرچند نہ چاہتے ہوئے متولد ہونے والے بچے زوجین کے شرعی بچے شمار ہوتے ہیں۔

اس مسئلے میں اصل مشکل معاشرے کی طرف سے پیدا کردہ ہے' جس نے نوجوان لڑکے لڑکیوں پر اس سرکش خواہش (جس کا عمر کے اس حصے میں فطرتاً انسان کو سامنا ہوتا ہے) کی تسکین کے تمام دروازے بند کر دیئے ہیں اور یوں دانستہ یا نادانستہ طور پر انہیں خود لذتی اور استمنا کی اس بری لت کی جانب دھکیل رہا ہے۔

جنسی تعلیم اور معاشرتی رجحانات

☆ معاشرے میں رائج اقدار کی موجودگی میں جنسی مسائل کے بارے میں عوام الناس کے خیالات کی تصحیح کس طرح کی جائے اور اسے صحیح سمت دینے کے سلسلے میں مشکلات اور پیچیدگیوں کو کس طرح برطرف کیا جائے؟

○ اس مقصد کے حصول کے لئے ہمیں جنسی مسائل کے بارے میں معاشرے کے ذہن کو بدلنا ہو گا' اسکے بارے میں یہ تصور کہ یہ ایک گندی اور پلید چیز ہے ختم کرنا ہو گا۔ اور اس ذہنیت کی اصلاح کرنی ہو گی جو اسے عورت کی عزت و احترام کے منافی سمجھتی ہے نیز شادی کی رسوم و رواج کے خلاف ایک سماجی انقلاب بپا کرنا ہو گا جو اسے سادہ اور فطری بنائے اور غیر اسلامی تمدنوں سے آنے والے فضول رسوم و رواج کا اس سے خاتمہ کر دے۔ اسلام چاہتا ہے کہ شادی سہل اور مرد و زن کے لئے ایک معمول کی چیز ہو جائے۔

یہاں ایک اہم نکتہ قابل ذکر ہے' اور وہ یہ کہ عقد نکاح کے شرعی صورت میں جامہ عمل پہننے کے لئے کسی خاص معاشرتی رسم یا دینی ادارے کی بالادستی لازم نہیں ہے۔ اگر زوجین میں شرعی شرائط پائی جائیں تو بس اتنا کافی ہے کہ عورت مرد سے کہے :

"زوجتک نفسی بمهر قدره کذا (یعنی میں مہر کی فلاں مقدار کے عوض اپنے

آپ کو تمہاری زوجیت میں دیتی ہوں) اور مرد کہے : قبلت الزواج بالمهر المعلوم اوالشرط المعلوم (یعنی میں فلاں معلوم مہر یا فلاں معین شرط کے ساتھ تمہیں اپنی زوجیت میں قبول کرتا ہوں)۔ اس طرح یہ دونوں شریعت کی نگاہ میں میاں بیوی ہو جاتے ہیں۔

مذہب شیعہ امامیہ میں نکاح کے لئے دو گواہوں کی موجودگی بھی شرط نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔ کیونکہ کبھی کبھی ایسے حالات بھی پیش آتے ہیں کہ شادی ضروری ہوتی ہے لیکن دو گواہ میسر نہیں ہوتے ۔ قانونی اور شرعی اداروں میں نکاح کی رجسٹریشن ' ہو بہو دوسرے معاہدوں اور معاملوں کی رجسٹریشن کی مانند ہے۔ جس کا مقصد قانونی لحاظ سے ان معاہدوں کو محکم اور معقول بنانا ہوتا ہے۔ رجسٹریشن کرانا یا نہ کرانا عقد و معاہدے کی شرعی حیثیت پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ عقدِ نکاح کا شرعی ہونا خرید و فروخت اور شراکت جیسے معاہدوں کی مانند طرفین کے باہمی قول و قرار سے مربوط ہوتا ہے۔ اسکے لئے کسی اور شرط کی ضرورت نہیں ہوتی۔

اگر ہم نوجوانوں کو گناہ اور گمراہی سے محفوظ رکھتے ہوئے' ان کی جنسی مشکل کا حل نکالنا چاہتے ہیں' تو ہم پر لازم ہے کہ شادی بیاہ کے مسئلے کو سہل اور آسان بنائیں اور اسے معاشرتی رسوم و رواج کے بھاری پتھروں کے بوجھ سے نجات دلائیں' جن کی وجہ سے نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کی نظر میں شادی ایک کٹھن مشکل بن کر رہ گئی ہے۔ شادی کا یوں مشکل ہو جانا لڑکے' لڑکیوں کے سامنے گمراہی اور انحراف کے وسیع دروازے کھول رہا ہے۔

عشق کے بارے میں اسلام کا نکتہ نظر

☆ جنسِ مخالف (لڑکے اور لڑکیوں) کے درمیان دوستی اور عشق کے بارے میں اسلام کا نکتہ نظر کیا ہے؟ کیا آپ اسے شرعاً جائز سمجھتے ہیں؟ بالخصوص یہ علم ہوتے ہوئے بھی کہ بسا اوقات یہ عشق و محبت غیر ارادی ہوتا ہے؟

○ اسلام تمام انسانوں (مرد وزن) میں انسان دوستی کا گوہر دیکھنا چاہتا ہے۔ اس احساس کی بدولت انسان کے دل میں دوسرے انسانوں کے بارے میں مہربانی کے ایسے جذبات پیدا ہوتے ہیں کہ وہ بنی نوع انسان سے مہرو محبت کو اپنی انسانیت کا تقاضا سمجھنے لگتا ہے۔ یہ جذبہ اسے دوسرے انسانوں کی مدد و نصرت' ان کی احتیاجات کی تکمیل' ان کی شخصیت اور عزت و احترام کے تحفظ کے لئے تیار کرتا ہے۔ رسول کریمؐ کی ایک حدیث ہے' جس میں آپؐ ایمان اور محبت و دوستی کے درمیان ربط و تعلق قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں :

"لا یو من احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ ویکرہ لہ ما یکرہ لنفسہ"

"تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا' جب تک کہ اپنے بھائی کے لئے بھی وہی نہ چاہے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ اور اسکے لئے بھی اس چیز کو نا پسند کرے جسے اپنے لئے ناپسندیدہ سمجھتا ہے۔"

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام انسانوں میں باہمی محبت اور ہمدردی کا احساس بخشنے والی دوستی کی اس حد تک تاکید کرتا ہے کہ ایسی دوستی کو ایمان کا مظہر قرار دیتا ہے لہٰذا اگر آپ دوسرے انسانوں کو لاتعلقی اور بے لطفی کی نگاہ سے دیکھیں اور ان کے مسائل و معاملات کے حل کے لئے اہتمام نہ کریں تو آپ مومن نہیں۔ اس مسئلے کی ایک اور روشن گواہ پیغمبرؐ کی یہ معروف حدیث ہے :

"من لم یہتم بامور المسلمین فلیس بمسلم"

"ایسا شخص جو دوسرے مسلمانوں کے امور کے بارے میں اہتمام نہ کرے وہ مسلمان نہیں۔"

اہم مسئلہ یہ ہے کہ ہر انسان پر اپنے ہم نوعوں سے محبت اور حسن سلوک لازم ہے ایک شخص نے جب امام جعفر صادقؑ سے محبت و دوستی کے بارے میں سوال کیا' تو آپؑ نے فرمایا :

"هل الدین الا الحب؟"

"کیا دین دوستی اور محبت کے سوا کچھ اور ہے؟"

ہماری مذکورہ گفتگو' انسان دوستی کے پہلو سے تھی لیکن سوال میں جو مسئلہ اٹھایا گیا ہے اسکی نوعیت دوسری ہے۔ اور وہ انسان کی (جنسی) جبلت سے تعلق رکھتا ہے۔ اس نوع کی دوستی انسان کو اس بات پر ابھارتی ہے کہ وہ دوسروں کو بالکل اسی طرح دوست رکھے جس طرح کھانے اور پینے کو دوست رکھتا ہے۔ اس طرح کی دوستی میں جنسی پہلو پیش نظر ہوتا ہے۔ اور ایک انسان دوسرے انسان کی جانب جنسی کشش کی بنا پر اس سے محبت کرتا ہے۔ بہت سے نوجوانوں میں یہ حالت ابتدائے شباب اور اسکے بعد وجود میں آتی ہے اور اسکا اظہار جسمانی خوبصورتی اور جنسی جبلت کو تحریک دینے والے عناصر کی جانب ان کی رغبت کی صورت میں ہوتا ہے۔

اسلام کی نگاہ میں اس قسم کی محبت اور عشق صرف اسی صورت میں قابل قبول ہے جب وہ شادی کی تمہید ہو اور عقد نکاح پر منتج ہو۔ لہذا اگر کوئی مرد کسی عورت کی جانب شادی کی غرض سے مائل ہو' اس سے محبت کرے اور اسکی خوبصورتی پر شیفتہ ہو تو اسمیں کوئی مضائقہ نہیں' اور یہی وجہ ہے کہ اسلام نے مرد کے لئے ایسی عورت پر نگاہ ڈالنا مباح قرار دیا ہے جس سے وہ شادی کا ارادہ رکھتا ہے۔ لیکن ایسی محبت اسلام کی نظر میں شدت کے ساتھ مردود اور ناپسند ہے جس کا اصل مقصد تفریح طبع ہو اور ازدواجی زندگی کے استحکام کو محفوظ رکھنے والے قوانین کے تابع نہ ہو۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ہر ایسی چیز جسکا نتیجہ جنسی گمراہی کی صورت میں برآمد ہو۔ خواہ اسکا تعلق دل سے ہو' آنکھوں سے ہو' زبان سے ہو' یا ہاتھ سے یا دوسرے اعضائے جسمانی سے۔ مختصر یہ کہ کوئی بھی ایسا عامل جو جنسی تحریک اور گمراہی کا موجب ہو سکتا ہو' اسلام کی نظر میں مذموم اور مردود ہے۔ کیونکہ اس وجہ سے ایسی اخلاقی مشکلات پیدا ہوتی ہیں جو انسان کو اس راہ راست سے دور کر دیتی ہیں جس پر خدا اسے گامزن رکھنا چاہتا ہے۔

لیکن جب ہم محبت کو ایک اندرونی اور غیر اختیاری حالت کا عنوان دے کر اسکے

بارے میں گفتگو کرتے ہیں تو اس صورت میں اسے کسی مخصوص قاعدے و قانون کی حدود میں قرار نہیں دے سکتے۔ کیونکہ خداوند عالم نے انسان کو کسی ایسی چیز کا مکلف نہیں کیا ہے جس کی اسمیں طاقت نہیں ہے' یا جو نامعقول ہے۔ اسلام جذبات واحساسات کو بھی عقلانیت بخشنا چاہتا ہے تاکہ اس طرح انسان کے جذبات واحساسات کی لگام عقل کے سپرد کردے اور وہ مسائل کو صرف سطحی نظر سے نہ دیکھے بلکہ ان پر گہرائی کے ساتھ غور و خوض کرے۔

اسی تربیتی اسلوب پر اسلام لڑکوں اور لڑکیوں کی تربیت کرنا چاہتا ہے اور نہیں چاہتا کہ جوان لڑکے اور لڑکیاں صرف ایک اتفاقی نگاہ یا سطحی محرک کی بنا پر ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہو جائیں۔ اسلام کا یہ اصول صرف رشتہ ازدواج ہی کے بارے میں نہیں ہے بلکہ تمام انسانی تعلقات جیسے دوستی' شراکت وغیرہ وغیرہ کے بارے میں بھی اسی اصول پر اسلام تاکید کرتا ہے۔

دوسری طرف اسلام نے اس قسم کی محبت اور دوستی کے لئے ضوابط و شرائط وضع کئے ہیں۔ لڑکے اور لڑکی کے تنہائی میں ملنے جلنے کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا نیز انہیں اس دوستی کو ایسے کسی بھی عمل تک بڑھانے کی اجازت نہیں دیتا جو ان کی جنسی تحریک کا موجب ہو لیکن ساتھ ہی ساتھ انہیں اپنے گہرے جذبات کی ترجمان پاکیزہ گفتگو سے نہیں روکتا' ایسے جذبات جوان کے درمیان شرعی تعلق کے قیام کا راستہ تشکیل دیتے ہیں۔

پاکیزہ محبت اور نفسانی محبت

☆ کیا آپ اس قسم کی محبت کے بارے میں کچھ فرمائیں گے جسے "پاکیزہ محبت" کا نام دیا جاتا ہے؟

○ جب ہم محبت کو ایک احساس کا عنوان دے کر اسکے بارے میں گفتگو کرتے ہیں' تو اسے پاکیزہ محبت اور نفسانی محبت کے خانوں میں تقسیم نہیں کرسکتے۔ البتہ اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جنسی جبلت کے زیر اثر بھی ایک خاص حالت پیدا ہوتی ہے جسے

کبھی کبھی "محبت" کا نام دے دیا جاتا ہے۔ حالانکہ وہاں جسمانی کشش اور جاذبیت کی بنا پر ایک دوسرے کی جانب کشش پیدا ہوتی ہے، یہ ایک انسان سے دوسرے انسان کی محبت نہیں ہوتی۔ جسموں کا ایک دوسرے کی جانب میلان اپنے مطلوب و مقصود کے حصول کے لئے ایک طرح کی جسمانی سرگرمی ہے۔ اسمیں انسانی پہلو کا کوئی کردار نہیں ہوتا۔

لیکن محبت ایک ایسے انسانی احساس کا نام ہے جو کسی میں کوئی نیک صفت یا اعلیٰ فکر و عمل دیکھ کر اسکے بارے میں پیدا ہوتا ہے اور محب کی محبوب کی جانب کشش کا سبب ہوتا ہے۔ لہٰذا ہمیں اس احساس میں جو جنسی تحریک کا سبب بنتا ہے اور اس جذبے میں جو ایک انسان سے اسکی انسانی عظمت کی بنا پر تعلق کا موجب ہوتا ہے فرق کرنا چاہئے۔

نوجوانوں کو جنسی تعلیم کس طرح دی جائے؟

☆ جوانوں کے سامنے جنسی تعلیم کیسے پیش کی جائے؟

○ ہمیں اس مسئلے کو خاص حدود میں محصور نہیں کرنا چاہئے۔ بسا اوقات ایسی کتابیں لکھنے کی بھی ضرورت ہے جو اس مسئلے کی وضاحت پر مشتمل ہوں۔ اسی طرح جب ہم لوگوں سے احکامِ شرع بشمول جنسی مسائل کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں تو وہاں ان سے متعلق اصطلاحات کا استعمال ضروری ہو جاتا ہے تاکہ لوگ اس بارے میں اپنے شرعی فریضے سے آگاہ ہو جائیں۔ خود ہمارا اپنا طرزِ عمل یہ ہے کہ جب لوگوں نے ہم سے بعض جنسی مسائل کے بارے میں سوال کئے جو معاشرے کو درپیش ہیں اور جن کی تشریح معاشرے کے لئے قابلِ برداشت ہے، تو ہم صراحت کے ساتھ ان کے جواب دیتے ہیں۔ کیونکہ ہماری رائے یہ ہے کہ جنسی تعلیم بھی دوسری تعلیمات ہی کی مانند ہے، جسے ہمیں علمی انداز میں کتب و مقالات اور گھروں میں اور عمومی گفتگو کے ذریعے تو جوانوں کے اذہان تک پہنچانا چاہئے۔ اس قسم کے مسائل کا تعلق انسان کے بدن اور اسکی جبلت سے ہے۔ پس انسان کا ان معاملات کے بارے میں جانکاری رکھنا طبیعی ہے۔

ان مسائل سے آشنائی کے بارے میں معاشرہ جو پابندیاں عائد کرتا ہے وہ قدیم رسوم و رواج کے دباؤ کا نتیجہ ہیں۔ لہٰذا ان رسوم و رواج کے خاتمے کے لئے ہمیں ان کا مقابلہ حکمت کے ساتھ کرنا ہو گا تاکہ اس کے الٹے نتائج برآمد نہ ہوں اور ہمارے لئے پہلے سے بڑھ کر مشکلات جنم نہ لے لیں۔

اسلام اور جنسی تعلیم کی بنیاد رکھنا

☆ اس تعلیم کی حدود اور ابواب کیا ہیں؟ کیا آپ اس تعلیم کے لئے کسی خاص عمر کے قائل ہیں؟

○ اسلام نے تمام مسلمانوں کے لئے جنسی تعلیم کے دروازے کھولے ہیں اور اس حقیقت کا مشاہدہ ہم ان قرآنی آیات میں کرتے ہیں جن میں قریب قریب واضح الفاظ میں جنسی روابط کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے۔ حتیٰ ازدواج کے لئے قرآن کریم میں استعمال ہونے والی تعبیر "نکاح" عقد سے زیادہ ایک جنسی مفہوم کی جانب اشارہ کرتی ہے۔

معصومینؑ کی سنت شریفہ میں جستجو کی جائے تو ہم وہاں بھی ایسی احادیث پاتے ہیں جن میں مباشرت سے متعلق احکام، اس کے مستحبات اور دوسرے جنسی مسائل کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے۔ حتیٰ بعض میں تو صراحت کے ساتھ جنسی اعضا کا ذکر آیا ہے۔ یہاں تک کہ ان احادیث کا مطالعہ کرنے والا محسوس کرتا ہے کہ صدر اسلام کا اسلامی سماج اس قسم کی گفتگو کو اخلاق کے منافی نہیں سمجھتا تھا۔

اسی طرح ایسی احادیث بھی موجود ہیں جو رسول کریمؐ اور ایسے افراد کے درمیان مکالے پر مشتمل ہیں جو اپنے زنا کا اعتراف کرتے ہیں۔ وہاں ہم دیکھتے ہیں کہ اس سے انجام دیئے گئے عمل کی صورت کے بارے میں ایسا سوال کیا جاتا ہے. جس کا صاف صاف جواب دیتے ہوئے آج کے لوگ بھی شرم محسوس کرتے ہیں۔

نیز ایسی احادیث بھی ہیں جن میں خواتین سے متعلق مسائل جیسے حیض و نفاس و استحاضہ اور جنابت وغیرہ کے حوالے سے میاں بیوی کے روابط کے بارے میں واضح

الفاظ میں گفتگو کی گئی ہے۔

جب فقہا کی کتب اور جنسی مسائل سے متعلق ابواب کا مطالعہ کرتے ہیں تو وہاں بھی ان مفاہیم کی تشریح کرتے ہوئے مخصوص اعضا و جوارح اور جنسی عمل اور اس سے مربوط بعض چیزوں کے بارے میں واضح لفظوں میں گفتگو کی گئی ہے۔

اسی طرح ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ بعض علمائے سلف نے بھی اپنی کتب میں جنسی مسائل اور ایسے نکات و نوادر و لطائف تحریر کئے ہیں جنہیں آج کا معاشرہ غیر مودبانہ شمار کرتا ہے۔ بعض قدیم کتابوں میں (جنہیں زاہد اور مقدس علما نے تالیف کیا ہے) ایسی فصول اور ابواب موجود ہیں جن میں جنسی عمل کی غیر معمولی اور غیر معروف کیفیات کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے۔ ان علما کے اس کام کی بنیاد و اساس یہ سوچ تھی کہ ان مسائل کو تحریری صورت میں پیش کر کے وہ شادی شدہ جوڑوں کو جنسی مسائل سے آگاہ کریں تاکہ ان مسائل سے واقفیت کے نتیجے میں وہ ایک دوسرے سے اپنی فطری ضروریات کی تسکین کر سکیں اور انہیں ان تمایلات و ضروریات کی تسکین کے لئے ازدواجی زندگی کی حدود سے باہر نکلنے کی ضرورت نہ رہے۔

لہٰذا اب ہم اطمینان کے ساتھ یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ اسلام نے انسانی حیات کے اس پہلو کو بھی احکام شرع (واجب، حرام اور مستحب) سے مربوط کر کے ایک قسم کی جنسی تعلیم کا اہتمام کیا ہے۔ اور جب ہم اس مسئلے پر تحقیق کرتے ہیں اور اسکی اساس پر توجہ مرکوز کرتے ہیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ جنسی تعلیم حرام اور ممنوع کے دائرے میں نہیں آتی بلکہ حلال اور مجاز امور کے دائرے میں داخل ہے۔

البتہ کبھی کبھی معاشرے کی سماجی اور تہذیبی تبدیلیوں کی بنا پر جنسی تعلیم یا اسکی کسی خاص شکل سے کچھ منفی اثرات بھی مرتب ہوتے ہیں۔ بالخصوص جب اس تعلیم میں بچے اور نوجوان بھی شامل ہوں اور وہ بچے کو اس کے تجربے پر ابھارنے کا سبب بن کر اسے پاکیزہ اسلامی راستے سے دور کر کے منفی نتائج کا موجب ہو۔

لہٰذا جنسی تعلیم کے لئے بہت زیادہ باریکی اور ہوشیاری کو ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے

اور اسکے لئے ماحول 'میدان اثر اور مخاطب کی شخصیت سے کافی واقفیت لازم ہے۔

ایک اور چیز جسے ہم تاکیداً عرض کرنا چاہتے ہیں' یہ ہے کہ جنسی تعلیم کی ابتدا معاصر تبدیلیوں کے بعد نہیں ہوئی ہے۔ بلکہ اسلام نے صدیوں پہلے ان تمام جزیات کے ساتھ جن کی جانب ہم نے اشارہ کیا ہے اس تعلیم کی بنیاد رکھ دی تھی۔

جنسی تعلیم کی تنظیم کی ضرورت

نسل نو کو جنسی مسائل سے آگاہ کرنے کے لئے منصوبہ بندی ضروری ہے۔ یعنی اس بارے میں طریقہ کار کی خصوصیات' مضامین اور ماحول کے لئے ایک باضابطہ پروگرام کی تشکیل لازم ہے' تاکہ اس عمل پر علمی رنگ غالب رہے اور اس سے جنسی تحریک کے اسباب فراہم نہ ہوں۔ اس عمل کے دوران بچوں اور نوجوانوں کو یہ بات سمجھائی جائے کہ ان کے اعضائے جنسی کوئی انوکھی چیز نہیں ہیں' بلکہ اسکے برعکس مکمل طور پر فطری چیز ہیں۔ اور ان کی وجہ سے ان میں کسی قسم کی شرمندگی' عیب اور ذلت کا احساس جنم نہیں لینا چاہئے۔ البتہ ان اعضا کے بارے میں شرعی احکام پائے جاتے ہیں جن کی رو سے ان کا پوشیدہ رہنا ضروری ہے اور جو ان کی سرگرمیوں کا دائرہ صرف انہی حدود تک جائز قرار دیتے ہیں جنہیں خدا نے معین کیا ہے۔ یہ اعضا بھی دوسرے اعضائے بدن کی مانند ہیں جن کے بارے میں ممنوعات اور محرمات موجود ہیں مثلاً فلاں غذا کھانا حرام ہے' فلاں مقام پر نظر ڈالنا ممنوع ہے وغیرہ وغیرہ۔

ان مسائل کے بیان سے پہلے مناسب فضا ایجاد کرنے کی ضرورت ہے۔ اور ہمارا فرض ہے کہ اس فضا کو وجود میں لانے کے لئے پروگرام وضع کریں۔ کیونکہ بہت سے معاشروں میں اس عمل کو اخلاق کے منافی سمجھا جاتا ہے۔ اگر ہم اس مسئلے کے بارے میں کوئی لائحہ عمل مرتب کرلیں تو نوجوانوں کو جنسی مسائل سے روشناس کرانے کی صلاحیت حاصل کرسکتے ہیں۔

یہ تعلیم ایک علم کی صورت میں ان تک منتقل کی جانی چاہئے۔ اس سلسلے میں ہم

نومولود کی ولادت اور جنین کی پیدائش کے موضوع سے شروع کرسکتے ہیں۔ لیکن یہاں بیان میں صراحت کو مد نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ البتہ ایک منظم طریقے سے اور لائحہ عمل کے طے شدہ مراحل سے ہم آہنگی کے ساتھ۔

جنسی مسائل' بسا اوقات کچھ بچوں کو اسکے تجربے پر بھی ابھارتے ہیں' اسی طرح' جس طرح بعض بچے ٹیلی ویژن کے کسی ڈرامے یا فلم کے کسی منظر کو نقل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس وجہ سے کبھی کبھی اپنے لئے مشکلات بھی کھڑی کرلیتے ہیں۔ اسی طرح کچھ لوگ جنسی فلمیں دیکھنے کے بعد یا جنسی داستانیں پڑھنے کے بعد ہیجان میں مبتلا ہو کر گمراہی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ درحالیکہ اگر جنسی تعلیم کا رواج ہوتا تو نفسیاتی اور روحانی اور معاشرتی فضا ایسی بن جاتی جس میں اس جبلت کو صحیح رخ دیا جاسکتا۔ اس بات پر توجہ بھی ضروری ہے کہ دور حاضر میں ٹیلی وژن' اخبارات اور جرائد کی صورت میں گھر گھر داخل ہو چکنے والے ذرائع ابلاغ نے جنسی مسائل سے متعلق بھی نوجوانوں کی معلومات میں اضافہ کیا ہے۔ یہاں تک کہ ان مسائل کے بارے میں وہ اپنے والدین سے زیادہ جاننے لگے ہیں۔

لہٰذا جنسی تعلیم آج کے دور کی حقیقی اور لازمی ضرورت ہے۔ کیونکہ آج فلموں اور ارزاں قیمت کتابوں کے ذریعہ (انحراف آمیز) جنسی مسائل کو بغیر کسی حدود اور ضابطہ کے نوجوان لڑکے' لڑکیوں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے معاشرے کی اصلاح چاہنے والے افراد پر لازم ہے کہ وہ ایک متعین لائحہ عمل کے ذریعے نسلِ نو کو گمراہ کن جنسی تعلیمات سے نجات دلائیں۔

گھر اور اسکول کی ذمہ داری

☆ آپ کی نظر میں گھر میں جنسی تعلیم دینا بہتر ہے یا اسکول میں؟

○ ہم اس مسئلے کی حد بندی نہیں کرسکتے اور نہ ہی اسے کسی محدود دائرے میں محبوس کرسکتے ہیں۔ اگر کسی بچے کے ذہن میں نومولود کی ولادت کے بارے میں سوال پیدا ہو' یا

وہ (لاشعوری طور پر) اپنے اعضائے تناسل کی طرف متوجہ ہو' یا کسی لڑکی کے ذہن میں یہ خیال اٹھے کہ وہ شکل وصورت اور جسمانی ساخت میں اپنے بھائی سے مختلف ہے۔ تو ایسی صورت میں ضرورت تقاضا کرتی ہے کہ جنسی مسائل کے بارے میں گھر میں بھی گفتگو ہو۔

لیکن اس سے قبل ان مسائل کے بارے میں والدین کا صحیح صحیح معلومات سے بہرہ ور ہونا ضروری ہے' تاکہ وہ بچوں کے ان سوالات کے جچے تلے انداز میں درست جواب دے سکیں۔

علاوہ ازایں بیرون خانہ بالخصوص اسکولوں میں بھی اس تعلیم کی ضرورت ہے۔ خاص طور پر جبکہ اسکولوں کے درسی نصاب میں انسانی صحت اور حیوانات کی تولید اور ان کی دوسری خصوصیات وغیرہ سے متعلق مضامین پہلے ہی سے شامل ہیں' اور یوں طالب علم کے سامنے (خودبخود) ایسے مسائل آتے ہیں جو جنسی تعلیم سے مربوط ہیں' اور اساتذہ کے لئے بھی ان کی تفہیم کے لئے انہیں وضاحت اور تفصیل سے بیان کرنا ضروری ہوتا ہے۔

جنسی ماحول

آج ہماری ایک مشکل یہ بھی ہے کہ مغربی تمدن کی تقلید میں' ہمارے معاشرے پر بھی جنسی رنگ غالب آگیا ہے۔ اور جنس کا موضوع بھی ان موضوعات میں سے ایک ہوگیا ہے جن کے اظہار میں ہر انسان خود کو مکمل طور پر آزاد محسوس کرتا ہے۔ اگر مشرقی معاشروں میں جنس کے بارے میں پابندی اور پاس ولحاظ کا عنصر موجود نہ ہوتا تو اب تک مغرب کی گمراہ تہذیب مشرقی ماحول کو اسلامی ماحول سے بدل کر اس شتر بے مہار مغربی تمدن میں ڈھال چکی ہوتی جس میں اہل مغرب زندگی بسر کر رہے ہیں۔

اس بنیاد پر ایسے ماحول میں جنسی تعلیم دیتے ہوئے گہری احتیاط کو ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے۔ بصورت دیگر ممکن ہے کہ اس عمل سے انحراف اور گمراہی کی راہ ہموار تر ہوجائے۔

عیب کا مفہوم

جب ہم کسی کے لئے "عیب" کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اسکا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ پیش نظر شخص میں اخلاقی، جسمانی یا طرز عمل کا کوئی نقص پایا جاتا ہے۔ لہذا اخلاقی انحراف کو بھی "عیب" کہا جا سکتا ہے۔ لڑکیوں کا بے آبرو ہو جانا' ان کے گھرانے کے لئے ذلت اور "عیب" سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح جنسی اعضا کا لوگوں کے سامنے ظاہر کرنا بھی "عیب" ہے۔

یہ دونوں عمل اپنی شرعی حرمت کی وجہ سے معیوب سمجھے جاتے ہیں۔ شرع ان دونوں اعمال کو دین میں ضعف اور کمزوری کی علامت قرار دیتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ اعمال معاشرتی لحاظ سے بھی مذموم ہیں کیوں معاشرتی روایات بھی انہیں مناسب نہیں سمجھتیں۔

لیکن اسلام اس بات سے اتفاق نہیں کرتا کہ ایک انسان کے عیب کا بوجھ دوسرے انسان برداشت کریں۔ لہذا اگر کسی کا کوئی نزدیک ترین رشتہ دار بھی گمراہی میں مبتلا ہو تو اسکا یہ عیب و ننگ صرف اسی کے لئے ہوگا' اسکے دوسرے رشتہ داروں میں سرایت نہیں کرے گا۔ کیونکہ اسلام اس اصول پر تاکید کرتا ہے کہ : ولا تزر وازرة وزر اخری۔ (کوئی کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ سورہ انعام ۶۔ آیت ۱۶۴)

اس بات سے واضح ہوتا ہے کہ خاندان کی کسی عورت کے بے آبرو ہو جانے پر یہ کہنا کہ اس کی وجہ سے خاندان کے دامن پر دھبہ لگ گیا' ایک جاہلانہ تصور ہے۔ اسلام سے اس تصور کا کوئی واسطہ نہیں۔ کیونکہ اسلام خطا کے مرتکب شخص ہی کو خطا کا ذمہ دار سمجھتا ہے۔ اور اگر اس عمل میں ذلت و خواری کا کوئی پہلو ہوتا ہے تو اسے اسی کے لئے مخصوص قرار دیتا ہے۔ اسکے تمام خاندان اور اقربا کو اسمیں شامل نہیں سمجھتا۔

☆ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ جنسی گمراہی یا جنسی انحراف، جنسی ثقافت میں نقص یا غلط

ثقافت کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ ہمارے معاشرے پر چھائی ہوئی جنسی محرومی اور گھٹن اسکی وجہ ہے۔

○ ہم یہ نہیں کہتے کہ جنسی ثقافت (میں خطا یا نقص) ہی گمراہی کا واحد سبب ہے۔ لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ جنسی ثقافت (میں خطا یا نقص) ایسے انسان کے سامنے گمراہی کا راستہ کھول سکتی ہے جسے اس بارے میں پہلے سے معلومات نہ ہوں۔

جنسی مسائل بھی دوسرے علمی مسائل کی مانند ہیں

☆ اپنے بچوں کے سامنے کس انداز میں جنسی مسائل بیان کریں؟ اور ہم ان مسائل کے بارے میں ان کی معلومات میں کس حد تک اضافہ کر سکتے ہیں؟

○ یہ مسائل ہو بہو ان دوسرے علمی مسائل کی مانند ہیں جن کا بچوں پر واضح ہونا ضروری ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ نہ ہی ضرورت تقاضا کرتی ہے اور نہ ہی ماحول ایسا سازگار ہوتا ہے کہ ان امور کو بچوں کے سامنے بالتفصیل بیان کیا جا سکے۔ ایسے مواقع پر اگر ولادت کے مسئلے کی وضاحت مقصود ہو تو اسے زمین سے پودے کے پھوٹنے یا انڈے سے چوزے کے نکلنے جیسے مسائل سے تشبیہ دینے پر اکتفا کیا جا سکتا ہے۔

ہم گزشتہ سوالات کے جوابات میں اشارہ کر چکے ہیں کہ معاشرہ اس تعلیم کا انکار کرتا ہے اور اس کی ضرورت سے روگرداں ہے۔ درحالیکہ معاشرتی تغیرات اور میڈیا کے وسیع اثرات کے پیش نظر اس تعلیم کی ضرورت صاف محسوس کی جا سکتی ہے۔ لہٰذا ضروری نظر آتا ہے کہ اس بارے میں بھی افراد معاشرہ کی علمی سطح کو بلند کیا جائے۔ اور ان معلومات کے حصول کو بھی پورے معاشرے کی ضرورت سمجھا جائے۔ اس مقصد کے لئے جنسی تعلیم دینے کے حکیمانہ طریقہ ہائے کار سے والدین کو روشناس کرایا جائے۔ تاکہ وہ ان کی مدد سے اپنے بچوں کے سوالات کے جواب دے سکیں۔

☆ جنسی تعلیم کو اسکولوں کے درسی مواد میں شامل کرنے کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

○ ہم اس کے حق میں ہیں۔ البتہ طبیعی بات ہے کہ ہر درسی مواد کی خصوصیات پر اس پہلو سے تحقیق کی بہر طور ضرورت ہے کہ وہ ممکنہ طور پر طالب علم یا معاشرے کی عمومی فضا پر کیا مثبت یا منفی اثرات مرتب کرسکتا ہے۔

جنسی فلمیں

☆ جنسی فلمیں اور ہیجان انگیز تصاویر دیکھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

○ وہ شرعی اور اخلاقی اصول جو دوسروں کی شرمگاہ کو دیکھنا ممنوع قرار دیتا ہے' اگر بالفرض فلموں اور تصاویر میں ان مقامات پر نگاہ پڑنے کا امکان ہو تو انہیں بھی اس ممانعت میں شامل کرلیتا ہے۔ کیونکہ نظارے کی ان دونوں صورتوں سے ایک ہی جیسے منفی اثرات برآمد ہوتے ہیں۔ البتہ ہم اس بات کو فتوے کی بنیاد نہیں سمجھتے لیکن یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ ایک جیسے اثرات اس حکم کے صدور کے لئے موافق فضا ہموار کرتے ہیں البتہ اس کے باوجود ہمارے خیال میں اس بارے میں چند استثنا موجود ہیں۔ کیونکہ بعض ایسے انسان جو جنسی کمزوری کی حالت میں ہوں (جو مردوں میں بھی پیدا ہوسکتی ہے اور عورتوں میں بھی) ان کے لئے جنسی فلمیں دیکھنا ان کی عائلی زندگی کو تباہی سے بچانے کا موجب ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسے مواقع پر علاج کی غرض سے دوا کے طور پر وہ جنسی مناظر دیکھ سکتے ہیں۔۱ لیکن اسکے علاوہ کسی اور صورت میں ایسی فلموں اور تصاویر کا مشاہدہ آوارگی اور اخلاقی فساد کا سبب بنتا ہے۔ اور ناظرین کے ذہن پر گہرے منفی اثرات چھوڑتا ہے۔ اور اسی بنا پر ان صورتوں میں اسکے حرام ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔

دو مختلف نسلیں

☆ امیرالمومنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ نے والدین کو ہدایت کی ہے کہ اپنے بچوں کی اس طریقے سے ہٹ کر تربیت کریں جس طریقے پر خود ان (والدین) کی تربیت ہوئی

۱۔ البتہ شرط یہ ہے کہ کوئی مستند ماہر جنسیات یہ علاج تجویز کرے۔

تھی۔ کیونکہ یہ بچے ایک دوسرے زمانے میں پیدا ہوئے ہیں جو والدین کے زمانے سے مختلف ہے۔ اس پس منظر میں دو سوال سامنے آتے ہیں۔ ایک یہ کہ تربیت کے سلسلے میں یہ رہنمائی کس قدر اہمیت کی حامل ہے جس میں زمانے کے فرق کو ایک اہم اصول کے طور پر پیش نظر رکھا گیا ہے؟ دوسرے یہ کہ نسل نو کی تربیت کے سلسلے میں ماضی کے تجربات کا کیا مقام ہو گا؟

○ اس کلام کو نہج البلاغہ میں یوں نقل کیا گیا ہے : لا تخلقوا اولادکم باخلاقکم فانهم خلقوا لزمان غیر زمانکم (اپنے بچوں کی تربیت اپنے اخلاق و آداب کے مطابق نہ کرو کیونکہ وہ ایک دوسرے زمانے کے لئے پیدا کیے گئے ہیں۔۔۱) اس کلام کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اخلاق کے بنیادی اصولوں اور ان اخلاق وعادات کے درمیان فرق رکھیں جو انسان کے روز مرہ رویے اور طرز عمل سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اس بارے میں مزید غور و فکر کے ذریعے پتا چلتا ہے کہ اخلاق کی دو قسمیں ہیں' ایک ثابت اور مستقل اخلاق اور دوسری غیر ثابت اور غیر مستقل اخلاق۔

ثابت اخلاق زندگی کی اصل اور بنیادی اقدار ہیں جن کی فکری اور عملی حدود کو ملحوظ رکھنا تمام زمان ومکان' ہر دور اور ہر سرزمین میں لازم ہے۔ راست گوئی امانتداری' پاکدامنی اور اخلاق کے ایسے ہی بڑے بڑے عناوین اس میں شامل ہیں۔ یہ بنیادی اقدار در حقیقت زندگی کے طبیعی راستے پر انسان کی پائداری واستقامت کے عکاس اور کائنات کے تکامل سے ہم آہنگ اسکے تکامل کی علامت ہیں۔

لیکن غیر ثابت اور متغیر اخلاق وہ اسلوب اور عملی وسائل ہیں جو اجتماعی روابط کے طریقوں اور بدلتے زمانوں میں لوگوں کے طرز حیات کی نشاندہی کرتے ہیں۔ مثلاً لوگوں کی

۱۔ شرح نہج البلاغہ از ابن ابی الحدید ج ۲۰ میں' اس حدیث سے ملتی جلتی یہ حدیث نقل ہوئی ہے : لا تقسروا اولادکم علی آدابکم' وانهم مخلوقون لزمان غیر زمانہ (یعنی مجبور نہ کرو اپنی اولاد کو اپنے آداب پر کیونکہ وہ ایک ایسے زمانے کے لئے خلق ہوئی ہیں جو تمہارے زمانے سے مختلف ہے۔)

عزت اور احترام کے اظہار کا طریقہ' لوگوں سے گفتگو کا انداز یا اجتماعی اور سیاسی روابط کی تنظیم کے طور طریقے ہر زمانے میں مختلف اور متغیر رہے ہیں۔ مثال کے طور پر لباس کو لیجئے ہیں۔ اسمیں کوئی فضیلت والی بات نہیں کہ ہم آج کے دور میں اسی طرح کا لباس پہنیں جو رسول اللہؐ' ائمہ ہدیٰؑ یا اصحاب رسولؐ زیب تن کیا کرتے تھے۔ ہر زمانے کا اپنا مخصوص لباس ہوتا ہے اور ہم بلا کسی رکاوٹ کے لوگوں کے نئے نئے انداز کے لباس' کھانے پینے کے جدید طریقوں اور اسی طرح کی دوسری چیزوں کی پیروی کرسکتے ہیں۔ امام جعفر صادقؑ سے بھی نقل ہوا ہے' آپؑ نے فرمایا ہے: خیر لباس الزمان لباس اھلہ (ہر زمانے کا بہترین لباس وہی ہے جو اس زمانے کے لوگ پہنتے ہیں) یعنی بہتر یہ ہے کہ انسان اپنے زمانے کے لوگوں کی سی پوشاک استعمال کرے۔

ہر زمانے کا ایک خاص اخلاق ہوتا ہے

لہٰذا یہ بات واضح ہوئی کہ مذکورہ حدیث میں امام علیؑ نے جس "اخلاق" کا ذکر کیا ہے اس سے آپؑ کی مراد غیر ثابت' غیر مستقل اور متغیر اخلاق ہے۔ جس کے مظاہر کا مشاہدہ ہم زندگی کے مختلف وسائل وذرائع' اور ہر دور کے نت نئے طور طریقوں اور نئے ظاہر ہونے والے پہلوؤں میں کرسکتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ماضی میں انسان کی زندگی میں اتنی وسعت اور پھیلاؤ نہ تھا اور لوگوں کے لئے صرف اتنی ہی بات اہم ہوا کرتی تھی کہ کچھ محدود علم حاصل کر کے چھوٹے چھوٹے مقاصد حاصل کرلیں۔ لیکن آج کا دور بہت وسعت اختیار کرچکا ہے' اور علم ودانش کا دائرہ بھی انتہائی وسیع ہوگیا ہے۔ نیز علم کی کارکردگی اور اس سے استفادے کا طریقہ مختلف ہوچکا ہے۔ لہٰذا ممکن ہے امامؑ کی مراد یہ ہو کہ تم پر لازم ہے کہ ایسے غیر ثابت اور متحرک اخلاق کے بارے میں علم حاصل کرو جو ہر دور میں گزشتہ اور آنے والے زمانے سے مختلف ہوتا ہے۔ تاکہ اس مستقبل کا استقبال کرسکو جس میں تمہارے بچوں نے زندگی بسر کرنی ہے اور اس آگہی کے نتیجے میں انہیں ان کے زمانے کے اخلاق کے مطابق تیار کرسکو تاکہ وہ اپنے زمانے سے اجنبی اور

نا آشنا نہ رہ جائیں۔

اس مقام پر یہ وضاحت ضروری ہے کہ یہاں امامؑ کی مراد ہرگز یہ نہیں ہے کہ انسانوں کے بنائے ہوئے ایسے جدید وسائل سے استفادہ کیا جائے جن میں حدودِ الٰہی کا خیال نہ رکھا گیا ہو۔ مثلاً ہمیں آج بہت سے ایسے لباس نظر آتے ہیں جو عفت وپاکدامنی سے موافق نہیں۔ اور کیونکہ یہ غیر ثابت اور غیر مستقل مظہر، ثابت اور مستقل اصل (پاکدامنی) کے منافی ہے۔ اسلئے ایسے لباس قابل قبول نہیں۔ لہٰذا بعض معاشروں میں پہنے جانے والے خواتین کے غیر اسلامی وضع قطع کے لباسوں کی تائید نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ ہرچند کہ لباس ہردم بدلنے والے اور غیر مستقل امور میں سے ہے لیکن اس وضع قطع کے لباس ثابت اور مستقل اصول سے متصادم ہیں۔

امام علیؑ نے اس کلام کے ذریعے متغیر، متحرک اور غیر مستقل اخلاق پر زور دیا ہے، جو زندگی کے تنوع اور اس میں آنے والی تبدیلیوں کا تقاضا ہے۔ البتہ شرط یہ ہے کہ یہ ثابت، ناقابل تغیراور مستقل اخلاق سے متصادم نہ ہو۔

جوان کی زندگی میں مطلوب توازن

☆ جوانی کے مرحلے میں انسان یا تو لہوولعب اور تفریح کی جانب مائل ہوتا ہے۔ یا پھر یکسر روحانی اور عبادی ماحول میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔ آپ کی نظر میں توازن اور اعتدال کے حصول کا طریقہ کیا ہے؟

○ انسان زندگی کے ہر مرحلے میں توازن اور اعتدال کے حصول کے لئے ایک اندرونی طلب اور ارادے کا محتاج ہے، جس کی اساس پر وہ اپنی مادی اور جسمانی خواہشات اور فکری اہداف کے درمیان توافق اور ہم آہنگی ایجاد کرسکے۔ لیکن انسان (عام طور پر) ان دو میں سے کسی ایک جانب جھک جاتا ہے۔ یا تو ایسا مومن ہوجاتا ہے جس پر حالتِ ایمان غالب آکر اسے معنویات میں ڈبو دیتی ہے۔ یا پھر مادی خواہشات کے طوفان کا شکار ہوجاتا ہے اور لہوولعب اور فضولیات کے گڑھے میں جا پڑتا ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ آگاہ و بیدار دل افراد اور تربیتی امور کے ذمہ دار اشخاص' نوجوانوں کی رہنمائی کے لئے اپنی سرگرمیوں کے دوران مادی اور معنوی پہلو میں ہم آہنگی کی ضرورت کو خاص اہمیت دیں۔ لہٰذا اگر انسان کے روحانی پہلو کی پرورش کرنا چاہیں تو لازماً اس جانب متوجہ رہیں کہ انسان کے وجود میں معنویت کا عنصر مادیت کے عنصر سے جدا نہیں۔ اور "مادہ" بھی ایک طرح کی روح کا حامل ہے۔ اور اسی طرح خود "روح" بھی مادی شکلوں کے سوا کسی اور طریقے سے ظاہر نہیں ہو سکتی۔ یہ حقیقت اس بات کی علامت ہے کہ مادہ اور روح کے درمیان ہم آہنگی کا حصول ایک ایسا مسئلہ ہے جس کا تقاضا انسان کے وجود میں پائی جانے والی مادی اور معنوی طبیعت کرتی ہے۔

حیات' مادہ اور روح کا مرکب

ایسے لوگ جو مادیات میں غرق ہو جاتے ہیں وہ بھی ایک خاص روحانی حالت ایجاد کئے بغیر اپنے جسم کی مادی تسکین سے عاجز رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انسان جب غذا تناول کرنا چاہتا ہے تو اسکے لئے ایسی فضا کے انتخاب کی کوشش کرتا ہے جو اسکی روح و رواں کے لئے خوشگوار ہو۔ اور اس مقصد کے لئے سرسبز باغات' پانی کے چشموں اور وادیوں کا رخ کرتا ہے۔ کچھ لوگوں کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ مترنم ماحول اور خوبصورت فضا میں غذا تناول کریں۔ انسان کا اپنی مادی ضروریات کی تکمیل کے موقع پر ایسی فضا کا انتخاب کرنا ایک روحانی حالت ہے۔

اس گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ مادی ضروریات کی تکمیل انسان کی اس حاجت کی تسکین نہیں کرتی۔ بلکہ اس پر مادہ کے علاوہ کچھ اور عناصر کا لازماً اضافہ کیا جانا چاہیے۔ جسے ہم معنوی اور روحانی پہلو کہتے ہیں۔

اس بنیاد پر انسان' حتیٰ اپنے مادی امور میں بھی روحانیت اور معنویت سے آزاد اور بے نیاز نہیں ہو سکتا' جس طرح کہ روحانی مسائل کے میدان میں بھی لازماً مادی وسائل کا محتاج ہے۔ مثال کے طور پر جب وہ تقرب الٰہی کی نیت سے نماز پڑھنا چاہتا ہے تو اس

عمل کو عقل 'زبان' ہاتھ' پاؤں اور دوسرے تمام اعضائے بدن کے ذریعے انجام دیتا ہے کیونکہ اس روحانی حالت (نماز) کا ظہور مادی ہیت اور شکل وصورت کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ پس جو کوئی معنوی اور روحانی پہلو کی جانب توجہ چاہتا ہے' اسے مادی پہلو کی جانب بھی متوجہ ہونا چاہئے اور اسکے برعکس جو مادہ کی جانب رجحان پیدا کرنا چاہتا ہے اسے قطعی طور پر معنوی پہلو کی جانب بھی میلان پیدا کرنا پڑے گا۔

توازن کی سمت رہنمائی

زندگی اپنے اندر روحانی طاقت چھپائے ہوئے ہے' جس طرح کہ روح میں بھی مادی توانائی پنہاں ہے۔یہ امر ان لوگوں کے لئے رہنمائی کے عمل کو ممکن بنا دیتا ہے جو توازن اور اعتدال کی سمت انسانوں کی ہدایت کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اس طرح کہ مربی اور رہنما' ہدایت و رہبری کے ذریعہ انسانی حیات کے مختلف برتر اور فروتر عناصر کے درمیان توازن ایجاد کردیتا ہے۔

وہ امور جو خداوندعالم اور جہانِ آخرت سے انسان کا رشتہ قائم کرتے ہیں برتر عناصر کہلاتے ہیں اور وہ امور جو دنیوی حیات اور مادی زندگی سے انسان کو جوڑتے ہیں انھیں فروتر عناصر کا نام دیا گیا ہے۔ قرآن کریم کی درج ذیل آیات انھی نکات کی ترجمان ہیں :

"ربناء اتنا فی الدنیا حسنة وفی الاخرة حسنة"

"پروردگار ہمیں دنیا میں بھی نیکی عطا فرما اور آخرت میں بھی۔"

(سورہ بقرہ ۲۔ آیت ۲۰۱)

"وابتغ فیما اتاک الله الدار الاخرة ولا تنس نصیبک من الدنیا۔"

"اور جو کچھ خدا نے دیا ہے اس سے آخرت کے گھر کا انتظام کرو اور دنیا میں اپنا حصہ بھول نہ جاؤ۔" (سورہ قصص ۲۸۔ آیت ۷۷)

اسی طرح ایک حدیث میں بھی آیا ہے کہ :

"لیس منامن ترک دنیاہ لاخرتہ' ولیس منامن ترک آخرتہ للنیاہ"

"وہ شخص ہم میں سے نہیں جو آخرت کے لئے دنیا ترک کردے اور دنیا کی طلب میں آخرت کو چھوڑ بیٹھے۔"

اس مسئلے کو ہم ایک طرف فکری آگہی اور دوسری طرف وعظ و نصیحت کے پہلوؤں سے آگے لے کے چل سکتے ہیں۔ تاکہ انسان کی تربیت اس انداز سے کی جائے کہ اسکی شخصیت کے مادی اور معنوی پہلو میں توازن پیدا ہو جائے۔ تاکہ اس طرح وہ اپنی مادی خواہشات کی تسکین کے لئے حلال اور جائز حدود میں کوشش کرے اور اپنے معنوی اور روحانی سفر کے دوران حقیقت اور واقعیت کے دائرے کو پیش نظر رکھے۔

لڑکیوں کی تربیت کی خصوصیات

☆ اکثر والدین لڑکیوں کی تربیت کے دوران دشواری محسوس کرتے ہیں --- جناب عالی کے نکتہ نظر سے 'لڑکیوں کی تربیت کے دوران کن خصوصیات کو ملحوظ رکھنا چاہئے؟

○ اس سلسلے میں سب سے پہلے تو یہ بات ذہن نشین رہے کہ لڑکی بھی لڑکے ہی کی مانند انسان ہے۔ لہذا اسکے انسانی پہلو کی تربیت اس انداز سے کی جائے کہ اسکی شخصیت مجروح نہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ ایک بدنام انسان کی مانند ہمیشہ خود کو مشکوک نگاہوں کے زغہ میں محسوس کرے' اور اپنے اوقات کے ایک ایک لمحہ اور اپنے ہر ہر کردار و عمل کی جوابدہ سمجھے۔

لڑکی کی تربیت کے دوران عام طور پر اس بات کو بنیادی حیثیت حاصل ہوتی ہے کہ خاندان کی عزت یا ذلت لڑکی کے کردار سے وابستہ ہے۔ اور اسکے بارے میں جنسِ مخالف سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ لہذا اسے ایک تنگ چار دیواری میں قید ہونا چاہئے' ایک ایسے مقفل صندوق میں بند ہونا چاہئے جس کی چابی صرف اسکے باپ یا بھائی

کے پاس ہو۔ جبکہ ننگ و عار' ذلت و خواری کے بارے میں اسلام کا نکتہ نظر یہ ہے کہ وہ اسے انفرادی مسئلہ سمجھتا ہے۔ لہٰذا اگر لڑکی کسی خلاف عفت عمل کی مرتکب ہو جائے تو اسکی ذلت بھی صرف وہی اٹھائے گی' یہ ذلت اسکے گھرانے میں سرایت نہیں کرے گی۔

اسی طرح اگر کوئی لڑکا کسی معیوب عمل کا ارتکاب کرے تو ذلت و بدنامی صرف اسی کی ہوگی' اسکا گھرانہ اس ذلت میں حصے دار نہ ہوگا۔

ہمارا فریضہ یہ ہے کہ اپنی بچیوں کی تربیت اس انداز سے کریں کہ وہ خود کو ایک ایسا صاحب اختیار انسان سمجھیں جس کی زندگی کی راہ و روش کا تعین اللہ رب العزت نے کیا ہے۔ اور انہیں روحانی' جسمانی' عقلی اور طرز عمل کے پہلو سے اس متعین کردہ راستے کی پابندی کرنی ہے۔ لڑکوں کے بارے میں بھی تربیت کے اسی اسلوب پر عمل کرنا چاہئے۔

احساسِ مظلومیت

لڑکے اور لڑکی کے درمیان امتیاز برتنے کے نتیجے میں لڑکی کے اندر ایک نفسیاتی الجھاؤ (Complex) کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس الجھاؤ کا مشاہدہ لڑکیوں میں پائے جانے والے احساس مظلومیت میں کیا جا سکتا ہے۔ خاص کر ان مواقع پر جب وہ اپنے آپ کو گھرانے کی عزت و آبرو کی حفاظت کا ذمے دار سمجھتی ہیں اور لڑکوں کو اس سے بری الذمہ۔ نیز جب وہ دیکھتی ہیں کہ ان کے گھر سے باہر نکلنے' ان کے روابط و تعلقات' غرض ان کی ایک ایک حرکت کو مشکوک نگاہ سے دیکھا جا رہا ہے' جبکہ لڑکوں پر ایسی کوئی نظر نہیں۔

ظاہر ہے کہ تربیت کا یہ انداز سراسر غلط ہے۔ کیونکہ اسلام میں لڑکے اور لڑکی دونوں کی پاکدامنی کو اہمیت دی گئی ہے۔ اسی طرح عزت و شرف بھی لڑکے اور لڑکی دونوں کے لئے ایک انفرادی مسئلہ ہے۔ البتہ بسا اوقات مرد کے مقابلے پر عورت کا کمزور ہونا' ہمیں اس امر پر ابھارتا ہے کہ لڑکیوں میں قوت ارادی کو تقویت پہنچائی جائے۔ تاکہ وہ اس کی مدد سے دوسروں کی طمع و لالچ کے خلاف ڈٹ سکیں' اور اپنی مضبوط

شخصیت، پختہ اخلاق اور ہوشیاری کے ذریعے فریبی اور انحرافی عناصر کو خود سے دور کر سکیں۔

کامیاب بیوی اور شائستہ ماں

ہمیں لڑکی کی تربیت اس انداز سے کرنی چاہئے کہ وہ ایک کامیاب بیوی اور ایک شائستہ ماں ثابت ہو۔ اسی طرح لڑکے کی تربیت کرتے ہوئے یہ مقصد پیش نظر ہونا چاہئے کہ ہم ایک کامیاب شوہر اور صالح باپ تیار کرنا چاہتے ہیں۔ یہاں اس بات کا ذکر مناسب ہو گا کہ خداوند متعال نے عملِ صالح کی انجام دہی اور عملِ غیر صالح کے ارتکاب کے سلسلے میں مرد و زن کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھا ہے۔ لہٰذا زناکار مرد اور زناکار عورت اور چوری کے مرتکب مرد اور چوری کی مرتکب عورت کی سزا یکساں قرار دی ہے۔ اور اسی طرح سورہ احزاب میں اسلام، ایمان اور صدق وغیرہ میں انہیں مساوی حیثیت دی ہے۔ (سورہ احزاب ۳۳۔ آیت ۳۵)

مذکورہ اشارات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ خداوند عالم نے اخلاقی امور میں عورتوں کو مردوں سے زیادہ مکلف قرار نہیں دیا ہے۔ اور انہیں مردوں سے زیادہ تنبیہ نہیں کی ہے۔ لہٰذا اگر ہم صحیح خطوط پر تربیت کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں شرعی پیمانوں اور اسلامی مفاہیم پر درست طریقے سے عمل کرنا چاہئے جن میں مرد و زن کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھا گیا۔

درشتی، مردانگی نہیں ہے

☆ نوجوانی کے دور میں لڑکوں کا متشدد ہونا ان کی مردانگی، اپنی ذات کے اثبات اور طاقت کے اظہار سے مربوط ہوتا ہے۔ عنفوانِ شباب کی اس حالت کو کیسے کنٹرول کیا جائے؟

○ انحراف کی کوئی بھی حالت ہو، اسکے خاتمے کے لئے پہلے مرحلے پر ضروری ہے کہ اسکے بارے میں انسان کے اس تصور اور خیال کو بدلا جائے جو انحراف کی وجہ بنتا ہے۔

پھر اسکے بعد کوشش کی جائے کہ اس میں اس کی نعم البدل ایک ایسی دوسری حالت پیدا کر دی جائے' جو منفی اثرات ونتائج کی حامل نہ ہو۔

جب ہم کسی شخص کی تشدد پسندی کی بابت غور و فکر کرتے ہیں' جو اسے اپنی مردانگی اور طاقت کے اظہار پر اکساتی ہے تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اس قسم کا طرز فکر اسے ظلم و زیادتی اور جارحیت پر ابھارتا ہے اور بسا اوقات ہو سکتا ہے کہ اسے دوسروں کے سامنے اپنے زور بازو کا مظاہرہ کرنے کی تحریک دے اور کبھی نوبت یہاں تک جا پہنچے کہ وہ اپنے سے کمزور افراد پر چڑھائی کر دے۔ اس کیفیت کا مشاہدہ ہم بعض ایسے جرائم میں کرتے ہیں جن کا ارتکاب کسی فائدے یا لذت کے حصول کے لئے کیا جاتا ہے اور اسی طرح ایسے اعمال کے موقع پر بھی جن کے مرتکب بعض نوجوان ہوتے ہیں۔

اس سلسلے میں جو کام کیا جا سکتا ہے' وہ یہ ہے کہ جوان کو باور کرایا جائے کہ مردانگی کو تشدد' تجاوز اور مجرمانہ کاموں سے کوئی نسبت نہیں۔ بلکہ دراصل مردانگی' اپنی باطنی صلاحیتوں اور توانائیوں کو عروج تک پہنچانے کا نام ہے' جو اسکی قوت اور توانائی کا محور بن سکتی ہیں اور جو مردانگی کے مفہوم کو انسانی اقدار کی سرحدوں تک وسعت دیتی ہیں اور اسکے انسانی پہلو کو قوی تر اور مضبوط تر کرتی ہیں۔

اہم بات یہ نہیں ہے کہ انسان ظاہری طور پر طاقتور ہے یا نہیں۔ یعنی اسکی طاقت یا کمزوری کا مشاہدہ مختلف ظاہری شکلوں میں کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ بلکہ اہم بات یہ ہے کہ جوان کی معنوی' سیاسی اور اجتماعی توانائیاں (جو گوناگوں پہلوؤں سے مرد کی شخصیت کو قوت بخشتی ہیں اور مختلف میدانوں میں اسکی حیثیت کو تقویت پہنچاتی ہیں) بھی اسکے جسمانی تکامل کے دوش بدوش نشو ونما پائیں۔

لہٰذا جوانوں کے بارے میں ایک ایسے تربیتی اسلوب کو اپنانا چاہئے' جس کے نتیجے میں وہ خود کو طاقت ور محسوس کریں۔ یہ اسلوب ان خلاؤں کو پر کر سکتا ہے جو اپنے پر کرنے والے کی متلاشی ہیں اور مخالف سمت ان کے انحراف کی راہ روکتا ہے۔

علاوہ ازیں دینی ہدایات اور رہنمایاں' جوان میں پائے جانے والے جھگڑالوپن اور

اسکی شرارتی حالت کو کنٹرول کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ ان ہدایات کے ضمن میں مسلمان جوان کو اس حقیقت کی تعلیم دی جاتی ہے کہ کمزور لوگوں کے خلاف جسمانی طاقت کا استعمال دراصل شیطان کے مقابل اسکے ارادے کی کمزوری کی ایک علامت ہے اور یہ عمل روزِ قیامت اسکے ضعف وزبونی اور عذاب الٰہی کے حقدار ہونے کا موجب ہوگا۔ یہ مفہوم ہمیں ان قرآنی آیات میں ملتا ہے جو صبر کو معاملات وامور میں عزم وہمت کا عکاس قرار دیتی ہیں : واصبر علی ما اصابک ان ذلک من عزم الامور (اور اس راہ میں جو مصیبت پڑے اس پر صبر کرو کہ یہ بہت بڑی ہمت کا کام ہے۔ سورہ لقمان ۳۱ ۔ آیت ۱۷)۔ اسی طرح رسول گرامیؐ کا ایک قول ہے : لیس الشدید بالصرعة انما الشدید الذی یملک نفسه عند الغضب (کسی کو پچھاڑ کر فتح مند ہونے والا طاقتور نہیں بلکہ طاقتور وہ ہے جو قہر وغضب کے موقع پر اپنے نفس کو قابو میں رکھے)۔

مغربی ممالک میں پناہ گزیں ہونا

☆ شرعی نکتہ نظر سے اسلام کن حالات میں غیر اسلامی ممالک بالخصوص مغربی ممالک میں پناہ گزینی کی اجازت دیتا ہے؟

○ بنیادی طور پر تو اسلام، انسان کو دنیا کے کسی بھی ملک کے سفر سے نہیں روکتا۔ بلکہ بعض حالات میں اس کے اپنے شہر سے کوچ کرجانے کو واجب قرار دیتا ہے۔ مثلاً جب کسی سرزمین پر اسکا رہنا اسکے ظالم حکومت کے سامنے گھٹنے ٹیک دینے کا موجب ہوجائے، اور یہ امر اسے فکری یا عملی انحراف کی سمت لے جائے، اسے اس ستمگر کا ترجمان بنا ڈالے یا وہ اس ظالم کے ہاتھ میں ایک ایسا ہتھیار بن جائے جس کے ذریعے وہ لوگوں پر اپنے تسلط واقتدار کو تقویت دے اور ان پر ظلم وستم میں اضافہ کرے۔ اس صورتحال میں اسکا اس شہر میں رہنا جائز نہیں۔ خداوند عالم کا درج ذیل قول اسی جانب اشارہ کرتا ہے :

"ان الذین توفاھم الملائکة ظالمی انفسھم 'قالوا فیم کنتم؟ قالوا کنا مستضعفین فی الارض قالوا الم تکن ارض اللہ واسعة فتھاجروا فیھا' فاولئک ماواھم جھنم وساء ت مصیرا ○ الا المستضعفین من الرجال والنساء والولدان لا یستطیعون حیلة ولا یھتدون سبیلا ○ فاولئک عسی اللہ ان یعفو عنھم 'وکان اللہ عفوا غفورا۔"

"جن لوگوں کو فرشتوں نے اس حال میں اٹھایا کہ وہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والے تھے۔ ان سے پوچھا کہ تم کس حال میں تھے؟ انھوں نے کہا: ہم زمین میں کمزور بنا دیے گئے تھے۔ فرشتوں نے کہا کہ کیا خدا کی زمین وسیع نہیں تھی کہ تم ہجرت کر جاتے؟ ان لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بد ترین منزل ہے' علاوہ ان کمزور مردوں' عورتوں اور بچوں کے جن کے اختیار میں کوئی تدبیر نہ تھی اور وہ کوئی راستہ نہ نکال سکتے تھے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو عنقریب خدا معاف کردے گا کہ وہ بڑا معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔" (سورہ نساء ۴۔ آیت ۹۷ تا ۹۹)

محولہ بالا آیات کریمہ سے پتا چلتا ہے کہ بلاد کفر میں بسے رہنا جو انسانی فکر اور روح پر برے اثرات کا موجب ہوتا ہے' حرام ہے۔ البتہ اس حرمت سے ایسے لوگ مستثنیٰ ہیں جن کے پاس کوئی چارۂ کار اور دوسرا راستہ نہ ہو۔ مثلاً وہ لوگ جو اپنے ملک سے کسی دوسرے ملک منتقل نہ ہو سکتے ہوں۔

اس مفہوم کو پیش نظر رکھا جائے تو صورت یہ ہے کہ اسلام ہجرت کو ناجائز قرار نہیں دیتا ہے بلکہ بسا اوقات تو اسے مکمل طور پر جائز سمجھتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا قول ہے: ومن یھاجر فی سبیل اللہ یجد فی الارض مراغما کثیرا وسعة (اور جو بھی راہ خدا میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں بہت سے ٹھکانے اور وسعت

پائے گا۔ سورہ نساء ۴۔ آیت ۱۰۰)

خداوند عالم اپنی راہ میں ہجرت کرنے والوں اور ان لوگوں کو بڑا اجر و ثواب عطا فرمائے گا جو اپنے دین کی حفاظت کے لئے دوسری کسی مناسب سرزمین کی جانب کوچ کرتے ہیں' اور اگر اس دوران ان کی موت واقع ہو جائے تو عظیم الشان ثواب ان کا مقدر ہو گا :

"ومن یخرج من بیتہ مھاجر الی اللہ و رسولہ ثم یدرکہ الموت فقد وقع اجرہ علی اللہ"

"اور جو اپنے گھر سے خدا اور رسول کی طرف ہجرت کے ارادے سے نکلے گا' اسکے بعد اسے موت بھی آجائے گی تو اسکا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔"

(سورہ نساء ۴۔ آیت ۱۰۰)

اسکے معنی یہ ہیں کہ اگر انسان ایسے دشوار حالات سے دوچار ہو جائے کہ اسکے سامنے صرف دو راستے ہوں۔ ایک یہ کہ اپنے وطن میں رہے اور گمراہی کا راستہ اختیار کرے اور دوسرا یہ کہ اپنی دینداری کی حفاظت کے لئے اپنے وطن سے کوچ کر جائے' تو ایسے حالات میں فطری بات ہے کہ اسے دوسرا راستہ اپنانا چاہئے۔ البتہ یہ بات دھیان میں رکھنی چاہئے کہ کوچ کر کے کسی ایسی جگہ نہ جائے جہاں خود اسکے وطن ہی کی مانند گمراہی' انحراف اور اسکے دین کی تباہی کے اسباب موجود ہوں۔

حرام ہجرت

اسلام ایسی ہجرت کو نا روا اور حرام قرار دیتا ہے جو خود فرد یا اسکے اہل خانہ کے دین کی کمزوری کا سبب ہو۔ اسلام پسند نہیں کرتا کہ مرد مسلمان کسی ایسے غیر مسلم ملک میں جا کر بسے جہاں اسلامی تربیت کے ضروری مواقع میسر نہ ہوں' بلکہ اس کے برعکس غیر اسلامی تربیت کے لئے حالات سازگار ہوں۔ ایسے ماحول میں ہجرت "تعرب بعد الھجرت" کا عنوان پیدا کر لیتی ہے' جو اسلام کی نظر میں مذموم اور ناجائز عمل ہے۔

کیونکہ اسلام یہ نہیں چاہتا کہ مسلمان ایک ایسے ماحول کو ترک کرکے جو ان کے تمدن اور دین کے لئے قوت بخش ہو ایک ایسے مقام پر چلے جائیں جو ان پہلوؤں میں ان کی کمزوری اور ضعف کا موجب بنے۔

لہٰذا اگر ہجرت کے نتیجے میں مرد مسلمان ظالموں کے جال میں جا پھنسے' اجنبی اقوام کی جاسوسی' یا اطلاعاتی تنظیموں کا آلہ کار بن جائے (جو دیار غیر میں اسکی کمزور پوزیشن سے فائدہ اٹھانے کے لئے ہر وقت تاک میں رہتی ہیں اور اسے جذب کرلینا چاہتی ہیں اور اسے اپنے دینی بھائیوں کی جاسوسی کے کام پر لگاتی ہیں اور اس کے ذریعے اسلامی معاشروں میں اپنے استکباری اہداف کی تکمیل چاہتی ہیں) تو ایسی ہجرت قطعاً حرام ہے۔

پناہ گزینی کے مسئلے کا جائزہ

اس بنیاد پر آج جس چیز کو "سیاسی پناہ" کا نام دیا جاتا ہے اور ہمارے بہت سے مسلمان بھائی اپنے اوطان میں قائم طاغوتی حکومتوں کے ظلم و ستم سے بچنے کی خاطر اسے اختیار کرتے ہیں' اسکے بارے میں چند پہلوؤں سے تجزیہ و تحلیل کی ضرورت ہے۔

۱: سیاسی پناہ کی ابتدا یا اسکے بعض مراحل میں پناہ گزینی کے خواہشمند شخص کو ایسے اعمال انجام دینے پڑتے ہیں جو اسکی ذلت وخواری یا اسکے حرام کاموں میں مرتکب ہونے کا موجب ہوتے ہیں۔ مثلاً وہ حرام غذا کھانے' حرام مشروب پینے' اور حرام تعلقات پر مجبور ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں پناہ گزینی یکسر حرام ہے۔ کیونکہ مومن انسان کا خود کو ذلیل ورسوا کرنا حرام ہے۔ اسی طرح یہ بھی حرام ہے کہ وہ کسی ایسی جگہ کا رخ کرے جس کے متعلق وہ پہلے ہی سے جانتا ہے کہ وہاں وہ حرام کے ارتکاب پر مجبور ہوگا۔ مگر یہ کہ جہاں وہ رہ رہا ہے وہاں کے حالات اسقدر سخت اور ناگوار ہوجائیں کہ اسکے پاس فرار کے سوا کوئی چارہ نہ رہے اور وہاں ٹھہرنے کی خرابی پناہ حاصل کرنے والی سرزمین میں مذکورہ بالا حالات میں گرفتار ہوجانے کی خرابی سے زیادہ شدید ہو۔

☆ کیا ان دشوار حالات کی تشخیص خود ہر انسان پر چھوڑ دی گئی ہے؟

○ اگر انسان اس بارے میں علم و آگہی رکھتا ہو' تو اپنی اس واقفیت کے ذریعے وہ حالات کی تشخیص کر سکتا ہے۔ کیونکہ یہ مسئلہ کہ وہ ان دو حالات میں سے کس ایک حالت کو اپنی صورتحال سے منطبق سمجھتا ہے اسکے ذاتی شرعی فریضے سے متعلق ہے۔ لیکن اگر اس بارے میں کافی علم و آگہی کا حامل نہ ہو تو اسے ایسے عالم اور بابصیرت افراد سے رجوع کرنا چاہئے جو خوبی و خرابی کی مقدار اور ان کے حجم سے آگاہ ہوں۔

۲ : اس موضوع (پناہ گزینی) سے متعلق ملحوظ رکھنے والی ایک اور بات یہ ہے کہ اگر پناہ گزینی کے نتیجے میں انسان ایک مادر پدر آزاد معاشرے میں (جہاں اخلاقی اباحیت کا دور دورہ ہو) جا بسے' جہاں اس کے لئے مکمل آزادی کے ساتھ عبادت الٰہی انجام دینا ممکن نہ ہو۔ یا جہاں کوئی ایسی پناہ گاہ میسر نہ ہو جو اسے اس پر فریب ماحول میں غرق ہونے سے محفوظ رکھ سکے جو کسی اخلاقی قید وبند کا قائل نہیں (جہاں زنا اور لواط جائز عمل سمجھے جاتے ہوں اور جہاں دوسرے کسی فحشا و منکرات کو حرام نہ سمجھا جاتا ہو) تو ایسے ماحول میں پناہ گزیں ہونا حرام ہے۔

اسی طرح اگر اسکا وہاں بسنا' اسکے بچوں کی غیر اسلامی تربیت کا سبب بنے۔ یعنی وہ اپنے بچوں کو ایسے اسکولوں میں بھیجنے پر مجبور ہو' جو انہیں عقیدے اور عمل کے اعتبار سے گمراہ کردیں گے۔ یا جہاں اس کے بچوں پر (ان کے بالغ ہونے سے پہلے اور بالغ ہوجانے کے بعد) اسکا کوئی اختیار نہ ہوگا۔ بالخصوص ان ممالک میں جہاں بچے اپنے والدین کے خلاف حکومتی اداروں میں شکایت کرسکتے ہیں اور وہ ادارے ماں باپ کی سخت گیری سے نجات دلانے کے لئے بچوں کو اپنی تحویل میں لے لیتے ہیں۔

اگر کسی ملک میں مقیم ہونا' اسلام و مسلمین کے خلاف سرگرم عمل ایجنسیوں میں شمولیت کا مقدمہ بنے' یا جہاں ضروریات زندگی پورا کرنے کے لئے حرام پیشہ اپنانے مثلاً منشیات یا اسی کی مانند چیزوں کی تجارت پر مجبور ہوں' تو ایسے حالات میں بھی وہاں پناہ گزین ہونا حرام ہے۔

اگر کسی ایسی جگہ کو سیاسی پناہ کے لئے اختیار کیا جائے جہاں اسلامی ماحول فراہم

ہو سکے، بچوں، نوجوانوں اور جوانوں کو اسلامی فضا میں سانس لینے کا موقع مل سکے، جہاں ان کی اسلامی تربیت کا بندوبست ہو سکے۔ تو ایسے مقام پر پناہ گزین ہونے میں کوئی شرعی رکاوٹ نہیں۔ بلکہ اگر پناہ حاصل کرنے والے مسلمان کا ارادہ یہ ہو کہ اس سرزمین پر حاصل آزاد فضا سے استفادہ کرتے ہوئے وہاں دعوت الی اللہ اور اسلام کی تبلیغ و ترویج کو اپنی سرگرمیوں میں سرفہرست مقام دے گا، تو اس صورت میں وہاں پناہ گزینی مستحب اور شرعی لحاظ سے زیادہ بہتر قرار پائے گی۔

لہٰذا ایسے لوگ جو اپنے ممالک میں طاغوت کی حکمرانی یا ظالموں کے تسلط کی وجہ سے ہجرت پر مجبور ہو جائیں، ان پر واجب ہے کہ جس سرزمین کی جانب کوچ کا ارادہ رکھتے ہوں، وہاں کے بارے میں مختلف زاویوں سے تحقیق و جستجو کریں، اور اس بات کو کسی صورت ذہن سے نہ نکلنے دیں کہ اس سرزمین پر ان کی حیثیت مبلغ اسلام کی سی ہونی چاہئے، اور وہاں ان کے فکر و عمل، اخلاق و کردار سے اسلامی تعلیمات کا اظہار ہونا چاہئے، نیز انہیں خداوند عالم کے اس فرمان کا بھی مثبت جواب دینا چاہئے کہ :

"یا ایها الذین ء امنو اقوا انفسکم واهلیکم نارا وقودها الناس والحجارة"

"ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔" (سورہ تحریم ۶۶۔ آیت ۶)

لہٰذا انہیں اپنے آپ کو، اپنے بچوں اور اعزہ کو (عذاب آخرت سے) محفوظ رکھنے کے لئے تدبیر کرنی چاہئے۔ اور اپنے اور دوسرے مہاجرین کے بچوں کی دینی تربیت اور ان کے لئے مناسب اسلامی ماحول ایجاد کرنے کی خاطر اقدام کرنا چاہئے۔ تاکہ اس دینی ماحول اور تربیت کے زیر سایہ بچوں کی صالح نشو و نما کی ضمانت فراہم ہو سکے۔

اسی طرح ان پر یہ بھی لازم ہے کہ اپنے حسن سلوک سے دوسروں کو خدا کی طرف دعوت دیں اور ایسا کردار رکھیں کہ وہاں کے لوگ یہ محسوس کرنے لگیں کہ ہماری سرزمین پر ہجرت کر کے آنے والے یہ لوگ شائستہ اور سودمند نمونہ عمل ہیں اور زندگی اور

انسان سے مربوط تمام مسائل جیسے آزادی اور عدل وانصاف وغیرہ میں واضح اور خوبصورت اسلامی موقف کے مالک ہونے کی بنا پر اس معاشرے کے لئے ایک مفید عنصر ثابت ہو سکتے ہیں۔ان کا طرز عمل ایسا ہونا چاہئے کہ دوسرے راستی' امانت داری' پارسائی اور انسان دوستی جیسی صفات میں انہیں نمونہ اور مثال کی حیثیت سے پہچانیں اور ان کے عمدہ کردار کا مشاہدہ انہیں انسان پر اسلام کی اثر اندازی کا مجسم نمونہ دکھادے۔

مہاجر بھائیو! اس بات سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے کہ کہیں آپ کی وجہ سے اس سرزمین کے امن وامان اور وہاں کے معاشرتی نظام میں خلل واقع نہ ہو۔ قدرتی بات ہے کہ وہاں کے لوگ بعض ایسے افکار واعمال کے پابند ہوں گے جو اسلامی اصولوں سے ہم آہنگ نہیں۔ ایسی صورتحال میں ضروری ہے کہ آپ اپنے آپ کو اور اپنے افراد خانہ کو ان چیزوں سے دور رکھیں۔ لیکن اس سلسلے میں کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کریں جس سے رائے عامہ آپ کے خلاف ہو جائے۔ کیونکہ اس صورت میں لوگ آپ کو اپنے معاشرتی نظام میں خلل ڈالنے والا سمجھیں گے اور پھر وہاں کے ارباب اختیار آپ کو وہاں سے نکالنے کا فیصلہ کریں گے اور یوں آپ کے لئے ایک نئی مشکل جنم لے گی۔

اس مقام پر میں امام جعفر صادقؑ کا یہ قول راہ خدا میں ہجرت کرنے والے اپنے بھائیوں کے گوش گزار کروں گا جس میں آپؑ نے فرمایا : کونوا الناد عاۃ بغیر السنتکم (لوگوں کو اپنی زبان کے بغیر (کردار سے) دعوت دو۔) وہ تمہارے صدق' نیکوکاری اور تقویٰ کو دیکھیں۔

میں آپ دوستوں سے انتہائی محبت کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ آپ' جنہوں نے اپنے دین وایمان کی حفاظت کے لئے ظلم' گمراہی اور طاغوتی حکمرانوں سے فرار اختیار کی ہے۔ اب وہاں (اپنے نئے ملک میں) اسی گوہر گراں قیمت کو فراموش نہ کر دیجئے گا' اسے یوں ہی اپنے حال پر نہ چھوڑ دیجئے گا' بلکہ اپنے دین کو اپنی شخصیت 'عزت اور ہستی کا راز

سمجھئے اور یہ جان لیجئے کہ دنیا و آخرت کی نجات اس کے استحکام سے وابستہ ہے۔ علاوہ ازایں ہم آپ سے یہ بھی توقع رکھتے ہیں کہ آپ اسلام کی طرف دعوت دینے والے بنیں گے اور اسکے لئے نئے مواقع اور جدید افق کھولیں گے۔

☆ پہلے سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا تھا کہ مسلمان پناہ گزیں کو خود کو ذلیل وخوار نہیں کرنا چاہئے۔ اس سلسلے میں بعض پناہ گزیں افراد کہتے ہیں کہ جس ملک میں انہوں نے پناہ حاصل کی ہے وہاں وہ اپنے اسلامی وطن سے زیادہ عزت واحترام پاتے ہیں۔

○ ان لوگوں کو پناہ گزینی کے ابتدائی مرحلے ہی میں ذلت و تحقیر کا نشانہ بننا پڑتا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ پناہ کے خواہشمند لوگوں کو ایک معین جگہ پر ٹھہرایا جاتا ہے اور ان سے نہایت حقارت آمیز سلوک کیا جاتا ہے۔ اگر وہ اپنے ملک میں بھی ذلت وخواری کا شکار ہوں تو انہیں ان دونوں ذلتوں کے درمیان موازنہ کرنا چاہئے اور پھر شرعی نکتہ نظر کا حامل مناسب فیصلہ کرنا چاہئے۔

اب جبکہ آپ نے ذلت وخواری کی بات چھیڑی ہے تو میں بتاتا چلوں کہ ذلت کے بارے میں ہماری گفتگو اندرونی اور حسی لحاظ سے نہ تھی' بلکہ واقعی اور عینی (خارجی) پہلو سے تھی۔

کبھی کبھی انسان کسی ایسی چیز سے ذلت محسوس کرنے لگتا ہے جس میں سرے سے کوئی ذلت کی بات ہوتی ہی نہیں اور کبھی بعد کے مراحل پیش نظر ہونے اور ان سے واقفیت کی بنا پر انتہائی ذلیل چیز کو ذلت نہیں سمجھتا۔ یہاں اس نکتہ کی یاد دہانی غیر مفید نہیں کہ کسی مسلمان کا کسی کافر کے سامنے ذلیل ہونا' اسکے کسی مسلمان کے سامنے ذلیل ہونے سے بالکل مختلف ہے۔

پولیس کی سرپرستی

☆ مغربی ممالک میں اگر بچے باپ کے خلاف شکایت کریں تو پولیس بچوں کو باپ کی

سرپرستی سے نکال کے اپنی سرپرستی میں لے لیتی ہے۔ اس سرپرستی کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

○ جب ہم انسانی پہلو سے اس مسئلے کا جائزہ لیتے ہیں تو اس قانون کو جائز پاتے ہیں جو اس وقت بچے کی حمایت کرتا ہے جب باپ اپنی سرپرستی کا ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے۔

ہماری رائے ہے کہ ہم اسلامی ممالک میں بھی اس طرح کے قوانین وضع کرسکتے ہیں جو ایسے حالات میں بچوں کے مددگار ہوں۔ کیونکہ والدین پر واجب ہے کہ وہ بچوں کی نگہداشت اور سرپرستی کے دوران ان سے حسن سلوک اور عدالت کا طرز عمل اپنائیں۔ لیکن اگر یہ سرپرستی بچے پر ظلم وستم میں بدل جائے اور والدین اپنے فریضے سے عہدہ برآ نہ ہوں تو ولی امر کو چاہئے کہ ایسے والدین سے بچے کو لے کر کسی لائق اور مناسب فرد کے سپرد کرے۔ لیکن ہمارے مفروضہ مسئلے میں صورت یہ ہے کہ مغرب جن اقدار وروایات کا پابند ہے اور جن کی بنیاد پر بچوں پر سختی کرتا یا انہیں ڈھیل دیتا ہے' وہ ہماری اقدار وروایات سے مختلف ہیں۔

یہاں 'ان سے ہمارا اختلاف ان جگہوں پر ہے جن کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ یہ بچوں سے والدین کی ایسی بدسلوکی ہے جس کی بنیاد پر حکومت کو انہیں اپنی تحویل میں لینے کا حق حاصل ہے۔ مثلاً ہم کہتے ہیں کہ بعض مواقع پر باپ بچے کو تادیب کرسکتا ہے۔ حتی اس حد تک سخت گیری کو بھی روا سمجھتے ہیں جس میں بچے کی شخصیت مجروح نہ ہو اور جو اسکی سلامتی کے لئے نقصان دہ نہ ہو۔ لیکن مغرب اس سے اتفاق نہیں کرتا۔

لہٰذا ہم مغرب میں زندگی بسر کرنے والے اپنے بھائیوں کو تلقین کرتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو ایسی صورتحال کا شکار ہونے سے بچائیں۔ ہمارے خیال میں مناسب راستہ یہ ہے کہ اپنے بچوں کی تادیب کے لئے سختی اور دباؤ سے کام نہ لیں بلکہ ایسے دوسرے طریقوں سے ان کی تربیت کریں کہ وہ شکایت کے لئے حکومت کا دروازہ نہ کھٹکھٹا سکیں۔ کیونکہ اگر حکومت نے آپ کے بچے کو اپنی تحویل میں لے لیا تو اس کا نتیجہ اسکی دینی اور اخلاقی

تباہی کی صورت میں بر آمد ہو گا۔

مشکل' بچوں اور بڑوں' دونوں ہی کے لئے ہے

☆ جب ہم پناہ گزینی کی مشکلات کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں تو ہماری تمام تر توجہ بچوں اور نوجوانوں کی گمراہی اور تباہی کے مسئلے پر ہوتی ہے۔ گویا ہم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ بڑی عمر کے افراد اس پہلو سے امان میں ہیں۔ آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟

○ ہماری گفتگو چھوٹوں یا بڑوں کے بارے میں نہیں ہے۔ بلکہ ہم عملی (نہ کہ شرعی طور پر لازم) سرپرستی کے بارے میں بات کر رہے ہیں۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ باپ کو اپنے بچوں کی نگہداشت سے محروم کر دیا جائے۔ مغرب میں زندگی بسر کرنے والے مسلمان اور پابند شرع گھرانوں کی ایک مشکل یہ بھی ہے کہ وہ انحراف اور گمراہی کی راہ پر قدم رکھنے والے اپنے بچوں یا بچیوں پر دباؤ نہیں ڈال سکتے۔ کیونکہ وہاں کا قانون انہیں اس سے منع کرتا ہے۔ اور وہاں باپ کو اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ وہ اپنے بچوں اور اہل خانہ کی ہدایت و رہنمائی کے لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل کرے۔

یہ چیز مغرب میں سکونت اختیار کرنے کے سلسلے میں ایک بڑی مشکل ہے۔ (خواہ یہ سکونت پناہ گزینی کی صورت میں اختیار کی جائے یا کسی اور وجہ سے) جبکہ اگر مشرق میں بچے انحراف اور گمراہی کی راہ اختیار کر لیں تو باپ انہیں اس سے نجات دلانے کے لئے چارہ جوئی کر سکتا ہے لیکن افسوس کہ مغرب میں اسکے لئے یہ ممکن نہیں ہے۔ پس اگر مغرب میں اقامت' بچوں کی گمراہی پر منتج ہو' تو یہ اقامت حرام ہے۔

جوان پناہ گزینوں کی دو رخی شخصیت

☆ اب مغرب میں پناہ لینے والے جوانوں کی شخصیت کے دو رخے پن کا مسئلہ سامنے آتا ہے۔ بالخصوص دین کے پابند گھرانوں میں یہ دو رخی زیادہ نظر آتی ہے۔ کیونکہ ان گھرانوں میں والدین بچوں کو دین کی پابندی کی ہدایت کرتے ہیں لیکن گھر سے باہر کا ماحول

انہیں دوسری طرف کھینچتا ہے۔ اگر جناب عالی کا اس بارے میں کوئی خاص نکتہ نظر ہے تو بیان فرمایئے؟

○ جہاں کہیں بھی گھریلو اقدار و روایات اور معاشرتی رسوم و رواج کے درمیان فرق ہوگا' وہاں قدرتی طور پر یہ دو رخہ پن نظر آئے گا۔ معاشرتی اور گھریلو رسوم و رواج کے درمیان پایا جانے والا اختلاف جوان لڑکے اور لڑکیوں کے روحانی اضطراب اور ان کی شخصیت کے دو رخہ ہو جانے کا موجب ہوتا ہے۔ کیونکہ جوانوں کے پاس کوئی ایسی گہری فکری بنیاد نہیں ہوتی جو ان کے کردار و عمل میں توازن اور اعتدال پیدا کر سکے۔ اسی کے ساتھ ساتھ وہ ایک ایسی فضا میں زندگی بسر کرتے ہیں کہ اگر خود کو وہاں کے معاشرتی رنگ ڈھنگ' رسوم و رواج سے ہم آہنگ کرنا چاہیں تو گھر کی طرف سے ان پر دباؤ پڑتا ہے اور گھریلو اقدار روایات سے توافق کرنا چاہیں تو معاشرے کے دباؤ کا سامنا کرتے ہیں۔

یہ صورتحال ان میں اندرونی کشمکش اور داخلی جنگ کی وجہ بن جاتی ہے۔ جب وہ اس مشکل کے حل سے عاجز رہتے ہیں تو نتیجے کے طور پر جب بھی معاشرے اور نفسانی خواہش کا دباؤ ان پر غالب آجاتا ہے تو وہ گھر والوں سے جھوٹ بولتے ہیں اور اگر خاندانی رسم و رواج اور ماحول کے سامنے مجبور ہو کر اسے اپنا لیتے ہیں تو پھر سخت معاشرتی دباؤ میں رہ کر زندگی بسر کرتے ہیں۔

لہٰذا جب ایسے حالات ہوں تو والدین پر لازم ہے کہ جوان (لڑکے اور لڑکیوں) کے اندر پائے جانے والے اس کمزور نکتے کو پہچانیں۔ تاکہ اسے اس اضطراب اور پریشانی سے نجات دلا سکیں۔ (یاد رہے کہ) مغربی رسوم و رواج کے لئے دروازے کھلے ہونے کی وجہ سے' ہم مشرق میں زندگی بسر کرنے والے لوگوں کو بھی شاید اسی مشکل کا سامنا ہو جو وہاں مغرب میں رہنے والوں کو درپیش ہے۔

بچے اور ماحول کا اثر

☆ بعض پناہ گزین والدین کہتے ہیں کہ ہمارے بچے ابھی چھوٹے ہیں مثلاً ان کی عمر

ابھی دو تین سال ہے۔ لہٰذا ان کے بڑے ہونے تک ہم یہاں رہ سکتے ہیں۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ چھوٹے بچے ماحول کے منفی اثرات قبول نہیں کرتے۔ آپ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

○ ہم ان کے خیال سے اتفاق نہیں کرتے۔ کیونکہ کسی بھی فضا میں بڑا ہونے والا بچہ اس ماحول کو اپنے لاشعور میں محفوظ کرلیتا ہے۔ اس طرح یہ احساسات اور مفاہیم اسکی شخصیت کے اندر گھر کرلیتے ہیں اور چاہے وہ نقل مکانی کر کے کہیں اور جا بسے تب بھی ان کے اثرات اسمیں باقی رہتے ہیں۔ خود ہم بھی اپنے بچپنے کی پیچیدگیوں اور مسائل کو (اب کبر سنی کے باوجود) اپنے اندر محسوس کرتے ہیں۔

جی ہاں' بچہ جس طرح دینی ماحول کی پاک وپاکیزہ ہوا کو جذب کرتا ہے اسی طرح کفر کی آلودگی کو بھی جذب کرتا ہے۔ جس طرح خیر سے اپنے مشام جاں کو معطر کرتا ہے' اسی طرح شر کی ناگوار بو بھی اپنے سینے میں اتارتا ہے۔

المختصر' اس حوالے سے حاصل ہونے والا تجربہ مثبت اور خوش آئند نہیں' لیکن اس کے باوجود ہم مشکل کو اسکے اصل حجم سے بڑا بنا کے پیش کرنا بھی درست نہیں سمجھتے۔ اور ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ ماحول کے اثرات جتنے جوان پر مرتب ہوتے ہیں اتنے ہی بچے پر بھی مرتب ہوتے ہیں۔ البتہ اس بات کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ اثرات بسا اوقات مستقبل پر برے اثرات چھوڑتے ہیں اور بچے کی سمت بدلنے میں رکاوٹ بنتے ہیں۔

ضمیمہ احادیث (۲)

والدین اور اولاد کے بارے میں

☆ "قال رسول اللہ (ص) : اکرموا اولادکم واحسنوا اکرامھم"
رسول اللہؐ نے فرمایا : اپنی اولاد کا احترام کرو اور ان کے احترام کو اچھی طرح انجام دو۔

☆ "وقال (ص) : ادبوا اولادکم علی ثلاث خصال : حب نبیکم، وحب اھل بیتہ، وقراءۃ القرآن"
آپؐ ہی کا ارشاد ہے : اپنے بچوں میں تین صفات کی نشو ونما کرو : پیغمبرؐ سے عشق، اہل بیتؑ سے محبت اور قرآن کی قرائت۔

☆ "وقال (ص) : ماورث والد ولدہ افضل من ادب"
آپؐ ہی نے فرمایا : باپ جو میراث اپنے بچوں کے لئے چھوڑتا ہے اس میں سب سے بہترین میراث ادب ہے۔

☆ "وقال الامام علی بن ابی طالب (ع) : مروا اولادکم بطلب العلم"
امام علی ابن ابی طالبؑ نے فرمایا : اپنے بچوں کو طلب علم پر ابھارو۔

☆ "وقال الامام جعفر الصادق (ع) : الغلام یلعب سبع سنین،

ویتعلم الکتاب سبع سنین' ویتعلم الحلال والحرام سبع سنین"

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: بچے کو سات برس تک کھیلنے کودنے دو' سات برس بعد قرآن مجید پڑھاؤ اور پھر سات برس بعد حلال و حرام سکھاؤ۔

☆ "وقال (ع): بادروا احداثکم الحدیث قبل ان یسبقکم الیه المرجئة"

آپؑ ہی نے فرمایا: اپنے جوانوں سے گفتگو کرو' قبل اس کے کہ مرجئہ تم پر سبقت کر جائیں۔

☆ "وقال الرسول الأکرم (ص): مروا اولادکم بالصلاة وهم ابناء سبع سنین' واضربوهم علیها وهم ابناء عشر سنین' وتفرقوا بینهم فی المضاجع"

رسول کریمؐ نے فرمایا: جب تمہارے بچے سات برس کے ہو جائیں تو انہیں نماز کی تلقین کرو' جب دسواں برس گزار لیں تو اس مسئلے پر انہیں (نرم انداز میں) تنبیہ کرو اور انہیں علیحدہ علیحدہ سلاؤ۔

☆ "وقال (ص): یلزم الوالد من الحقوق لولده' مایلزم الولد من الحقوق لوالده"

آپؐ ہی کا ارشاد ہے: جو حقوق والدین پر بچے کے واجب ہیں' وہی حقوق بچے پر والدین کے واجب ہیں۔

☆ "وقال (ص): یلزم الوالدین من عقوق الولد مایلزم الولد لهما من العقوق"

آپؐ ہی نے فرمایا: جو چیز والدین کے طرف سے بچے کے عقوق کا موجب ہے' وہی بچے کی طرف سے والدین کے عقوق کا موجب ہے۔

☆ "وقال (ص): من حق الولد علی والده ثلاثة: یحسن اسمه' ویعلمه الکتابة' ویزوجه اذا بلغ"

اور آپؐ ہی کا ارشاد ہے: باپ کے ذمے بچے کے تین حق ہیں: اسکا اچھا نام رکھے' اسے لکھنا سکھائے اور جب وہ بالغ ہو جائے تو اسکی شادی کرے۔

☆ "وقال الامام الصادق (ع): تجب للولد علی والده ثلاث خصال: اختیاره لوالدته' وتحسین اسمه' والمبالغة فی تادیبه"

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: باپ پر واجب ہے کہ اپنے بچے کے بارے میں تین باتوں کا خیال رکھے: اسکے لئے اچھی ماں کا انتخاب کرے' اسکا اچھا نام رکھے' اسے باادب بنانے کے سلسلے میں انتہائی کوشش کرے۔

☆ "وقال النبی العظیم محمد (ص): من بلغ ولده النکاح وعنده ما ینکحه فلم ینکحه ثم احدث حدثاً فالاثم علیه"

نبی عظیم حضرت محمدؐ نے فرمایا: اگر کسی کا بچہ شادی کی عمر کو پہنچ جائے' اور توانائی کے باوجود وہ اسکی شادی نہ کرے' تو اس صورت میں اگر کوئی حادثہ پیش آجائے تو اسکا گناہ باپ کے ذمے ہوگا۔

☆ "وقال (ص): رحم الله من اعان ولده علی بره' وھوان یعفو عن سیئته' ویدعوله فیما بینه وبین الله"

آپؐ ہی کا ارشاد ہے: خدا کی رحمت ہو اس شخص پر جو نیک کاموں میں اپنے بچے کا معاون ہو' اس طرح کہ اسکی خطا سے درگزر کرے اور درگاہ الٰہی میں اس کے اور خدا کے مابین اعمال کے لئے دعا کرے۔

☆ "وقال الامام الصادق (ع): عقوق الوالدین من الکبائر' لان الله عزوجل جعل العاق عصیا شقیا"

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: عقوقِ والدین (والدین کی نافرمانی) گناہانِ کبیرہ میں سے ہے اس لئے کہ خداوند عالم نے عاق کو شقی قرار دیا ہے۔

☆ "وقال (ع): ادنی العقوق (اف) ولو علم الله شیئاً اھون منه لنھی عنه"

آپؑ ہی کا ارشاد ہے: سب سے کم نافرمانی "اف" کرنا ہے' اگر اس سے بھی کمتر کوئی چیز ہوتی تو خدا اس سے بھی منع فرماتا۔

☆ "وقال(ع) فی قوله تعالی (واخفض لهما جناح الذل من الرحمة): لا تملا عینیک من النظر الیهما الا برحمة ورقة' ولا ترفع صوتک فوق اصواتهما' ولا یدک فوق ایدیهما' ولا تقدم قدامهما"

آپؑ ہی نے خداوند عالم کے قول "اور ان کے لئے خاکساری کے ساتھ اپنے کاندھوں کو جھکا دینا" (سورہ بنی اسرائیل ۱۷- آیت ۲۴) کے بارے میں فرمایا: ان دونوں کی جانب صرف اور صرف محبت اور مہربانی کی نگاہ سے دیکھنا' اپنی آواز کو ان کی آواز سے بلند نہ کرنا' اپنے ہاتھ کو ان کے ہاتھ سے اونچا نہ اٹھانا اور ان سے آگے قدم بڑھا کر نہ چلنا۔

☆ "وقال(ع) فی قوله تعالی (وقل لهما قولا کریما) ان ضرباک فقل لهما: غفر الله لکما"

اور آپؑ ہی نے خداوند عالم کے قول "اور ان سے ہمیشہ شریفانہ گفتگو کرتے رہنا" (سورہ بنی اسرائیل ۱۷- آیت ۲۳) کے بارے میں فرمایا: اگر وہ تمہیں ماریں پیٹیں (تب بھی) کہنا کہ خدا آپ کی مغفرت کرے۔

☆ "وقال (ع) فی قوله تعالی: (اما یبلغن عندک الکبر احدهما او کلاهما) ان اضجراک فلا تقل لهما: اف' ولا تنهرهما ان ضرباک"

آپؑ ہی نے خداوند عالم کے قول "اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو جائیں" (سورہ بنی اسرائیل ۱۷- آیت ۲۳) کے بارے میں فرمایا: اگر تمہیں تکلیف پہنچائیں تو اف تک نہ کرنا اور اگر تمہیں ماریں پیٹیں تو انہیں دھتکارنا نہیں۔

☆ "وقال(ع): ان الله یرحم العبد لشدة حبه لولده"

آپؑ ہی نے فرمایا : خداوند عالم اپنے بندے پر بچے سے شدید محبت کرنے کی وجہ سے رحم کرتا ہے۔

☆ "وقال النبی الاکرم (ص) : من سعادة الرجل' الولد الصالح"

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا : صالح اولاد انسان کی خوش بختی میں سے ہے۔

☆ "وقال الامام الصادق (ع) : میراث اللہ من عبدہ المومن ولد صالح یستغفر لہ"

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا : خداوند عالم جن چیزوں کو اپنے مومن بندے کی میراث قرار دیتا ہے ان میں ایسی صالح اولاد بھی شامل ہے جو اسکے لئے طلبِ مغفرت کرے۔

☆ "وقال (ص) : من کانت لہ ابنة فادبھا واحسن ادبھا وعلمھا فاحسن تعلیمھا واوسع علیھا من نعم اللہ التی اسبغ علیہ کانت لہ منفعة واستراً من النار"

آپؐ کا ارشاد ہے : ایسی لڑکی جس کے باپ نے اسکو علم و ادب کے زیور سے آراستہ کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی ہو اور جو نعمتیں اسے خدا نے بخشی ہیں ان سے اسے خوب فیضیاب کیا ہو' وہ اپنے باپ کے لئے فائدہ مند اور اسے آتشِ دوزخ سے محفوظ رکھنے کا باعث ہوگی۔

☆ "وقال (ص) : البنات ھن المشفقات المجھزات المبارکات"

آپؐ کا ارشاد ہے : لڑکیاں مشفق و مہربان' خوش رفتار اور پر برکت ہوتی ہیں۔

☆ "وقال (ص) : من ولدت لہ ابنة فلم یوذھا ولم یھنھا ولم یوثر ولدہ علیھا (یعنی الذکور) ادخلہ اللہ بھا الجنة"

آپؐ کا ارشاد ہے : اگر کسی شخص کی اولاد میں ایسی لڑکی شامل ہو جسے اس نے اذیت نہ دی ہو' اسے ذلت نہ سمجھا ہو اور لڑکے کو اس پر فوقیت نہ دی ہو' تو خدا اس شخص کو

آپ ہی کا ارشاد ہے : اپنے بچوں کو تحفہ دینے میں مساوات کا لحاظ رکھو' اگر کسی کو فوقیت دینا چاہو تو لڑکیوں کو ترجیح دو۔

☆ "وقال (ص) : من سرہ ان یمد لہ فی عمرہ ویزاد فی رزقہ فلیبر والدیہ ولیصل رحمہ"

آپ ہی کا ارشاد ہے : جو کوئی طولِ عمر اور رزق کی فراوانی کا خواہشمند ہے اسے چاہئے کہ اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرے اور اپنے رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرے۔

☆ "وقال الامام علی (ع) : بر الوالدین من اکرم الطباع"

امام علیؑ کا ارشاد ہے : والدین سے نیکی' عظیم ترین خصلتوں میں سے ہے۔

☆ "وقال (ع) : بر الوالدین اکبر فریضۃ"

آپ ہی کا ارشاد ہے : والدین سے نیکی عظیم ترین فریضہ ہے۔

☆ "وقال الصادق (ع) : بروا اباءکم یبرکم ابناوکم"

امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے : اپنے والدین سے نیکی کرو تاکہ اپنے بچوں کی نیکی پاؤ۔

☆ "عن ابن مسعود' قال : سالت رسول اللہ (ص) : ای العمل احب الی اللہ؟ قال : الصلاۃ علی وقتہا' قلت : ثم ای' قال : بر الوالدین"

ابن مسعود کہتے ہیں : رسول اللہؐ سے سوال کیا گیا : خداوند عالم کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل کیا ہے؟ فرمایا : بروقت نماز پڑھنا' پوچھا گیا اسکے بعد؟ فرمایا : والدین کے ساتھ نیکی کرنا۔

☆ "قال رسول اللہ (ص) : من بر والدیہ طوبی لہ زاد اللہ فی عمرہ"

رسول اللہؐ نے فرمایا : ایسا شخص جو اپنے والدین سے نیکی کرے' اس کے لئے یہ خوش آئند بات ہے کہ خداوند عالم اسے طولِ عمر عطا فرماتا ہے۔

اس لڑکی کے طفیل جنت میں داخل کرے گا۔

☆ "وقال الامام الصادق (ع) : البنات حسنات والبنون نعم، والحسنات یثاب علیها والنعم مسوول عنها"

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا : لڑکی نیکی اور لڑکا نعمت ہے، نیکی کا اجر دیا جاتا ہے اور نعمت کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے۔

☆ "وقال الرسول الاکرم (ص) : ان اللہ تبارک و تعالی علی الاناث اراف منه علی الذکور، وما من رجل یدخل فرحة علی امراة بینه وبینها حرمة الا فرحه اللہ یوم القیامة"

رسول اکرمؐ نے فرمایا : خداوند عالم، عورتوں پر مردوں سے زیادہ مہربان ہے اور اگر کوئی مرد اپنی محرم خواتین میں سے کسی کا دل خوش کرے، تو خداوند عالم روز قیامت اسکا دل شاد کرے گا۔

☆ "وقال (ص) : اتقوا اللہ واعدلوا فی اولادکم"

آپ ہی نے فرمایا : تقویٰ اختیار کرو اور اپنے بچوں سے منصفانہ برتاؤ کرو۔

☆ "وقال (ص) : ان لهم علیک من الحق ان تعدل بینهم، کما ان لک علیهم من الحق ان یبروک"

آپ ہی کا فرمان ہے : تم پر ان کا حق یہ ہے کہ ان کے درمیان عدالت سے کام لو، جیسا کہ تمہارا حق ان پر یہ ہے کہ وہ تم سے نیکی سے پیش آئیں۔

☆ "وقال (ص) اعدلوا بین اولادکم فی النحل (العطایا والهدایا) کما تحبون ان یبروکم"

آپ ہی کا ارشاد ہے : اپنے بچوں کو شہد (عطیہ یا تحفہ) دیتے وقت ان کے درمیان عدل برتو، جس طرح تم پسند کرتے ہو کہ وہ تمہارے ساتھ نیکی سے پیش آئیں۔

☆ "وقال (ص) : ساووا بین اولادکم فی العطیة فلو کنت مفضلا احدا لفضلت النساء"

☆ "وجاء رجل الی الرسول (ص) فقال : جئت ابایعک علی الهجرة، وترکت ابوی یبکیان، فقال الرسول (ص) : ارجع الیهما فاضحکهما کما ابکیتهما"

ایک شخص پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا : میں اپنے والدین کو روتا چھوڑ کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں تاکہ ہجرت کے معاملے میں آپؐ کی بیعت کروں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا : تم واپس ان کے پاس چلے جاؤ اور جیسا روتا چھوڑا ہے ویسا ہی انہیں خوش کرو۔

☆ "وعن الامام الرضا (ع) : ان الله عزوجل امر بالشکر له وللوالدین، فمن لم یشکر والدیه لم یشکر الله"

امام رضاؑ نے فرمایا : خداوند عالم نے اپنی اور والدین کی شکرگزاری کا حکم دیا ہے، جو شخص والدین کا شکرگزار نہ ہو وہ خدا کا شکرگزار نہ ہوگا۔

☆ "وعن الرسول الاکرم (ص) : رضا الله فی رضا الوالد، وسخط الله فی سخط الوالد"

رسول اکرمؐ نے فرمایا : باپ کی خوشنودی میں، خدا کی خوشنودی ہے اور باپ کی ناراضگی میں خدا کی ناراضگی ہے۔

☆ "وکان من دعاء الامام زین العابدین (ع) : اللهم اجعلنی اهابهما هیبة السلطان العسوف، وابرهما بر الام الرؤوف، واجعل طاعتی لوالدی و بری بهما اقر لعینی من رقدة الوسنان واثلج لصدری من شربة الظمآن، حتی اوثر علی هوای هواهما"

حضرت امام زین العابدینؑ کی ایک دعا ہے : خداوندا! مجھے ایسا بنادے کہ ان سے ظالم سلطان کی مانند خوف کھاؤں، اور مہربان ماں کی مانند ان سے سلوک کروں۔ ماں باپ کی اطاعت اور ان سے حسنِ سلوک کو میرے لئے ایسا خوشگوار بنا دے جیسے خواب آلودہ شخص کے لئے ایک لمحہ کی نیند اور تشنہ لب کے لئے ٹھنڈا میٹھا پانی مزیدار اور محبوب ہوتا

ہے یہاں تک کہ اپنی خواہش پر ان کی خواہش کو ترجیح دوں۔

☆ "وقال النبی الاعظم (ص) : الجنۃ تحت اقدام الامھات"

اور رسول اعظمؐ نے فرمایا : جنت ماں کے قدموں تلے ہے۔

تربیتِ نفس کے بارے میں

☆ "عن الامام امیر المومنین علی (ع) انہ قال : من استدام ریاضۃ نفسہ انتفع"

امیر المومنین امام علیؑ سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا : جس کسی نے اپنے نفس کی تربیت کو جاری رکھا اس نے فائدہ اٹھایا۔

☆ "وانہ قال : للعاقل فی کل عمل ارتیاض"

آپؑ ہی نے فرمایا : عقل مند انسان کے لئے ہر عمل میں تربیت کا پہلو ہوتا ہے۔

☆ "وقال (ع) : وایم اللہ یمینا استثنی فیھا بمشیۃ اللہ، لا روضن ریاضۃ تھش معھا الہ القرص اذاقدرت علیہ مطعوما؟ وتقتنع بالملح مادوما؟ ولا دعن مقلتی کعین ماء نضب معینھا مستفرغۃ دموعھا"

آپؑ ہی نے فرمایا : بخدا اپنے نفس کو اس انداز سے سدھاؤں گا کہ اگر غذا اسکا مقدر ہو تو ایک ہی روٹی پر قناعت کرے۔ سوائے نمک کے کوئی سالن نہ ہو اور اپنی آنکھوں کو کھلا رکھوں گا تاکہ مسلسل اشک فشانی کریں، یہاں تک کہ خشک چشمہ کی مانند ان کا پانی ختم ہو جائے۔

☆ "وقال (ع) : انما ھی نفسی اروضھا بالتقوی لتاتی آمنۃ یوم الخوف الاکبر و تثبت علی جوانب المزلق"

آپؑ ہی نے فرمایا : اپنے نفس کی تربیت پرہیزگاری کے ذریعے کرتا ہوں تاکہ اس روز سکون و اطمینان کے ساتھ میدانِ حشر میں قدم رکھوں جس دن سب ایک عظیم خوف

میں کھڑے ہوں گے اور صراط (جہاں ہر کسی کے قدموں میں لڑکھڑاہٹ ہوگی) ثابت قدم رہوں۔

☆ "وقال (ع) : اسهروا عیونکم، وضمروا بطونکم، وخذوا من اجسادکم وجودوا بها علی انفسکم"

آپؑ ہی نے فرمایا : اپنی آنکھوں کو بے خوابی کا عادی بناؤ، اپنے پیٹوں کو لاغر کرو اور اپنے تن سے لے کر اپنے نفس کو بخشو۔

☆ "وقال (ع) : لا تنجع الریاضة الا فی نفس یقظة"

آپؑ ہی نے فرمایا : ریاضت (نفس کشی) صرف بیداردلوں کے لئے موثر ہوتی ہے۔

☆ "وقال الصادق (ع) : یوصی عشوان البصری : واما اللواتی فی الریاضة، فایاک ان تاکل مالا تشتهیه، فانه یورث الحماقة والبله، ولا تاکل الا عند الجوع، واذا اکلت فکل حلالا بسم الله واذکر حدیث الرسول (صلی الله علیه واله) ماملا بنو آدم وعاء شرا من بطنه"

امام جعفر صادقؑ نے عشوان بصری کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا : ریاضت کے دوران کسی چیز کے کھانے کی خواہش ہو، تو اس سے پرہیز کرو کہ یہ حماقت اور سبک سری کا باعث ہے۔ بھوک ہو تب ہی غذا کھاؤ۔ حلال کھاؤ اور غذا کھانے سے پہلے بسم اللہ کہو اور پیغمبر اسلامؐ کے اس قول کو یاد رکھو جس میں آپؐ نے فرمایا ہے : آدمی نے اپنے شکم سے بدتر کسی برتن کو پر نہیں کیا ہے۔

☆ "ومن وصایا الخضر لموسی (ع) : رض نفسک علی الصبر، تخلص من الاثم"

حضرت خضرؑ کی جناب موسیٰؑ کو ایک وصیت یہ تھی : اپنے نفس کو صبر و شکیبائی پر آمادہ کرو، تاکہ گناہ سے دور رہو۔

۳

تربیت کی ذمہ داری

معلم و مربی کی خصوصیات

☆ اسلام کی نظر میں ایک معلم یا مربی کی کیا خصوصیات ہیں، اور اسکی ذمے داریاں کیا کیا ہیں؟

○ پہلی چیز جس کا کسی بھی معلم میں فنی لحاظ سے پایا جانا ضروری ہے، وہ اس علم پر عبور ہے جسکی تعلیم وہ دوسروں کو دینا چاہتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ اس علم پر عبور نہ رکھتا ہوگا تو علم کی بجائے اپنا جہل دوسروں میں منتقل کرے گا۔ اگر معلم مناسب علم و دانش کا مالک نہ ہو تو اپنی شخصیت کے تحفظ کے لئے اپنے جہل پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرے گا اور زیرِ بحث موضوع کو شاگردوں کے سامنے مبہم اور مشتبہ بنا کر پیش کرے گا۔

لہٰذا معلم کو اپنے درسی مواد اور اس چیز کے بارے میں کافی مہارت کا حامل ہونا چاہئے جس کی وہ دوسروں کو تعلیم دینا چاہتا ہے، اور اسے ایک علمی امانت سمجھنا چاہئے۔ اس مفہوم کو ہم اس آیتِ قرآنی سے حاصل کرسکتے ہیں جو براہ راست تعلیم کے موضوع سے متعلق تو نہیں البتہ جدال کے موضوع سے مربوط ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے :

"ھاء انتم ھولاء حاججتم فیما لکم بہ علم فلم تحاجون فیما لیس لکم بہ علم"

"اب تک تم نے ان باتوں میں بحث کی ہے جن کا تمہیں کچھ علم تھا تو اب اس بات میں کیوں بحث کرتے ہو جس کا تمہیں کچھ بھی علم نہیں۔"

(سورہ آل عمران ۳۔ آیت ۶۶)

اسلام اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ انسان دوسروں سے ایسی چیزوں کے بارے میں گفتگو کرے جن کے بارے میں اسے علم نہ ہو۔ اسی لئے مذکورہ بالا آیہ کریمہ میں ان افراد کی سخت مذمت کی گئی ہے جو ایسی چیزوں کے بارے میں جدال کرتے ہیں جن سے وہ یکسر ناواقف ہیں۔ جب صورت یہ ہو تو اسلام کیونکر قبول کر سکتا ہے کہ لوگ دوسروں کو ایسے موضوعات کی تعلیم دیں جن کے متعلق وہ خود علم نہیں رکھتے؟

ہمارا خیال ہے کہ اس کلیہ کا تعلق صرف تعلیم ہی سے نہیں ہے' بلکہ یہ ہر ایسی ذے داری سے مربوط ہے جس کے بارے میں انسان خاطر خواہ علم و آگہی نہ رکھتا ہو۔

اس بنیاد پر جب ولایت فقیہ اور مشورت وغیرہ کی اساس پر حکم کرنے والے دوسرے کسی بھی مقام و منصب کا مسئلہ سامنے آئے' تو ہمیں متوجہ رہنا چاہئے کہ قائد کے لئے روا نہیں کہ اس امر کے بارے میں فیصلہ صادر کرے جس کے بارے میں وہ کافی علم اور واقفیت کا مالک نہ ہو۔ اسی طرح فقیہ کے لئے بھی جائز نہیں کہ وہ کسی اقتصادی سیاسی' اجتماعی اور عسکری معاملے میں حکم صادر کرے' مگر یہ کہ حکم دینے سے پہلے اس نے ان موضوعات کے ماہرین سے رجوع کیا ہو اور ان کے تمام عناصر کے بارے میں کافی معلومات کا حامل ہو' یہاں تک کہ ان معاملات کے بارے میں حکم صادر کرنے کی صلاحیت اس میں پیدا ہو جائے۔ ہو بہو یہی چیز معلم میں بھی ہونی چاہئے۔

مربی کو ایسی اعلیٰ اخلاقی خصوصیات سے آراستہ ہونا چاہئے جو اسے اپنے زیر تربیت افراد کو فکر دینے کے قابل بنا دیں۔ کیونکہ اسکا ماڈل اور مثالی شخصیت کا مالک ہونا اسکے کلام کی تاثیر کو بڑھا دیتا ہے۔ اسی بنا پر امیرالمومنینؑ نے فرمایا ہے:

"من نصب نفسه للناس اماماً فليبدا بتعليم نفسه قبل تعليم غيره' وليكن تاديبه بسيرته قبل تاديبه بلسانه

و معلم نفسه و مودبها احق بالا جلال من معلم الناس ومودبهم"

"جو خود کو لوگوں کا پیشوا بنانا چاہتا ہے' اسے دوسروں کو تعلیم دینے سے پہلے اپنے آپ کو تعلیم دینا چاہئے اور زبان سے درس دینے سے پہلے اپنی سیرت و کردار سے سبق دینا چاہئے۔ اور جو اپنے نفس کو تعلیم و تادیب کرلے وہ دوسروں کی تعلیم و تادیب کرنے والے سے زیادہ قابل احترام ہے۔" (نہج البلاغہ۔ کلمات قصار ۷۳)

بہر صورت تربیت کا عمل کلام اور بیان کے دوسرے طریقوں سے زیادہ ماڈل اور نمونہ عمل سے وابستہ ہے۔ اور در حقیقت مثالی شخصیت کی مدد ہی سے کلام انسانی نفس پر اپنے اثرات مرتب کرتا ہے۔

مختلف طریقے اپنانا

دوسری طرف معلم اور مربی حضرات پر لازم ہے کہ وہ تربیت کے مختلف اسالیب اور طریقوں سے استفادے کی قدرت رکھتے ہوں' تاکہ کسی فکر کو طالب علم کے ذہن میں داخل کرسکیں یا کسی خوبی کو اپنے زیر تربیت انسان کی روح میں منتقل کرسکیں۔ کیونکہ جب ہم اپنے افکار و خیالات دوسروں میں منتقل کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں تو اس موقع پر بنیادی ترین مسئلہ جو ہمارے سامنے ہوتا ہے وہ اسلوب اور طریقہ کار کا انتخاب ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے معلم و مربی حضرات اپنے شاگردوں کی تربیت میں ناکام رہتے ہیں۔ ان کی ناکامی کی وجہ وہ غلط طریقہ ہے جسے وہ دوسروں میں کسی خوبی یا علم کی منتقلی کے لئے اختیار کرتے ہیں۔ ہرچند وہ خود کافی علم و دانش کے مالک اور خوبیوں اور اخلاق سے آراستہ ہوتے ہیں' لیکن ان کے پاس ایسا طریقہ نہیں ہوتا جس کے ذریعے دوسروں کے ذہن تک رسائی حاصل کرسکیں۔ رسولِ کریمؐ سے مروی ایک حدیث میں یہی نکتہ ملتا ہے۔ فرماتے ہیں :

"انا معاشر الانبیاء امرنا ان نکلم الناس علی قدر عقولهم"

"ہم انبیاء کو دستور دیا گیا ہے کہ لوگوں سے ان کی عقل و فہم کے مطابق گفتگو کریں۔" (اصول کافی۔ ج ا۔ ص ۲۳)

ایک داعی' معلم اور مربی پر لازم ہے کہ جن لوگوں کی وہ تعلیم و تربیت کرنا چاہتا ہے ان کی فہم و ادراک کے پیمانے سے واقف ہو' تاکہ اسے پتا چل سکے کہ ان کی عقل کے مطابق ان سے کس طرح کی گفتگو کی جائے اور ان سے اپنی دعوت قبول کرانے کے لئے کونسا طریقہ اپنایا جائے۔

اس مفہوم کو ہم قرآن کی اصطلاح "حکمت" سے اخذ کر سکتے ہیں۔ حکمت کے معنی ہیں ہر چیز کو اسکی موزوں جگہ پر رکھنا۔ لہٰذا حکیمانہ کلام ایسے کلام کو کہا جاتا ہے جسے اسکے مناسب مقام پر ادا کیا گیا ہو اور حکیمانہ اسلوب و روش وہ ہے' جسے اسکے مناسب مقام پر استعمال کیا جائے اور اسی طرح دوسرے امور ہیں۔ اور اسی کو بلاغۃ الکلام (گفتگو کا مقتضائے حال کے مطابق ہونا) بھی کہا جاتا ہے' مقتضائے حال میں مخاطب انسان کی ذہنیت سے لے کر اسکا ماحول' اسکے قلبی رجحانات اور اسکے ارد گرد کے حالات تک شامل ہوتے ہیں۔

طلبا سے خوش خلقی سے پیش آنا

ایک اور نکتہ جس کا ذکر یہاں ضروری ہے' وہ یہ ہے کہ معلم و مربی کو طالب علم اور اپنے زیر تربیت فرد کے ساتھ مشفقانہ برتاؤ کرنا چاہئے۔ یعنی اسے یہ احساس ہونا چاہئے کہ اسکی ذمے داری ہے کہ اپنے شاگردوں کے قلب و ذہن کے دروازوں کو کھولے' نیز ان کی کمزوریوں اور نقائص پر صبر و تحمل کا مظاہرہ کرے تاکہ انہیں اپنے پیش نظر بلند و بالا منزل تک پہنچا سکے۔ اسے تعلیم و تربیت کے دوران تنگ دلی و تند مزاجی نہیں برتنی چاہئے اور نہ ہی سخت اور درشت طریقے اپنانے چاہئیں۔ جیسا کہ ہم رسولِ گرامی اسلام کی

دعوت کے دوران اسی صبر و بردباری کا مشاہدہ کرتے ہیں : فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم ولو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولک (یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ تم ان لوگوں کے لئے نرم ہو' ورنہ اگر تم بدمزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔ سورہ آل عمران ۳ - آیت ۱۵۹) اور جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ارشاد ربانی ہے : لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم' حریص علیکم' بالمومنین رءوف رحیم (یقیناً تمہارے پاس وہ پیغمبر آیا ہے جو تم ہی میں سے ہے اور اس پر تمہاری ہر مصیبت شاق ہوتی ہے' وہ تمہاری ہدایت کے بارے میں حرص رکھتا ہے اور مومنین کے حال پر شفیق اور مہربان ہے۔ سورہ توبہ ۹ - آیت ۱۲۸)

رسول اللہؐ کا بنیادی وصف آپؐ کا معلم و مربی کی صفت کا حامل ہونا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خداوند عالم آپؐ کے بارے میں فرماتا ہے : ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم' یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ (اس خدا نے امیوں میں ایک رسول بھیجا ہے جو ان ہی میں سے تھا کہ ان کے سامنے آیات کی تلاوت کرے' ان کے نفوس کو پاکیزہ بنائے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے۔ سورہ جمعہ ۶۲ - آیت ۲)

یہی معلم و مربی کی اخلاقی خصوصیات ہیں اور مذکورہ آیت میں جس "تزکیہ" کی بات کی گئی ہے وہ "تربیت" ہی ہے۔

حوزۂ علمیہ (دینی مدرسہ) اور یونیورسٹی کی تعلیم کا موازنہ

☆ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ روایتی طرز تعلیم جو مثلاً حوزۂ علمیہ نجف اشرف یا جامعہ الازہر میں رائج ہے' بہتر ہے۔ کیونکہ ان مراکز نے بڑے بڑے علما پیدا کئے ہیں۔ جبکہ بعض دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ تعلیم کے نئے اسالیب سامنے لانے چاہئیں اور یہ لوگ یونیورسٹیوں اور اکیڈمیوں کے طرز تعلیم کو بہتر سمجھتے ہیں۔ ان دونوں آراء میں سے آپ

کا جھکاؤ کس جانب ہے؟

○ جس طرح حوزۂ علمیہ کے طرز تعلیم کو مطلقاً افضل قرار دینا درست نہیں اسی طرح یونیورسٹی اور کالج کے طریقہ تدریس کو قطعی طور پر برتر سمجھنا بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ ان دونوں ہی طرز ہائے تعلیم میں خوبیاں اور خامیاں موجود ہیں۔

یونیورسٹی کے طرز تعلیم کے مقابل حوزۂ علمیہ کے طریقہ تعلیم میں فکر کی جنبش اور گہرا سوچ بچار زیادہ نظر آتا ہے۔ جبکہ یونیورسٹی کے طرز تعلیم میں 'حوزۂ علمیہ کے اسلوب تدریس سے زیادہ وضاحت' افکار کی تقسیم بندی' اور توازن ووسعت پائی جاتی ہے۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ حوزوی طرزِ تعلیم بہت سے مقدسات کی نشوونما اور ترویج کرتا ہے۔ ہماری مراد صرف دینی مقدسات ہی نہیں ہیں بلکہ وہ علمی مقدسات بھی ہیں جن کے باعث بعض فقہا جدید علمی خیالات کے مقابل ٹھہر جاتے ہیں اور اس میدان میں قدم رکھنے سے ہچکچاتے ہیں۔ اور اس کی وجہ ان کے دلوں میں علمائے سلف اور گزشتہ مشاہیر کی قدسیت ہوتی ہے۔ یہ چیز یونیورسٹیوں کے لوگوں میں نظر نہیں آتی' کیونکہ وہاں کسی چیز کو فکری تقدس کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔

اس بنا پر ہماری تجویز یہ ہے کہ حوزہ اور یونیورسٹی' دونوں کے طرز ہائے تعلیم کے مثبت نکات اور خوبیوں سے استفادہ کرتے ہوئے ایک نئے طرز تعلیم کی بنیاد رکھی جائے تاکہ اس کے مطابق عمل کے ذریعے علم ودانش کی گہرائی اور وسعت میں اضافہ کیا جاسکے۔

البتہ یہ کہنا حوزۂ علمیہ کے طرز تعلیم کی برتری اور افضلیت کی دلیل نہیں کہ اس طریقہ تدریس نے بڑے بڑے علما کو جنم دیا ہے۔ کیونکہ اس کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ حوزوی طرز تعلیم کے نتیجے میں ان علما کو بہت سخت محنت' مشقت کرنی پڑی اور اگر کوئی دوسرا طرز تعلیم ہوتا جو علمی تحقیق وتفتیش کے عمل کو زیادہ سیدھا بناتا تو یہ لوگ اس سے بھی کم تر مدت میں ان علمی مراحل کو طے کرسکتے تھے۔

گھر اور اسکول کے درمیان تعاون

☆ گھر اور اسکول، بچے کی تربیت میں کس طرح ایک دوسرے کے مددگار ہو سکتے ہیں۔؟

○ اسکول سے کبھی کبھی خشک اور خالی معلومات کے سوا بچے کو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اسکول علمی ادارہ ہے اور تربیت یعنی طرز عمل اور اخلاق و آداب کی آراستگی و پیراستگی کا زیادہ اہتمام نہیں کرتا اور اسے بنیادی اہمیت نہیں دیتا۔

اس کے علاوہ گھر اور اسکول کے ماحول میں پایا جانے والا فرق اور اساتذہ کا علمی مسائل میں مشغول رہنا ممکن ہے بچوں کی تربیت پر مضر اثرات مرتب کرے۔ کیونکہ بچوں کا اسکول میں اپنے ایسے ساتھیوں سے بھی سروکار رہتا ہے جو ان سے مختلف ماحول رجحانات، رسوم و آداب اور مسالک کے حامل ہوتے ہیں۔ لہذا اہل خانہ کا فرض ہے کہ وہ بچے کے طرز عمل کی نگرانی اور اسکول کے منفی اثرات کے تدارک کے لئے اقدام کریں۔ اسی طرح یہ چیز بچے کی تربیت اور اسکی نگرانی کے لئے زیادہ اہتمام بھی ان پر واجب کرتی ہے تاکہ اس طرح اسکے اعمال و اخلاق کو صحیح سمت دی جاسکے۔

یہ ایک پہلو تھا، دوسرا پہلو یہ ہے کہ اہل خانہ پر لازم ہے کہ اپنے بچے کی تعلیمی سرگرمیوں پر نظر رکھیں اور یہ دیکھیں کہ وہ اپنی تعلیم پر کتنی توجہ دیتا ہے۔ کیونکہ اسکول سے نکلنے کے بعد بچہ اپنی تعلیم اسکول کی طرف سے سونپے گئے کاموں کی انجام دہی اور امتحان کی تیاری کے سلسلے میں ذمے داری کا احساس نہیں کرتا۔

گھرانے پر لازم ہے کہ بچے کے تعلیمی دور میں اسکی تعلیم اور اخلاقی تربیت کے سلسلے میں خود کو غیر معمولی حالات سے دوچار سمجھے۔

نوجوان کی تربیت میں گھر اور اسکول کا کردار

☆ متعین طور پر بتایئے کہ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی تربیت کے سلسلے میں ان دونوں اداروں (گھر اور اسکول) کا کیا کردار ہے؟

○ جب ہم نوبالغ انسان کی شخصیت کا مطالعہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ وہ حیرانی و پریشانی اور اضطراب و تشویش کے عالم میں ہوتا ہے۔ یہ حالت اسکی فکر اور روح کو بربادی کی جانب لیجاتی ہے۔ مزید یہ کہ عمر کے اس حصے میں جبلتوں کی بیداری اس میں جنسی احساس کو جنم دیتی ہے۔ اس مرحلے میں اگر اس پر مناسب توجہ نہ دی جائے اور دانائی کے ساتھ اسکی نگرانی و نظارت نہ کی جائے' تو (والدین اور اساتذہ کی) یہ غفلت اسکی شخصیت کی تباہی اور اسکے مستقبل کی بربادی پر منتج ہوتی ہے۔

لہٰذا ہماری ذمے داری ہے کہ عمر کے اس مرحلے میں اپنے بچے پر توجہ دیں اور اسکے اخلاق' اعمال' روابط اور سرگرمیوں پر اس مرحلے کے منفی اثرات کو زیر نظر رکھیں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ہمیں ظالمانہ' درشت اور سخت طریقے نہیں اپنانے چاہئیں بلکہ تنبیہ' توجہ' رعایت اور اسکی ہمراہی و مدد کے ذرائع سے استفادہ کرنا چاہئے تاکہ وہ سلامتی کے ساتھ اس مرحلے کو عبور کرلے۔

کیونکہ ہمارے معاشرے پر مردوں کا غلبہ ہے' اسلئے نوجوان لڑکیاں خاص نفسیاتی حالت کا شکار ہو جاتی ہیں۔ جس کے باعث وہ خود اعتمادی سے محروم ہو جاتی ہیں۔ کبھی کبھی وہ اپنی سادگی کی بنا پر بھی دوسروں کے سوء استفادہ کا ہدف بن جاتی ہیں۔ کیونکہ وہ معاشرے کے بارے میں خاطر خواہ معلومات نہیں رکھتیں جبکہ لڑکے اس بارے میں ان سے زیادہ باخبر ہوتے ہیں۔

لہٰذا ہمیں لڑکیوں پر زیادہ اور گہری توجہ دینے کی ضرورت ہے تاکہ ان میں ایسی خود اعتمادی وجود میں لائیں جو انہیں دوسروں کے سوء استفادہ سے محفوظ رکھ سکے اور ان میں ایسی پختگی پیدا کریں جو راہ راست طے کرنے میں ان کی مددگار ہو جائے۔

سزا اور جزا

☆ تنبیہ اور سزا ادب آموزی کا ایک وسیلہ ہے۔ اسی طرح تشویق اور جزا حوصلہ افزائی اور اچھے کاموں پر آمادہ کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اسلام ان دونوں کو کس نظر سے

دیکھتا ہے؟ نیز بچوں اور بچیوں کی غلطیوں کا علاج کس طرح کیا جائے؟

○ تربیت کا مقصد فکری اور اخلاقی اطمینان اور یکسوئی ایجاد کرنا' یا شخصیت پر اثرات مرتب کرنا' اور انسان کو عمل پر ابھارنا ہے۔ لہٰذا اسے لازماً انسانی سرشت کی گہرائی سے متصل ہونا چاہئے۔ تاکہ افکار و احساسات کو حقائقِ اسلام کی جانب جذب کر سکے۔

اس بنا پر یہ ممکن نہیں کہ انسان کے ذاتی فکری و شعوری عناصر سے جدا کوئی تربیتی اسلوب باہر سے اس پر مسلط کیا جا سکے۔ کیونکہ انسان ایک زندہ اور متحرک موجود ہے اور زندگی میں اسکے تمام افعال و اعمال کا مقصد اپنی احتیاجات اور خواہشات کی تسکین ہے۔ اسکی خوشیاں' اسکے غم' اسکی رغبتیں اور اسکے خوف سب کے سب اسی دائرے میں ہوتے ہیں۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ اسکے تمام اعمال خود بخود اور قدرتی طور پر اسکے روحانی اور مادی میلانات کی تسکین کے لئے ہیں۔ یہاں تک کہ اسے اس بات کا احساس بھی نہیں ہوپاتا کہ وہ ان عناصر کے زیرِ اثر ہے۔

لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ وہ فطری طور پر ان چیزوں سے گریز کرتا ہے جو اسے ناگوار گزرتی ہیں' یا جن سے وہ خوفزدہ ہوتا ہے اور اس عمل میں بناوٹ کا شائبہ تک نظر نہیں آتا۔ اسکے معنی یہ ہیں کہ رغبت اور گریز اور حب اور بغض کا مسئلہ ان مسائل میں سے ہے جو انسان کے مقام اور اسکی حرمت پر حاکمیت رکھتے ہیں۔

جب ہم انسان کی حقیقت کے بارے میں جستجو کرتے ہیں' تو دیکھتے ہیں کہ اگرچہ انسانوں میں حب اور بغض یا امید اور خوف کے اظہار کی شکلیں مختلف ہوتی ہیں لیکن بنیادی طور پر تمام لوگوں کو امید آگے بڑھاتی ہے اور خوف پیچھے کھینچتا ہے۔ (البتہ اگر اس طرح کی تعبیر درست ہو تو) اور یہی معاملہ حب اور بغض کا ہے۔

لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ تمام انسانی مکاتب بشریت کی تنظیم کے لئے ان دو عناصر یعنی خوف اور امید سے استفادہ کرتے ہیں۔ اور اسی بنا پر خوف اور امید کے محرکات ایجاد کرنے کے لئے پروگرام بنائے گئے ہیں۔ یہ امر اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ ثواب و عقاب کا مسئلہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو انسان کے تکامل کے تمام مراحل میں اسکی ہستی پر

اثر انداز ہوتا ہے۔

لیکن اگر ہم نوجوانوں اور بچیوں کی تربیت کے سلسلے میں تشویق و تنبیہ' امید و خوف سے استفادہ کرنا چاہتے ہیں تو ہم پر لازم ہے کہ ان کی ذہنیت' ان کی عمر کے مرحلے' ان کے گردوپیش کے حالات اور ان کی شخصیت کے قوی اور ضعیف عوامل سے ہم آہنگ اور متناسب عناصر و وسائل اختیار کریں۔ کیونکہ کبھی کبھی کوئی پاداش وجزا انسان کی شخصیت کے داخلی عناصر سے عدم موافقت کی بنا پر (جبکہ اسے کسی اور خاص جزا کی توقع ہو) منفی عنصر میں بدل جاتی ہے۔ اور بسا اوقات کوئی عقاب اور سزا مثبت عنصر میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اس حقیقت کا تقاضا ہے کہ جزا اور سزا کا اسلوب اپناتے ہوئے عقل وحکمت سے کام لیا جائے۔

اس بنیاد پر مربی کو سخت کلمات کہنے یا مارنے پیٹنے جیسے اقدامات کے بارے میں خوب غور و فکر کرلینا چاہئے۔ کیونکہ مثلاً ایک ایسے انسان کو مارنا جس کی ادب آموزی کے لئے سخت الفاظ ہی کافی ہیں اسمیں نفسیاتی پیچیدگی پیدا ہونے کا سبب بن جاتا ہے۔ یہ عمل اس کی عزت نفس کو مجروح کرتا ہے اور ممکن ہے کہ اس کے اثرات کم نہ ہو سکیں اور نتیجے کے طور پر وہ خود اعتمادی سے محروم ہو جائے۔ یا اپنے گردوپیش رہنے والے افراد سے ان کے طرز عمل کی بنا پر اپنے دل میں کینہ و عداوت رکھنے لگے۔

شریعت کا موقف

اسی وجہ سے رسول کریمؐ نے ایسے موقع پر ادب آموزی سے منع فرمایا ہے جب انسان غصے میں ہو۔ کیونکہ غصے کی حالت میں انسان بچے کی تادیب اور ہدایت و رہنمائی کے لئے کوئی حکیمانہ روش نہیں اپنا سکتا۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں اسلام تربیت کے ہر قسم کے منفی اسلوب سے بلا ضرورت استفادے کو حرام قرار دیتا ہے۔ لہٰذا جائز نہیں کہ ہم بچوں کو سخت و سست کہیں اور انہیں برے اور اہانت آمیز الفاظ سے مخاطب کریں۔ کیونکہ بغیر ضرورت کے اس قسم کے الفاظ کا استعمال بچے کی شخصیت اور طرز عمل پر منفی

اثرات کا موجب ہوتا ہے۔ بچے بھی قابل احترام انسان ہیں اور ہم پر واجب ہے کہ معقول حد میں ان کے فکر و خیال' جذبات و احساسات اور شخصیت کا احترام کریں۔ صرف ان ہی مواقع ان چیزوں سے بے توجہی اور بے اعتنائی جائز ہوگی جب بچے کے لئے ضروری ہو یا اسکی مصلحت اور مفاد کا تقاضا ہو۔

اسی طرح جب غصے سے بات کرنا اور بچے کو اسکی پسندیدہ چیز سے روک دینا ہی مسئلے کو حل کردے تو غیر ضروری طور پر بچے کو مارنا جائز نہیں۔ لیکن جب یہ دیکھیں کہ مارنا ہی تادیب کا واحد راستہ رہ گیا ہے تو اتنا آہستہ سے ماریں کہ اسکا جسم سرخ نہ ہونے پائے۔ لیکن اگر مارنے سے بچے کا بدن سرخ ہوجائے تو اسے اسکی شرعی دیت ادا کرنا واجب ہے۔ کیونکہ خداوند عالم یہ نہیں چاہتا کہ بچہ ماں باپ یا اپنے معلم واستاد کے غم وغصے کی آگ یا گرم مزاجی کی بھڑاس نکالنے کا مقام بن جائے۔

یہ بات پیش نظر رہے کہ جزا و سزا پر موقع محل کی مناسبت سے روحانی' فکری یا مادی صورتوں میں عمل کیا جاسکتا ہے۔

تربیت' رغبت اور خوف کا آمیزہ

تربیت کو لازماً ان دو عناصر پر استوار ہونا چاہئے۔ یعنی اپنے بچے میں "رغبت" دے کر آگے بڑھنے کا اور "خوف" پیدا کرکے دوری کا محرک ایجاد کریں۔ اور تربیت کے دوران جزا وسزا کے مسئلے کو ایک بنیادی مسئلہ قرار دیں۔ کیونکہ بہت مشکل ہے کہ انسان کسی عمل سے حاصل ہونے والے مثبت یا منفی نتائج واثرات پر توجہ کئے بغیر محض اپنی اندرونی خواہش پر اسے انجام دے۔ حتیٰ کہ بعض فلسفیوں کا خیال ہے کہ انسان کی پسند اور کسی چیز کی جانب اسکے میلان کا محرک 'حب ذات' ہے۔ وہ اس چیز کی جانب لپکتا ہے' جس میں اسکی پسندیدہ شے پائی جاتی ہے۔ نتیجے کے طور پر کہا جاسکتا ہے کہ انسان کے محرک کا عامل' خواہشات کی تسکین کے لئے اس میں پیدا ہونے والی رغبت ہے۔

معروف قول ہے کہ کچھ لوگ جزا اور ثواب کے شوق میں خدا کی عبادت کرتے ہیں

اور کچھ لوگ عذاب اور سزا کے خوف سے اسکی پرستش کرتے ہیں اور کچھ لوگوں کا حال یہ ہے کہ ان کی عبادت نہ تو جزا کے شوق میں ہوتی ہے اور نہ ہی سزا کے خوف سے۔

اس کلام پر غور و فکر ہمیں اس نتیجے پر پہنچاتا ہے کہ پہلی قسم کی عبادت کی بنیاد انسان کے نفس میں پائی جانے والی گہری رغبت اور شوق ہے۔ کیونکہ جب انسان دل کی گہرائی سے خدا سے محبت کرتا ہے اور اسکا یہ عمل اسے خدا کی جانب مائل کرتا ہے تو اس طرح دراصل وہ اپنے باطن سے اٹھنے والی پکار کا جواب دیتا ہے۔ ایسی حالت میں عبادت ایک ایسا عمل ہو جاتی ہے جو محبوب سے محبت کی عکاس ہے اور عابد کے لئے ایک پسندیدہ اور لذت و سرور آور عمل ہے۔

لہٰذا شوق و رغبت، آدمی کی ذات سے علیحدہ کوئی چیز نہیں۔ بلکہ بسا اوقات جزا وپاداش کی جانب رغبت انسان کے احساس میں گھر کر لیتی ہے۔ لہٰذا بچوں اور جوانوں کو اخلاقی اصولوں، پسندیدہ آداب و روایات اور افکار و اعمال سے نزدیک کرنے کی غرض سے، تربیت کے دوران اس عنصر (شوق و رغبت) سے استفادہ لازم ہے۔ تاکہ پہلے مرحلے میں وہ خود اپنے اندر ان چیزوں کی جانب میلان محسوس کریں، اسکے بعد اس میلان کے عملی نتائج ان کے وجود میں نمایاں ہوں اور بالآخر ان پر ایمان لائیں اور ان سے محبت کریں اور اس طرح ان کے دل و جان میں ایک نئی لذت اور شوق و اشتیاق پیدا ہو۔

قرآن نے دونوں طریقوں سے استفادہ کیا ہے

قرآن کریم جہاں جنت اور دوزخ کی بات کرتا ہے اور جہاں کچھ کاموں کی انجامدہی پر اکسانے والے اور کچھ کاموں سے روکنے والے عوامل کے عنوان سے انسانی مصالح ومفاسد کے بارے میں گفتگو کرتا ہے وہاں در حقیقت ان دونوں طریقوں (خوف و رجا) سے استفادہ کرتا ہے۔ کیونکہ یہ ایک طبیعی راستہ ہے جو انسان کے لئے فطری طریقے سے راہ ہدایت کی جانب میلان کو ممکن بناتا ہے۔ حتیٰ ایمان اور کفر کا مسئلہ بھی ان دونوں (ایمان و کفر) کے انسانی مستقبل سے مربوط ہونے اور اس پر ان کے مثبت اور منفی

اثرات کی بنا پر سامنے آتا ہے۔ اور انسان اس بنا پر ایمان کا راستہ اختیار کرتا ہے کہ کفر کی راہ چلنے میں خطا کا امکان پایا جاتا ہے۔ اور آخر کار اسکا ایمان گہرا ہو جاتا ہے اور اسکا فکری سفر اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ اسے اپنی پہلی رغبت سے دور ہو کے دوسری رغبت سے مرتبط ہو جانا چاہئے۔

بہر حال ہماری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ سزا وجزا کا مسئلہ اگرچہ بنیادی مسائل میں سے ہے، لیکن ہمیں اس سے استفادے کے اسلوب سے بخوبی واقف ہونا چاہئے۔ اور یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ ان دو اصولوں کو مکمل طور پر مادی اور مفاد پرستانہ مسئلہ نہ سمجھیں بلکہ اسے ایک ایسی فضا بخشیں جو انسان کی انسانی کرامت و فضیلت کو بھی ملحوظ رکھے اور اسی کے ساتھ ساتھ اسکے ذاتی محرکات کو بھی مہمیز کرے۔

زدوکوب کرنا چاہئے یا نہیں؟

☆ مغرب کے تربیتی مکتب میں مارپیٹ کو منفی اور ناپسندیدہ اعمال میں سے سمجھا جاتا ہے۔ اس بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

○ اس مسئلے کے بارے میں وسیع تحقیقات کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ کچھ لوگوں کی اصلاح کے سلسلے میں نہ ہی لفظی تلقین و تادیب موثر رہتی ہے اور نہ ہی اصلاح کا کوئی دوسرا طریقہ ان کے لئے کارگر ہوتا ہے۔ سوائے زدوکوب کرنے کے ان کو سدھارنے کی کوئی راہ باقی نہیں رہتی۔ البتہ مارپیٹ بھی اس طرح ہونی چاہئے جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ یعنی اسمیں ایذا رسانی اور سخت گیری کا مظاہرہ نہ ہو اور نہ ہی اس قدر زور سے مارا جائے کہ جلد سرخ ہو جائے۔ ان باتوں کا خیال رکھتے ہوئے مارنا کبھی کبھی لفظی تادیب سے زیادہ کارآمد اور موثر ہوتا ہے۔ کیونکہ پیش نظر مقصد تک پہنچنے کی لمبی مدت کو مختصر کر دیتا ہے۔

تربیت کے سخت ذرائع کا جائزہ لینے پر ہم انسانوں کی بعض خواہشات اور میلانات سے روکنے والے طریقوں کے درمیان کوئی فرق نہیں پاتے۔ مثلاً کسی بچے کو پڑھائی پر

توجہ دینے کی غرض سے اسکی پسندیدہ غذا یا دل پسند کھیل سے روکنا' یا اسے اپنی کسی عادت کی اصلاح اور سبق یاد کرلینے پر انعام دینا۔ یا اسکے برخلاف صورت میں اسے کمرے میں بند کردینا یا اس کے ساتھ سختی سے پیش آنا۔ یہ تمام طریقے بچے کو نفسیاتی نقصان پہنچاسکتے ہیں اور ممکن ہے اس طریقے سے اسے بعض خواہشات اور تمایلات کی پیروی سے روکنا' اسے دوسرے طریقوں سے ممانعت سے زیادہ گراں گزرے۔

ہم مار پیٹ کو مطلقاً کوئی صحیح طریقہ قرار نہیں دے سکتے اور ان (اہلِ مغرب) سے اس نکتے کے بارے میں کوئی خاص اختلافِ نظر نہیں رکھتے کہ اگر مارنے کی وجہ سے بچے کی نفسیات پر منفی اثرات مرتب ہوں مثلاً زدوکوب کرنا اسے نفسیاتی پیچیدگی میں مبتلا کردے' اسکی شخصیت کی بربادی کا سبب ہو اور اسے فطری اور انسانی نشوونما کے راستے سے ہٹادے' تو یہ عمل جائز نہیں۔

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا مارنا بطورِ مطلق ایک منفی عمل ہے؟ اور کیا نرمی اور ملایمت کا طریقہ بطورِ مطلق مثبت ہے؟

بچوں اور بڑوں کی نسبت سے تجربہ دلالت کرتا ہے کہ بسا اوقات جرائم کی روک تھام اور معاشرتی نظم وضبط کے استحکام کے لئے سختی لازم ہوجاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام میں تادیب کے لئے مارنے پیٹنے' برابھلا کہنے اور اہانت و تحقیر کرنے کی بات نہیں کی گئی ہے بلکہ اسلام نے تربیت کی ضرورتوں کی بات کی ہے۔ لہٰذا ہر وہ چیز جو تربیت کے لئے ضروری ہے (اس طرح کہ اگر اس سے استفادہ نہ کیا گیا تو برعکس نتیجہ برآمد ہوگا) جائز اور پسندیدہ ہے۔

مخلوط تعلیم کے خطرات

☆ مخلوط تعلیمی اداروں کے بارے میں اسلام کی رائے کیا ہے؟

○ بنیادی طور پر اسلام عدم اختلاط کا قائل ہے۔ اسکے برخلاف اختلاط کے طرفداروں کا دعویٰ یہ ہے کہ ایسا معاشرہ جہاں مردوزن کے درمیان فاصلہ ہو' وہاں

نفسیاتی' معاشرتی اور بسا اوقات اخلاقی نشوونما کے اعتبار سے منفی نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ کیونکہ عدم اختلاط کی بنا پر مرد و زن ایک دوسرے سے دور رہتے ہیں اور یہ دوریاں بعض اوقات بہت سے غیر حقیقی تخیلات و افکار کے فعال ہونے کا سبب بنتی ہیں۔ جبکہ اگر ان کی زندگی اجتماعی روابط کے لحاظ سے طبیعی اور معمول کی حالت میں تبدیل ہو جائے تو ان تخیلات کو تحریک دینے والے عوامل کا خود بخود خاتمہ ہو جائے۔

لیکن اس بارے میں ہمارا خیال یہ ہے کہ اگرچہ ممکن ہے ان کا مذکورہ بالا دعویٰ ایک حد تک درست ہو لیکن اخلاقی مسائل کے بارے میں تجربہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ جب بھی مرد و زن کے اختلاط میں اضافہ ہوا ہے' اخلاقی انضباط میں کمی واقع ہوئی ہے اور نفسیاتی مسائل پر ہیجان و اضطرار کی سی کیفیت طاری ہوئی ہے۔ کیونکہ خاص کر جوانی کے دور میں (مرد و زن کا) اختلاط بہت زیادہ تحریک کا سبب بنتا ہے۔ کیونکہ اس دور میں نوجوان (لڑکے اور لڑکیوں) کے اذہان پر جنسی مسئلہ بہت زیادہ غالب ہوتا ہے۔ اور اس صورتحال کے نتیجے میں اگر وہ عملی طور پر انحراف کا شکار نہ بھی ہوں تب بھی یہ چیز پیچیدہ نفسیاتی مسائل پر ضرور منتج ہوتی ہے۔

شاید یہی وجہ ہے کہ سماجی علوم کے بہت سے ماہرین کہتے ہیں: بہت مشکل سے یقین کیا جا سکتا ہے کہ مرد و زن کے درمیان پائی جانے والی دوستی مخلصانہ اور بے لوث ہو۔ کیونکہ جب بھی دوستی گرم جوشی کی حالت میں بدلتی ہے تو جنسی جبلت کو زن و مرد کی جسمانی دستیابی کے راستے کی طرف ابھارتی ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کا مشاہدہ عام طور پر کیا جا سکتا ہے۔

جب مغرب "جنسی آزادی" کو بھی آزادی کی ایک شاخ قرار دیتا ہے' اسے ایک طبیعی حالت اور معمول کی بات کے بطور پیش کرتا ہے' تو انہیں اس میں کوئی اخلاقی کراہت نظر نہیں آتی۔ بلکہ وہ لوگ عدم اختلاط اور مرد و زن کے درمیان آزادانہ میل ملاپ نہ پائے جانے کو منفی اثرات و نتائج کا سبب قرار دیتے ہیں۔ لیکن جب ہم کسی معاشرے میں ان سے مختلف اخلاقی اقدار کی اساس پر زندگی بسر کریں تو ان اخلاقی اقدار

اور اختلاط کے مسئلے کے درمیان بہت ہی مشکل سے ربط و ہم آہنگی پیدا کر سکتے ہیں۔ کیونکہ اختلاط ایسی فضا میں زندگی بسر کرنے والے انسانوں کے لئے بکثرت مشکلات ایجاد کرتا ہے۔

خواتین کا مختلف میدانوں میں کام کرنا

☆ ایسے میدانوں میں عورت کے کام کرنے کے بارے میں اسلام کی کیا رائے ہے' جو عورت کی طبیعت سے ہم آہنگ اور موافق نہیں؟

○ عورت' مرد کی مانند ہر حلال پیشہ اختیار کر سکتی ہے۔ شرعی لحاظ سے دونوں کا مسئلہ یکساں ہے۔ لیکن اس بارے میں کچھ تفصیلات پائی جاتی ہیں جن کا تعلق شادی شدہ خواتین سے ہے۔ کیونکہ شادی شدہ عورت پر ازدواجی زندگی اور اپنے مادرانہ فرائض کی بنا پر کچھ پابندیاں عائد ہوتی ہیں۔ بسا اوقات یہ پابندیاں تقاضا کرتی ہیں کہ عورت اپنے شوہر کی موافقت کے بغیر کوئی پیشہ اختیار نہ کرے۔

فکری نکتہ نظر سے' جس طرح اسلام نے مرد کو کسی بھی (حلال) کام سے نہیں روکا اسی طرح اس نے عورت کو بھی کسی (مناسب) پیشے سے منع نہیں کیا۔ اور جہاں اسلام عورت پر کام کرنے کے سلسلے میں کچھ اخلاقی پابندیاں عائد کرتا ہے وہیں مردوں پر بھی پابندیاں لگاتا ہے' اور جیسی اخلاقی فضا میں مردوں کو کام کرنے کی اجازت دیتا ہے ایسی ہی فضا میں عورتوں کے کام کرنے کو بھی روا سمجھتا ہے۔

بچوں کے طرز عمل کی پدرانہ نگرانی

☆ لڑکے اور لڑکیاں' والدین کی طرف سے اپنے افعال و اعمال کی نگرانی کو' اپنی ذاتی زندگی میں مداخلت سمجھتے ہیں۔ اس بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

○ نگرانی کا ایک طریقہ قدیم اور دقیانوسی طریقہ ہے' جو اس بات کا سبب بنتا ہے کہ زیر نگراں انسان خود کو گھٹن اور دباؤ کے ماحول میں محسوس کرتا ہے اور اپنے آپ کو چبھتی ہوئی اور متجسس نگاہوں کے حصار میں محصور پاتا ہے۔

اپنے جوانوں' طالب علموں اور اولاد کے معاملات سے واقفیت کے لئے ان کی نگرانی ایک ضروری امر ہے۔ لٰہذا اس نگرانی کے لئے مناسب طریقے اختیار کرنے چاہئیں تاکہ جوان لڑکوں اور لڑکیوں میں اس سلسلے میں ایسی حساسیت جنم نہ لے جو ان میں نفسیاتی پیچیدگیوں کا سبب بن جائے۔ سوائے یہ کہ بعض حالات میں ہم خود یہ چاہتے ہوں کہ ان پر نگرانی کا دباؤ بڑھایا جائے اور ان کی طرف سے اس انداز سے چوکنا رہا جائے کہ انہیں محسوس ہو کہ وہ ہماری تیز نگاہوں کے حصار میں ہیں تاکہ وہ انحراف کے راستے پر قدم نہ رکھیں اور ہماری نگاہوں سے زیادہ دور نہ جاسکیں۔ کیونکہ اگر ایسا نہ کیا جائے تو یہ چیز ان کی زندگی پر ناخوش آئند اثرات مرتب کرتی ہے۔

لیکن اگر نگرانی سے ہمارا مقصد' ان کے حالات جاننا اور ان کی کمزوریوں کا علم حاصل کرنا ہو' تاکہ انہیں ان سے آگاہ کر کے ان کی اصلاح کی جائے' تو اس طرح کی نگرانی کو ایسی معقول اور متوازن صورت میں ہونا چاہئے کہ ان کو نفسیاتی اذیت نہ پہنچائے اور انہیں وحشت زدہ اور مضطرب نہ کرے۔ شاید نگرانی کے دوران اس پہلو کا خیال نہ رکھنے ہی کی وجہ سے ہمیں کچھ ایسے بچے نظر آتے ہیں جو اپنے والدین یا اساتذہ کو بغض و عداوت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور یہ چیز انہیں اپنے والدین اور اساتذہ کی مشفقانہ نصیحتوں سے استفادے سے محروم کردیتی ہے۔

ہمیں اپنے بچوں اور طالب علموں کی تربیت اس طرح کرنی چاہئے کہ وہ ہمیں اپنا دوست سمجھیں اور اس مقصد کے لئے ایسے دانشمندانہ طریقے اپنانے چاہئیں جو ان کی شخصیت کو کچل کر نہ رکھ دیں۔

بچوں سے عادلانہ سلوک

☆ اسلام' والدین سے' اپنے بچوں کے ساتھ عادلانہ سلوک کا تقاضا کرتا ہے یا مساویانہ سلوک کا؟

○ اسلام میں عدل کو بنیادی مقام حاصل ہے اور مساوات (برابری) عدل کے مظاہر

میں سے ایک مظہر ہے۔ کبھی کبھی جذباتی مسائل میں بھی عدل کا اظہار ہوتا ہے اور ہمیں جذبات میں بھی اعتدال برتنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اس مضمون کو ہم رسول کریمؐ کے ایک قول میں پاتے ہیں۔ منقول ہے کہ آنحضرتؐ نے ایک باپ کو دیکھا جو اپنے دو بچوں میں سے صرف ایک کا بوسہ لے رہا تھا۔ یہ دیکھ کر آپؐ نے فرمایا کہ اس دوسرے بچے کا بھی بوسہ لو تاکہ اسکے دل میں تمہارے یا اپنے بھائی کے بارے میں عداوت پیدا نہ ہو۔

لہٰذا عدالت کا مسئلہ ان بنیادی مسائل میں سے ہے جنہیں والدین کو اپنے بچوں کے ساتھ طرز عمل میں ملحوظ رکھنا چاہئے۔ البتہ بسا اوقات عدل کے راستے پر چلتے ہوئے مساوات سے چشم پوشی کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ ایسا اس صورت میں ہوتا ہے جب ایک بچہ دینی، علمی، اخلاقی یا والدین کی فرمانبرداری و اطاعت شعاری کے اعتبار سے دوسرے بچوں سے ممتاز ہوتا ہے۔ اس موقع پر ہمیں دوسرے بچوں کو یہ شوق و رغبت دلانے کی خاطر کہ وہ بھی اپنے آپ کو اسکی مانند بنائیں، اس بچے کو دوسرے بچوں پر ترجیح دینی چاہئے۔

اس عمل کے ذریعے ہم ان کے درمیان مقابلے اور مسابقت کی فضا ایجاد کرسکتے ہیں۔ لیکن اس معاملے میں حکمت اور دانشمندی کی ضرورت ہے تاکہ کسی بچے کے ذہن میں یہ خیال جنم نہ لے کہ میرے والد مجھ سے زیادہ میرے بھائی سے محبت کرتے ہیں۔

معصومؑ کا عمل اسکے جواز کی علامت ہے، وجوب کی نہیں

☆ پیغمبرؐ اور ائمہ معصومینؑ کی جس تاسی کا تقاضا کیا گیا ہے، کیا اسکے معنی یہ ہیں کہ ہم ان کے کردار و اعمال کی ہو بہو نقل کریں، یا اس میں زمان و مکان، زمانے کی ترقی، اسکی تبدیلیوں اور اسکی ضروریات کو بھی مدنظر رکھنا چاہئے؟

○ جب ہم پیغمبر اکرمؐ اور ائمہ معصومینؑ کی تاسی کرنا چاہیں تو ضروری ہے کہ ان کے عمل کی زمانی اور مکانی شرائط کا بھی مطالعہ کریں۔ ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ انہوں نے جو عمل انجام دیا کیا اسکی بنیاد کوئی مطلق قدر ہے، جس کا کسی خاص زمان و مکان سے تعلق

نہیں ہے' یا کچھ خاص زمانی و مکانی حالات نے انہیں اس عمل کی انجامدہی پر آمادہ کیا ہے لہٰذا جب اس سے مختلف حالات ہوں گے تو شاید اس عمل کی تاسی کا مسئلہ باقی نہ رہے گا۔ بالکل اسی طرح جس طرح "عنوانِ اولیٰ" سے پیدا ہونے والے شرعی حکم کا معاملہ ہوتا ہے کہ جب "عنوانِ ثانوی" پیش آتا ہے تو اسکی مصلحت کی وجہ سے یہ حکم بھی تبدیل ہو جاتا ہے۔

لہٰذا پیغمبر اسلامؐ یا امامؑ نے جو بھی عمل انجام دیا ہو' وہ اس عمل کے واجب ہونے پر دلالت نہیں کرتا بلکہ یہ اس عمل کے صرف جوازِ شرعی کی دلیل ہے کیونکہ ایک عمل کبھی واجب ہے اور کبھی مستحب۔

لہٰذا اگر ہم کہیں پڑھیں کہ پیغمبر اسلامؐ نے فلاں عمل انجام دیا' آپؐ نے فلاں طرز عمل کا مظاہرہ کیا' تو ہم پر لازم ہے کہ اس بات کا بھی جائزہ لیں کہ یہ عمل کن خاص حالات کے زیر اثر انجام دیا گیا تھا؟ اور یہ کہ کیا اسکی انجامدہی میں بنیادی طور پر زمانی و مکانی حالات کا دخل تھا' یا خود اس عمل میں موجود ذاتی عناصر اسکی انجامدہی کی وجہ ہے؟

تاسی کے معنی پیروی ہے' ہو بہو نقل نہیں

لہٰذا تاسی کوئی مطلق مفہوم نہیں رکھتی۔ بلکہ ضروری ہے کہ آنحضرتؐ سے صادر ہونے والے ہر عمل کا (علیحدہ علیحدہ) جائزہ لیا جائے۔

وضاحت کی غرض سے عرض ہے کہ بعض مواقع پر پیغمبرؐ دعوت و تبلیغ کے لئے خاص اسلوب اپناتے تھے اور کبھی اس سے مختلف اسلوب کی ضرورت ہوتی تھی۔ یعنی پیغمبر اکرمؐ دعوت کی ضرورت کی مناسبت اور زمانی اور مکانی حالات کے پیش نظر ایک خاص اسلوب اختیار کرتے تھے اور کبھی کبھی کچھ دوسرے حالات اور متفاوت ضروریات پیش آتی تھیں جن کی بنا پر آنحضورؐ کسی اور اسلوب سے استفادہ کرتے تھے۔

لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ صدر اسلام میں اسلامی دعوت کے کام کے لئے کسی منظم تحریک کی ضرورت نہ تھی لیکن بعد میں پیش آنے والے حالات نے اس ضرورت کا تقاضا

کیا۔ کیونکہ اغیار کی صف آرائی کے نتیجے میں پیدا ہونے بڑے بڑے چیلنجوں نے ہمیں اسلامی اصول و پیمانوں کی اساس پر ایسی تحریک منظم کرنے پر مجبور کردیا ہے۔

اس گفتگو کا مطلب یہ نہیں ہے کہ گزشتہ تاریخ میں جس چیز کا ذکر نہ ملے وہ بدعت کے عنوان سے حرام ہے۔ یا اسکے برخلاف جس چیز کو بھی گزشتہ تاریخ میں پائیں اسے بغیر کسی قیدو شرط کے مطلقاً قبول کرلیا جائے۔ بلکہ ہم پر لازم ہے کہ جدید مسائل کا اسلام کے فکری و عملی خطوط سے ہم آہنگی یا ناہم آہنگی کے لحاظ سے مطالعہ کریں۔ نیز اس بات کی بھی تحقیق کریں کہ جو کچھ گزشتہ زمانے میں تھا وہ زمانی و مکانی حالات یا دوسری شرائط کے تابع تھا یا ایک ایسا قانون تھا جس کا زمان و مکان کی تبدیلی سے کوئی تعلق نہیں اور ہر زمان و مکان میں یکساں طور پر لاگو ہوگا۔

مغربی تمدن سے مرعوب ہو جانا

☆ مغربی تمدن کی ترقی اور صنعت و ٹیکنالوجی کے میدانوں میں ان کی پیشرفت کی وجہ سے پیدا ہونے والی مرعوبیت نے ہماری معاشرتی حیات پر بہت سے اثرات مرتب کیے ہیں' جن میں کسی شک و تردید کی گنجائش نہیں۔ جناب عالی کی نگاہ میں یہ مثبت و منفی آثار کون کون سے ہیں؟

○ مغرب کی مادی ترقی اپنی مختلف شکلوں' رنگوں اور نگاہوں کو خیرہ کردینے والی چمک دمک سے دوسروں کو مرعوب کردیتی ہے۔ بالخصوص ایسے ضعیف النفس افراد کو جو خود کو ضعیف و ناتواں سمجھتے ہیں' جنہیں اپنی قدرت و طاقت کا ادراک ہی نہیں بلکہ ہمیشہ اپنے کمزور نکات ان کے پیش نظر ہوتے ہیں۔ یہ مرعوبیت اور ضعف کا احساس انہیں طاقتوروں اور مستکبروں کے سامنے عاجزی اور سرنگونی پر ابھارتا ہے۔

لہٰذا' یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم قرآنی اسلوب و روش سے استفادہ کریں جو ہم سے کہتا ہے کہ طاقتوروں کی کمزوریوں اور مستکبروں کی شخصیت میں موجود منفی عناصر کی جانب اپنی توجہ مبذول کریں۔ اس اسلوب کے مطابق ہمیں چاہئے کہ مغربی

تمدن میں موجود تمام کمزوریوں اور اس تہذیب کے تمام انحراف آمیز نکات کو نظر میں رکھتے ہوئے ان کا موازنہ اسلامی تمدن کے قوی عناصر اور اسلامی تہذیب کے مثبت نکات سے کریں۔ تاکہ نسلِ جواں اور تمام دوسرے انسانوں کو اس مرعوبیت سے نجات دلا سکیں۔ بالخصوص ایسے حال میں جبکہ مغربی تمدن نے کمزور اقوام اور اسلامی معاشروں پر جارحانہ یلغار کی ہوئی ہے۔

مغربی تمدن سے مرعوبیت اور اس کے مقابل عاجزی اور سرنگونی کی حالت کے خاتمے کے لئے ہم سیاسی مسائل سے بھی استفادہ کرسکتے ہیں اور مغرب کے وحشیانہ اور غیر انسانی طرزِ عمل کی جانب توجہ مبذول کرا کے' مغربی تمدن کے دوسرے رخ سے پردہ اٹھا کر اس مرعوبیت سے انسانوں کو نجات دلا سکتے ہیں جو ان کے خوشنما بہروپ کو دیکھ کر جنم لیتی ہے۔

شاید مذکورہ معنی کو ہم امیر المومنینؑ کے اس کلام سے اخذ کرسکیں' جس میں آپؑ نے دنیا کے بارے میں فرمایا ہے کہ : ومن ابصر بھا بصرتہ' ومن ابصر الیھا اعمتہ (جو کوئی نگاہ بصیرت سے اسے دیکھے اسے بینا بنادے اور جو اسے منظور نظر بنالے اسے اندھا کردے۔ نہج البلاغہ - خطبہ ۸۰)

لہٰذا ایسا شخص جو دنیا کی ظاہری شکل وصورت پر نظر رکھتا ہے' دنیا اسے اندھا کردیتی ہے۔ اور جو کوئی اسے عبرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور دنیا کے ظواہر کو عبور کر کے اسکے باطن اور اسکی حقیقت تک پہنچ جاتا ہے' اسکے سامنے دنیا کی خرابیاں آشکارا ہو جاتی ہیں۔ اسی اسلوب کو اپنا کر ہم مغربی تمدن کی حقیقت اور اسکے منفی نکات کو سمجھ سکتے ہیں۔

تقلید اور نقالی

☆ دوسروں کی تقلید اور نقالی جوانوں کی زندگی پر بہت زیادہ اثرانداز ہونے والی چیز ہے۔ بہت سے جوان بڑے لوگوں' کھلاڑیوں' فلمی ستاروں اور مشاہیر کی تقلید کرتے ہیں۔ آپ تقلید کے اس عمل کو کس حد تک مثبت یا منفی سمجھتے ہیں؟

○ کبھی کبھی تقلید ایک منفی امر ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ایسے مواقع پر تقلید کسی فکری بنیاد پر استوار نہیں ہوتی جو اس عمل یا موقف پر انسان کے یقین کا سبب ہو جس کی وہ تقلید کر رہا ہے۔ یہ چیز انسان کو دوسروں کی نقالی کرنے والا بنا دیتی ہے۔ اور وہ اپنی ذات اور اپنی فکر کا مالک نہیں رہتا۔ یہ بات انسان کی فکری' ذہنی اور علمی نشوونما اور اسکے مستقبل پر اثرانداز ہوتی ہے۔ کیونکہ ایسا شخص اپنے افکار و عقائد (جو اسے فکری' علمی اور عملی بنیاد عطا کرتے ہیں) سے غذا لینے کی بجائے دوسروں پر نظریں گاڑے رہتا ہے' یہاں تک کہ خود اپنی حیثیت سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔

اپنے آباؤ اجداد کی تقلید کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے اسلام اسی امر کی جانب متوجہ کرتا ہے۔ کیونکہ اپنے اسلاف سے اخلاف کا جذباتی تعلق ان سے اعتمادِ نفس اور فکری استقلال سلب کر لیتا ہے اور وہ اپنے آباؤ اجداد سے ملنے والی فکری' شعوری اور جذباتی روایات کے سوا کسی دوسری بات کو قبول کرنے سے کتراتے ہیں۔

اس صورتحال کے نتیجے میں ان کا فہم و شعور' ان کے آباؤ اجداد کی سوج بوجھ ہی تک ٹھہر کے رہ جاتا ہے۔ اور آنے والی نسلیں محض ان کی فکر کی تعظیم و تقدیس کیا کرتی ہیں اور خود اپنے آپ کو اور دوسروں کو اس بات کی اجازت نہیں دیتیں کہ وہ ان کے اسلاف کے افکار و آراء کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھیں اور ان کے بارے میں کسی قسم کے تردد کو بھی روا سمجھیں' چہ جائیکہ انہیں مسترد کریں۔

فنکاروں کی تقلید

آج ہم نسل نو میں ایک اور قسم کی تقلید کا مشاہدہ بھی کر رہے ہیں۔ یہ تقلید مرد و زن فنکاروں' گلوکاروں' گلوکاراؤں اور ایسے افراد کی تقلید ہے جو اس نسل کے احساسات اور جذبات کو اپنی طرف جذب کرنے کی صلاحیت کے مالک ہیں۔ حد یہ ہے کہ آج کے جوان محض ان کی تقلید اور نقالی کی خاطر اپنی معاشرتی اور اخلاقی اقدار و روایات سے سرکشی کرتے ہیں۔ انہیں اس بات کی یکسر پروا نہیں کہ یہ تقلید ان کی زندگی پر کیا مثبت یا

منفی اثرات ڈالے گی۔ ان کی نگاہ میں مناسب و موافق اور متضاد و مخالف اقدار و روایات کے درمیان کوئی فرق نہیں بلکہ ان کی نظر میں اہم چیز اپنے محبوب فنکار (Star) کے انداز و اطوار ہیں۔

لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ وہ لوگ جو نسل نو کو گمراہی کے راستوں پر ڈالنے کے لئے نت نئے پروگرام بنانے کے کام پر مامور ہیں' وہ اس طریقے سے جوانوں کی ایک کثیر تعداد کو اپنی مطلوبہ راہوں کی جانب مائل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ جوان اپنی ان فکری بنیادوں سے محروم ہو جاتے ہیں جو انہیں ان کی تہذیب و تمدن کی جڑوں سے مربوط کرتی اور ان کے سامنے جدید آفاق کے دروازے کھولتی ہیں۔

اسوۂ حسنہ

بسا اوقات ہم دیکھتے ہیں کہ تقلید مثبت اثرات مرتب کرتی ہے۔ اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب لائق و شائستہ افراد اور اخلاقی' روحانی' سیاسی اور جہادی میدانوں کی نمایاں شخصیات کی تقلید کی جائے۔ اس صورت میں مقلدین کا اپنی ماڈل ہستی سے ارتباط (اس کی تعظیم و تقدیس کے سبب) انہیں اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ اس شخصیت کے مسلک اور راستے پر قدم رکھیں اور جن کمالات کو اس نے کسب کیا ہے انہیں یہ بھی حاصل کریں۔ اور جن اقدار کی وہ پابند ہے' یہ بھی انہیں اپنائیں۔ دوسرے مرحلے میں ان میں ان اقدار کی بنیاد بننے والی فکر کی تقویت انہیں ان افکار کا دفاع کرنے پر ابھارتی ہے۔

یہ وہی چیز ہے جس کا ذکر اسوۂ حسنہ اور نمونہ عمل کے عنوان سے آیا ہے اور کلام الٰہی ہے : لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (تمہارے لئے رسول کی زندگی میں بہترین نمونہ عمل ہے۔ سورہ احزاب ۳۳ - آیت ۲۱)

کیونکہ انسان پسندیدہ کردار کا مجذوب ہو جاتا ہے' اسے نمونہ عمل قرار دیتا ہے اور اسکے بعد اس کردار کو اپنی شخصیت میں رچا بسا لیتا ہے۔ جیسا کہ شاعر کہتا ہے۔

"فتشبهوا ان لم تکونوا مثلهم"

"ان التشبه بالکرام فلاح"

"تم ان کی مانند نہ بھی ہو تب بھی ان کی سی شباہت اختیار کرو۔ کیونکہ بزرگوں کی مشابہت کامیابی (کا موجب) ہے"۔

امام علی کی ایک حدیث میں بھی پڑھتے ہیں :

"ان لم تکن حلیما فتحلم فانہ قل من تشبہ بقوم الا اوشک ان یکون منهم"

"اگر تم بردبار نہیں بھی ہو تب بھی بردباری کا مظاہرہ کرو کیونکہ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کوئی کسی قوم کی شباہت اختیار کرے اور اس جیسا نہ ہو جائے۔" (نہج البلاغہ۔ کلمات قصار ۲۰۷)

مثبت تقلید حتیٰ اگر کسی محکم فکری بنیاد پر استوار نہ بھی ہو تب بھی آہستہ آہستہ انسان کی شخصیت میں ایک طبیعی حالت میں تبدیل ہو جاتی ہے، جیسے کہ کہا جاتا ہے : الطبع قد یغلب التطبع فی بعض الاحیان (کبھی کبھی اکتسابی عادات و اطوار افراد کی طبیعت پر غالب آجاتے ہیں)۔

البتہ یہاں اہم مسئلہ یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو اس بات کا عادی بنائے کہ دوسروں کی جو منفی یا مثبت باتیں وہ اپنائے ان کا سرچشمہ اس کی فکر اور شعور ہو، ایسا نہ ہو کہ وہ محض دوسروں کی نقالی میں ان کی باتیں اختیار کرے۔

مختصر یہ کہ نمونہ عمل اور مثالی ہستی و ماڈل کے مثبت ہونے کی صورت میں تقلید و پیروی و تاسی لوگوں کو ایسے مطلوبہ اور پسندیدہ فضائل سے مربوط کرنے کا ایک قابل اعتماد اسلوب ہے جن سے وہ اس سے قبل کوئی ارتباط نہ رکھتے ہوں، اور قابل تقلید نمونہ پیش کرنے کے ذریعے ان کا ان اقدار سے ارتباط قائم کیا جا سکتا ہے۔ ان نمونوں اور ماڈلز کے ذریعے لوگوں کو منفی اقدار و روایات، عادات و اطوار کی دستبرد سے محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔ اور اسکے بعد اعلیٰ انسانی اقدار کو فکری اور روحانی جہات سے ان کی شخصیت میں

مستحکم کیا جا سکتا ہے۔

تاثیر پذیری اور شیفتگی کے سرچشمے

لیکن اگر منفی مسائل میں تقلید کی جاری ہو تو ہمیں چاہئے کہ جوانوں کو اس تقلید کے منفی آثار اور ناخوش آیند نتائج کی جانب متوجہ کر کے انہیں اس سے نجات دلائیں۔ اور اگر وہ کسی اسوۂ حسنہ کے مقلد ہوں تو ہمیں چاہئے کہ پہلے مرحلے میں اس تقلید پر ان کی حوصلہ افزائی کریں اور دوسرے مرحلے میں جب اس تقلید کے نتیجے میں وہ مثبت نکات ان کی شخصیت میں ٹھہرنے کی جگہ پالیں تو انہیں گہرائی دینے کی کوشش کریں اور ان سے ان کے محاسن اور منافع کے بارے میں گفتگو کریں اور انہیں یہ بتائیں کہ انہیں اپنانے والے لوگ ہی تعریف و تحسین کے لائق ہیں اور جن لوگوں نے ان خوبیوں کو نہیں اپنایا وہ ملامت و مذمت کے مستحق ہیں۔

تربیت کے لئے بکثرت تجربات کے نچوڑ کی ضرورت ہے۔ تاکہ جوان کو پسندیدہ اور زندہ نمونوں سے مربوط کیا جائے اور اسکے بعد اعلیٰ اقدار و فضائل کو اسکے باطن کی گہرائیوں میں بٹھا دیا جائے۔ تاکہ اس میں عقائد' افکار اور اعلیٰ اقدار و فضائل کی حامل ایک شخصیت وجود میں آجائے۔

جب یہ اقدار و فضائل اسکی روح میں گھر کرلیں' تو اسے سمجھائیں کہ فلاں (آئیڈیل) شخصیت میں موجود پسندیدہ صفات اور فضائل و کمالات اسکی فضیلت اور اسے حاصل مقام و منزلت کا سبب ہیں نہ کہ پسندیدہ صفات اور فضائل و کمالات اس بنا پر قدر و قیمت کے حامل ہیں کہ یہ صاحب فضیلت شخصیت ان کی حامل ہے۔ اور یوں شخصیات کی عظمت اور ان کے مقام کی بلندی کو ان کے اعلیٰ اقدار و فضائل سے آراستہ ہونے سے وابستہ کریں' نہ کہ اعلیٰ اقدار اور فضیلتوں کی اہمیت اور قدر و قیمت کو ان کے حامل اشخاص کی عظمت اور مقام سے وابستہ قرار دیں۔

لہٰذا' ضرورت اس بات کی ہے کہ نوجوانوں میں پسندیدہ اور زندہ نمونہ ہائے عمل کی

تقلید و تاسی کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ یہ تربیت کے مختلف طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے۔ جس کے ذریعے کثیر وقت اور محنت کو بچایا جا سکتا ہے۔ البتہ اس اسلوب اور طریقے سے استفادے کے دوران نہایت توجہ اور احتیاط لازم ہے تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ تمام اہتمام مطلق تقلید کی حوصلہ افزائی اور اسکی جانب ترغیب کے لئے ہے اور یہ بات واضح رہے کہ تقلید سے مراد ہر قسم کی تقلید نہیں' بلکہ صرف معین اور مثبت تقلید پیش نظر ہے' اور وہ بھی ایسے لوگوں کے لئے جو تقلید کے راستے پر قدم رکھے بغیر ابتداہی سے مسئلے کی تہہ تک پہنچنے سے عاجز ہیں۔

تقلید کے خلاف فکری یلغار

☆ آج کے معاشرے میں ہم مشاہدہ کر رہے ہیں کہ جوانوں کو تقلید کی ترغیب دینا چنداں طبیعی اور کامیاب طریقہ نہیں رہا ہے' کیونکہ دشمن (فلموں' کلب' اور کھیل کود کے مقابلوں جیسے) بکثرت وسائل و امکانات کا مالک ہے اور ان کے ذریعے اپنے مقاصد کے حصول کے لئے کوشاں ہے۔ ان پر کشش وسائل و ذرائع کے مقابل کیا ہمارے پاس ایسے متبادل موجود ہیں جن سے اسلامی تحریک کے اراکین اور مصلحین استفادہ کر کے جوانوں کی رہنمائی درست اور صحیح تقلید کی جانب کر سکیں؟

○ ہماری ذمے داری ہے کہ تقلید کی اساس اور اسکے مختلف اسالیب اور طریقوں کے خلاف فکری یلغار کریں۔ اس عمل میں نسلِ جوان کو اندھی تقلید کے منفی اثرات و نتائج کی جانب متوجہ کرنا بھی شامل ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ ایسے مناسب حالات بھی پیدا کریں جو نوجوانوں کو مثبت اور زندگی ساز مسائل کے بارے میں اہتمام کی جانب مائل کریں اور اگر تقلید ان کے لئے ناگزیر ہو جائے تو پسندیدہ اور شائستہ ماڈلز کی تقلید و تاسی کی جانب ان کی رہنمائی کریں۔

تربیت کے بہت سے طریقوں اور وسائل کا نقص یہ ہے کہ وہ ناپسندیدہ چیزوں کی رد اور مذمت پر اکتفا کرتے ہیں اور ان کے لئے کوئی متبادل وضع نہیں کرتے۔ لہٰذا اگر

ہم جدید فیشن کے کسی حیاسوز لباس کے استعمال سے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو باز رکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں جدید فیشن کے لباس پہننے کی مذمت نہیں کرنی چاہئے بلکہ کوشش کرنی چاہئے کہ اس نامناسب لباس کی جگہ ایسے لباس کے استعمال کی ترغیب دیں جو اسلامی اقدار اور اخلاقی اصولوں سے ہم آہنگ ہونے کے ساتھ ساتھ نوجوانوں کے جدید فیشن کی جانب رجحان کے جذبے کی تسکین بھی کرے۔

اور اگر غیر اخلاقی فلموں سے نوجوانوں کو دور کرنا چاہتے ہیں تو فلم سازی کے دروازے بند کرنے کی بجائے ہماری ذمے داری ہے کہ اخلاقی' سماجی اور سیاسی موضوعات پر فلمیں تیار کریں جو فنی لحاظ سے اس پائے کی ہوں کہ جوانوں کو اپنی طرف مائل کرسکیں۔ ان فلموں کو فنی اعتبار سے دوسری فلموں سے پیچھے نہیں ہونا چاہئے۔ ان اقدامات کے دوران یہ بات ہمیشہ ملحوظ رکھنی چاہئے کہ ہمارے جوان اس پہلو سے خلا سے دوچار نہ ہوں۔

☆ کیا مغرب کی تقلید کسی بھی حالت میں درست اور مناسب نہیں؟

○ طبیعی بات ہے کہ دوسروں کے علمی' عملی اور فکری تجربات کا مطالعہ کرتے وقت ہمیں انہیں اسلامی اصولوں کے پیمانے پر جانچنا چاہئے۔ اب اگر مغرب میں کوئی ایسی چیز نظر آتی ہے جو اسلامی اصولوں سے ہم آہنگ ہو (جس کا مقصد انسان کو زیادہ سے زیادہ ترقی اور تکامل کی ترغیب دینا ہے) تو اس چیز سے استفادہ بجا ہے۔ اس اعتبار سے کہ یہ چیز ایک ایسی مثبت روایت ہے جس پر ہمارے اسلاف کاربند تھے اگرچہ آج ہمارا معاشرہ اس سے بے بہرہ ہے اور ہمارے معاشرے میں اسکے ظہور کے حالات ابھی ناپید ہیں۔

اسکے برخلاف اگر ہمیں مغرب کی کوئی چیز اسلام کی بنیادی اقدار و مفاہیم سے متصادم نظر آئے۔ جیسے وہاں کی بے لگام آزادی اور اسی کی مانند دوسری چیزیں ۔۔۔ تو ہمیں اسلامی اقدار و روایات اور مغربی اقدار و روایات کی سرحدوں کو جدا جدا کرکے ان کی حد فاصل کو معین کرنا چاہئے۔

اس گفتگو سے واضح ہے کہ ہم مغرب کو کلی طور پر اور یکسر مسترد نہیں کرتے اور

خواہ مخواہ پوری دنیا کے مخالف نہیں۔

ہم سمجھتے ہیں کہ دنیا میں ایسی بہت سی چیزیں ہیں جنہیں ہم سیکھ سکتے ہیں اور ہمارے پاس بھی ایسی بکثرت چیزیں موجود ہیں جنہیں دنیا کو ہم سے سیکھنا چاہئے۔ بیرونی دنیا سے ہمارا ربط و تعلق ہمارے لئے فائدہ مند ہے' اسی طرح غیروں کا ہم سے ربط وضبط قائم کرنا ان کے مفاد اور مصلحت میں ہے۔ ہم اسلام کی راہ پر کاربند ہیں' جو ہمیں تعلیم دیتا ہے کہ جس کسی کے پاس پسندیدہ اور اچھی چیز پاؤ' اسے سیکھ لو: اطلبوا العلم ولو فی الصین (علم حاصل کرو چاہے وہ چین میں ہو) اسی طرح حدیث ہے : الحکمة ضالة المومن (حکمت مومن کی گمشدہ متاع ہے۔)

البتہ یہ بات ملحوظ رہے کہ جس چیز کو ہم سیکھنا چاہتے ہیں اسکا انتخاب چھان پھٹک کے بعد کریں' یعنی وہ ایسی چیز نہ ہو جو ہمیں اپنے ایمان اور عقیدے سے دور کردے۔

ضمیمہ احادیث (۳)

تعلیم و تربیت کے بارے میں

☆ "قال رسول الله (ص) : النظر فی وجہ العالم حبالہ عبادة"

رسول اللہؐ نے فرمایا : عالم کو محبت بھری نظر سے دیکھنا، عبادت ہے۔

☆ "وقال (ص) : مجالسة اھل الدین شرف الدنیا والاخرة"

آپؐ ہی نے فرمایا : اہلِ دین کے ساتھ نشست برخاست، دنیا اور آخرت کے شرف و منزلت کا باعث ہے۔

☆ "عن ابی عبدالله (ع) قال : قال رسول الله (ص) : یجیء الرجل یوم القیامة، وله من الحسنات کالسحاب الرکام، اوکالجبال الرواسی، فیقول : یارب انی لی ھذا ولم اعملھا؟ فیقول : ھذا علمک الذی علمته الناس، یعمل به من بعدک"

ابی عبداللہؑ نے فرمایا : روز قیامت ایک انسان گھرے بادلوں اور جمے ہوئے پہاڑوں کی مانند اپنے نیک اعمال کے ساتھ حاضر ہو گا اور کہے گا : پروردگار! یہ اتنے اعمال تو میں نے انجام نہیں دیئے، پس یہ کس طرح میرے ہوئے؟ جواب آئے گا : یہ وہ علم و دانش ہے جو تم نے لوگوں کو سکھایا تھا، اور ان لوگوں نے تمہارے بعد اس پر عمل کیا تھا۔

☆ "وعن ابی جعفر (ع) قال : من علم باب هدی فله مثل اجر من عمل به ولا ینقص اولئک من اجورهم شیئاً، و من علم باب ضلال کان علیه مثل اوزار من عمل به ولا ینقص من اوزارهم شیئاً"

ابی جعفرؑ نے فرمایا : جو کوئی کسی دوسرے کے سامنے ہدایت کا ایک دروازہ کھولے گا' اسے اس علم پر عمل کرنے والے شخص کے برابر اجر ملے گا' اور اس عمل کرنے والے کے ثواب میں ذرہ برابر کمی نہ کی جائے گی۔ اور جو کوئی کسی کو گمراہی کا راستہ دکھائے گا' تو اسکا گناہ اس شخص کے گناہ کی مانند ہوگا جو گمراہی پر گامزن ہوا ہوگا اور اسکے گناہ میں سے بھی کچھ کم نہیں کیا جائے گا۔

☆ "یقول الامام زین العابدین (ع) فی حقوق الاساتذہ المربین : وحق سایسک بالعلم : التعظیم له' والتوقیر لمجلسه' وحسن الاستماع الیه' والاقبال علیه' وان لا ترفع علیه صوتک' ولا تجیب احداً یساله عن شیء حتی یکون هو الذی یجیب' ولا تحدث فی مجلسه احداً، ولا تغتاب عنده احداً، وان تدفع عنه اذا ذکر بسوء' وان تستر عیوبه' وتظهر مناقبه' ولا تجالس له عدواً، ولا تعادله ولیاً فاذا فعلت ذلک' شهدلک ملائکة الله بانک قصدته' وتعلمت علمه لله جل اسمه' لا للناس"

امام زین العابدینؑ نے اساتذہ و مربی حضرات کے حقوق کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرمایا : متعلم اور شاگرد کے ذمے معلم و مربی کا حق یہ ہے کہ : اسکی تعظیم کرے' مجلس میں اسکا احترام کرے' اسکی گفتگو کان لگا کر سنے' اسکی موجودگی میں اسکی جانب متوجہ رہے' اپنی آواز اسکی آواز سے بلند نہ کرے' جب کوئی اس سے سوال کرے تو خاموش رہے تاکہ وہ خود جواب دے' اسکی موجودگی میں کسی دوسرے سے بات چیت نہ کرے' کسی سے اس کی غیبت نہ کرے' اگر کسی جگہ اس کی برائی کی جا رہی ہو تو اسکا

دفاع کرے' اسکے نقائص کی پردہ پوشی کرے' اسکی اچھائیوں کو نمایاں کرے' اسکے دشمن سے میل جول نہ رکھے' اسکے دوستوں سے دشمنی نہ کرے۔ اگر کسی نے ایسا کیا تو اسکے بارے میں فرشتے گواہی دیں گے کہ اس شخص نے محض خوشنودی خدا کے لئے علم حاصل کیا تھا۔

☆ "وعن حقوق الطلبة والمتعلمين' يقول (ع) : واما حق رعينك بالعلم' فان تعلم ان الله عزوجل انما جعلك قيما لهم فيما اتاک من العلم' وفتح لک من خزائنه' فان احسنت فی تعليم الناس ولم تخرق بهم' ولم تضجر منهم' زادک الله من فضله' وان انت منعت الناس علمک او خرقت بهم عند طلبهم العلم منک' کان حقا على الله عزوجل ان يسلبک العلم و بهاء ه' ويسقط من القلوب محلک"

آپ ہی نے طلبا اور دانش آموزوں کے حقوق کے بارے میں فرمایا : تمہارے شاگرد کا تمہارے ذمے پر یہ حق ہے کہ تمہارے علم میں ہونا چاہئے کہ خداوند عالم نے جس علم سے تمہیں نوازا ہے اور اپنے جن خزانوں کے دروازے تم پر کھولے ہیں اس میں تمہیں ان کا سرپرست بنایا ہے' تو اگر تم نے لوگوں کو اچھی طرح تعلیم دی' نرمی سے کام لیا اور ان سے سختی سے پیش نہ آئے تو خدا اپنے فضل سے تمہارے علم میں اضافہ فرمائے گا۔ اور اگر تم نے لوگوں کو اپنے علم سے فیضیاب کرنے میں کوتاہی کی اور تعلیم دینے کے دوران ان سے سختی سے پیش آئے تو خداوند عالم کو حق ہے کہ تم سے تمہارا علم اور اسکی قدروقیمت سلب کر لے اور لوگوں کے دلوں سے تمہاری قدرو منزلت ختم کر دے۔

سعادت و نیک بختی کے بارے میں

☆ "قال رسول الله (ص) : السعيد من اختار باقية يدوم نعيمها على فانية لا ينفد عذابها"

رسول اللہؐ نے فرمایا : وہ شخص نیک بخت افراد میں سے ہے جو بے پایاں نعمتوں کے حامل سرائے باقی (آخرت) کو اس دارِ فانی (دنیا) پر ترجیح دے، جس کا عذاب باقی رہنے والا ہے۔

☆ "وقال (ص) : اربع من سعادة المرء : الخلطاء الصالحون، والولد البار، والمراة المواتية، وان تكون معيشته فى بلده"

آپؐ ہی نے فرمایا : انسان کی خوش بختی میں سے ہے کہ اسکا میل جول صالح لوگوں سے ہو، نیک کردار اولاد اور ہم دل وہم ساز بیوی ہو اور اسکا پیشہ اور ذریعہ معاش اسکے اپنے شہر میں ہو۔

☆ "وقال الامام على (ع) : السعادة ما افضت الى الفوز"

امام علیؑ نے فرمایا : حقیقی نیک بختی وہ ہے جو کامیابی سے ہم کنار کرے۔

☆ "وقال (ع) : السعيد من وعظ بغيره"

آپؑ ہی نے فرمایا : نیک بخت وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے۔

☆ "وقال (ع) : انما السعيد من خاف العتاب فامن، ورجا الثواب فاحسن، واشتاق الى الجنة فادلج"

آپؑ ہی نے فرمایا : خوش بخت انسان تو بس وہی ہے جو عذاب سے ڈرے اور ایمان لے آئے، ثواب کی امید میں نیک اعمال بجالائے اور جنت کے اشتیاق میں راتیں جاگ کر بسر کرے۔

☆ "وقال (ع) : السعيد من اخلص الطاعة"

آپؑ ہی نے فرمایا : خوش بخت ہے وہ، جو اخلاص کے ساتھ اطاعت کرے۔

☆ "وقال (ع) : اعملوا بالعلم تسعدوا"

آپؑ ہی نے فرمایا : علم پر عمل خوش بختی کا موجب ہے۔

☆ "وقال (ع) : من حاسب نفسه سعد"

آپؑ ہی نے فرمایا : محاسبہ نفس کرنے والا خوش بخت ہے۔

☆ "وقال(ع) : دوام العبادة برهان الظفر بالسعادة"

آپؑ ہی نے فرمایا : خدا کی عبادت میں پائیدار رہنا نیک بختی کی علامت ہے۔

☆ "وقال(ع) : من السعادة التوفيق لصالح الاعمال"

آپؑ ہی نے فرمایا : سعادت و خوش بختی میں سے یہ بھی ہے کہ انسان اعمالِ صالحہ انجام دینے کی توفیق پیدا کرے۔

☆ "وقال (ع) : ان حقيقة السعادة ان يختم المرء عمله بالسعادة' وان حقيقة الشقاوة ان يختم المرء عمله بالشقاء"

آپؑ ہی نے فرمایا : حقیقی سعادت اور خوش بختی یہ ہے کہ انسان کے اعمال کا اختتام سعادت پر ہو اور حقیقی شقاوت یہ ہے کہ انسان کے اعمال کا انجام بدی اور بد بختی پر ہو۔

☆ "وقال(ع) : سعادة المرء القناعة والرضا"

آپؑ ہی نے فرمایا : انسان کی سعادت' قناعت اور راضی برضا رہنے میں ہے۔

سماعت کے بارے میں

☆ "قال الامام علی (ع) : اذا لم تكن عالما ناطقا' فكن مستمعا واعيا"

امام علیؑ نے فرمایا : اگر تم گفتگو کرنے والے عالم نہیں ہو تو ایک اچھے سامع بنو۔

☆ "وقال(ع) : وقر قلب لم يكن له اذن واعية"

آپؑ ہی نے فرمایا : ایسا شخص جو سننے والے (اور ہدایت پذیر) کان نہ رکھتا ہو' سنگدل ہو جاتا ہے۔

☆ "وقال (ع) : جعل لكم اسماعا لتعى ما عناها' وابصارا لتجلو عن عشاها"

آپؑ ہی نے فرمایا : خداوند عالم نے سماعت کو اس لئے بنایا ہے تاکہ انسان اپنے سے

متعلق بات کو سنے اور آنکھوں کو اس لئے بنایا ہے تاکہ راستے اور گڑھے میں فرق کر سکے۔

☆ "وقال(ع) : رحم الله امرء سمع حكما فوعى ' ودعى الى رشاد فدنا ' واخذ بحجزة هاد فنجى"

آپؑ ہی نے فرمایا : خدا ایسے شخص پر رحم فرمائے جو حکمت پر مبنی کلام سنے تو اسے قبول کرے ' اور جب راہ ہدایت کی طرف بلایا جائے تو اسے اختیار کرے ' اور ہدایت دینے والوں کے امر و نہی کو سنے اور نجات پائے۔

☆ "وقال الامام الحسن (ع) : ان ابصر الابصار مانفذ فى الخير مذهبه ' واسمع الاسماع ماوعى التذكير وانتفع به"

امام حسنؑ نے فرمایا : بینا ترین آنکھ وہ ہے جو نیکی اور نیکوکاری کا راستہ اختیار کرے اور شنوا ترین گوش وہ ہے جو سنے اور اس سے استفادہ کرے۔

۴

جوان اور سیاسی و تنظیمی سرگرمیاں

سیاست کے بارے میں منفی موقف

☆ مشہور قول "ہماری سیاست عین دیانت ہے اور ہماری دیانت عین سیاست ہے" کے برعکس بکثرت جوان ایسے ہیں جو سیاست کو بری نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس بارے میں جناب عالی کیا فرماتے ہیں؟

○ نہیں جناب بعض جوان سیاست سے گریز نہیں کرتے بلکہ ایک خاص قسم کی سیاست 'پیچیدہ سیاسی حالات یا ان سیاسی رہنماؤں سے گریزاں رہتے ہیں جو ان کی خواہشات اور اہداف ومقاصد کے حصول کے لئے کوئی ٹھوس لائحہ عمل نہیں رکھتے۔ اسی طرح سیاسی جماعتوں کا طرز عمل اور سیاسی تنظیموں کی داخلی پیچیدگیاں بھی ان جماعتوں میں نوجوانوں کی عدم شمولیت اور سیاست سے دوری کے عوامل میں سے ہیں۔

ہمیں بعض ایسے نوجوان بھی ملتے ہیں جو سیاست کے بارے میں منفی تصور رکھنے کی وجہ سے سیاسی اداروں میں شمولیت سے پرہیز کرتے ہیں۔ یہ منفی تصور یہ لوگ یا تو اپنے ماحول سے اخذ کرتے ہیں یا اپنے مطالعے سے 'یا معاشرے میں سیاست کو بری نگاہ سے دیکھے جانے سے جیسے یہ مقولہ کہ سیاست دھوکا' فریب' جھوٹ اور نفاق کا نام ہے۔ لہذا انسان کو لازماً اس سے دور رہنا چاہئے وغیرہ وغیرہ۔

بسااوقات جوانوں میں سیاست سے گریز کا ایک اور سبب سیاست میں پیش آنے

والی دشواریوں سے ان کا خوف اور ان کا اندرونی طور پر کمزور ہونا ہے۔

لہٰذا ہمارے خیال میں مذکورہ بالا عناصر میں سے کم از کم کوئی ایک عنصر سیاست کے بارے میں جوانوں کے منفی طرزِ عمل کی بنیاد ہوتا ہے۔ اس بنا پر دعوت و سیاست کے میدان میں سرگرمِ عمل افراد کا فرض ہے کہ ایک تو وہ امتِ اسلامی کی سیاست سے تعلق رکھنے والے نمایاں خطوط نوجوانوں کے سامنے روشن کریں اور دوسرے یہ کہ انہیں جہاد، راہِ خدا میں ایثار و فداکاری اور تقربِ الٰہی کے درخشاں نتائج سے آگاہ کریں تاکہ اس راہ کی مشکلات اور خطرات ان کے پائے ثبات میں لغزش کا سبب نہ بنیں۔

شاید، سیاست کے بارے میں منفی موقف کی بنیادی وجہ مکر و فریب، جھوٹ اور خیانت پر مبنی وہ رائج سیاست ہے جس نے سیاست کو ایک ایسے عمل کے طور پر متعارف کرایا ہے جس کا اخلاق سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اور اب یہ مقاصد کے حصول کے لئے ایک ایسے طریقۂ کار کا روپ دھار چکی ہے جس میں کسی اخلاقی اصول اور ضابطے کی پابندی ضروری نہیں۔ جبکہ دین کا مفہوم عظیم معنوی اقدار سے جنم لیتا ہے۔ جس میں للّٰہیت اور ان اخلاقی، سماجی اور معنوی اقدار کی راہ میں جدوجہد پنہاں ہے جو آسمانی شریعتوں میں سے کسی ایک شریعت سے ہم آہنگ ہوں۔ اور یہی امر دینی اور لادینی سیاست کو ایک دوسرے سے جدا کرتا ہے۔

لیکن دین اور سیاست کا باہمی تعلق، سیاست اور دین کے معاشرے میں رائج مفہوم سے مطابقت نہیں رکھتا۔ رائج مفہوم میں دین صرف عبادات کے تنگ دائرے میں منحصر ہے اور اسے زندگی کی حقیقتوں سے کوئی سروکار نہیں۔ حالانکہ زندگی کی حقیقتوں کو انسان کے داخلی پہلو سے جدا نہیں کیا جاسکتا ہے اور وہ لامحالہ انسان کے خارجی پہلو میں، اسکے انفرادی اور اجتماعی طرزِ عمل میں منعکس ہوتا ہے۔ عوامی طرزِ فکر کے مطابق، دین کے اثرات کا دائرہ انسان کے انفرادی پہلو تک محدود ہے اور زندگی کے اجتماعی مسائل یا دورانِ حیات سامنے آنے والے طرح طرح کے چیلنجوں میں دین کا کوئی کردار نہیں۔

دین کا راستہ عدل ہی کا راستہ ہے

دین اور عدل کی ہمراہی کو دیکھتے ہوئے' یہاں تک کہا جا سکتا ہے کہ عدل پورے دین کا نچوڑ ہے۔ لہٰذا لازم ہے کہ ہم خود اپنی ذات کے ساتھ عدالت کو ملحوظ رکھیں' خود اپنے اوپر ظلم کے مرتکب نہ ہوں۔ تاکہ دنیا و آخرت کی تباہی سے محفوظ رہیں۔

لہٰذا ایک ایسا انسان جو پروردگار پر ایمان کی دولت سے مالا مال ہو' اسکا مطیع و فرمانبردار ہو اور جسکی حیات' الٰہی تعلیمات کے مطابق بسر ہو' اس نے اپنے نفس کے ساتھ عادلانہ سلوک کیا ہے۔ کیونکہ اس نے خود کو دنیا اور آخرت کی کامرانی و کامیابی کا موجب بننے والے راستے پر لگایا ہے۔

اسی طرح انسان کا اپنے رب سے تعلق و ارتباط عدل کے محور پر استوار ہے۔ کیونکہ ایک ایسا انسان جو اس بات پر ایمان رکھتا ہو کہ اللہ رب العزت' پروردگار عالم' خالق کل اور منبع نعمت ہے اور وہی ہے جس نے اسکے لئے تمام چیزوں کو مہیا کیا ہے اور پوری کائنات پر اسی کا تسلط اور اقتدار ہے تو وہ (ایسا انسان) اس خدا کے بارے میں عادلانہ رویہ اپناتا ہے۔ اور اس مقام پر عدل کا تقاضا یہ ہے کہ صرف اسی کی پرستش کی جائے' کسی کو اسکا شریک قرار نہ دیا جائے' اسی کی اطاعت کی جائے' اس کی نافرمانی نہ کی جائے' خدا کی مشیت اور ارادے کے ساتھ خود کو ہم آہنگ کیا جائے' اسکے برخلاف عمل سے اجتناب کیا جائے' رضائے الٰہی کے لئے کوشاں رہا جائے اور اسکے قہر و غضب کا موجب بننے والے کاموں سے پرہیز کیا جائے۔ کیونکہ خدا کا اپنے بندوں پر حق یہ ہے کہ بندہ (عبادت کے لفظ میں پوشیدہ) تمام معنی میں خدا کا عبد خالص ہو اور اپنی بندگی اور خدا کی ربوبیت کے مقام کو پہچانے اور اسے ملحوظ رکھے۔ اس بات کو قرآن کریم ان الفاظ میں پیش کرتا ہے:

"وما کان لمومن ولا مومنة اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لهم الخیرة من امرهم"

"اور کسی مومن مرد یا مومن عورت کو اختیار نہیں ہے کہ جب خدا اور اسکا رسول کسی امر کے بارے میں فیصلہ کردیں تو وہ اپنے امر کے بارے میں صاحب اختیار رہے۔" (سورہ احزاب ۳۳ ۔ آیت ۳۶)

لہٰذا خدا اس بات کا بھی مستحق ہے کہ اسکا بندہ ہر معاملے میں اسکا مطیع و فرمانبردار رہے۔ اگر وہ کفر' شرک یا معصیت کے باعث خدا کی اطاعت سے روگرداں ہوا تو اس نے خدا پر ظلم کیا ہے۔ اس مفہوم کو ہم ان نصائح میں پاتے ہیں جو حضرت لقمانؑ نے اپنے فرزند کو کیں۔ آپؑ نے فرمایا : یا بنی لاتشرک باللہ ان الشرک لظلم عظیم۔ (بیٹا! خبردار کسی کو خدا کا شریک نہ بنانا کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ سورہ لقمان ۳۱ ۔ آیت ۱۳)

اسی طرح ایک انسان کا دوسرے انسان سے تعلق بھی عادلانہ تعلق ہے۔ کیونکہ خداوندعالم نے ہر انسان کے ذمے دوسرے انسانوں کا حق قرار دیا ہے۔ اور زندگی دراصل لوگوں کے درمیان حقوق کے تبادلے کا میدان ہے۔ لہٰذا یہاں کسی کو بھی' حتیٰ انبیاء کو بھی صرف حق ہی حق حاصل نہیں ہے۔ بلکہ انبیاء کا لوگوں پر حق یہ ہے کہ لوگ ان پر ایمان لائیں' ان کی دعوت پر لبیک کہیں' ان کی مدد و نصرت کریں۔ جبکہ لوگوں کا بھی انبیاء پر حق ہے اور وہ یہ کہ انبیاء انہیں حق کی دعوت دیں' ان کی رہنمائی کریں' ان کا تزکیہ کریں' انہیں تعلیم دیں' وغیرہ وغیرہ۔۔

یہی وجہ ہے کہ خداوندعالم اپنے رسولؐ سے تقاضا کرتا ہے کہ امت کو تبلیغ کا حق ادا کریں۔ اس بات کو ہم اللہ تعالیٰ کے اس قول میں پاتے ہیں کہ : یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ (اے رسول ! آپ اس حکم کو پہنچا دیں جو آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور اگر آپ نے یہ نہ کیا تو گویا اس کے پیغام کو نہیں پہنچایا۔ سورہ مائدہ ۵ ۔ آیت ۶۷)

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ "تبلیغ" دراصل پیغمبر کی ایک ذمہ داری ہے اور اس حق کی علامت ہے جو لوگ ہدایت و رہنمائی اور تعلیم و تربیت وغیرہ کے سلسلے میں انبیاء

اور اسی طرح ائمہ' اولیا اور علما پر رکھتے ہیں۔

اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ خداوند تعالیٰ' جسے تمام لوگوں پر مطلق حق حاصل ہے اور کسی بندے کا اس پر کوئی حق نہیں ہے' اس کے باوجود وہ اپنے بندوں پر فضل کرتے ہوئے ان کے لئے اپنے اوپر ایک حق قرار دیتا ہے اور فرماتا ہے: ولوفوا بعھدی اوف بعھد کم (اور ہمارے عہد کو پورا کرو ہم تمہارے عہد کو پورا کریں گے۔ سورہ بقرہ ۲۔ آیت ۴۰)

اس بنیاد پر جس کسی انسان نے دوسرے کا حق ادا کیا اس نے اسکے ساتھ عدل کیا اور جو کوئی بھی دوسرے کا حق ادا نہ کرے وہ ظلم کا مرتکب ہوا ہے۔ اس بات کو آگے بڑھائیں تو نظر آتا ہے کہ حقوق کا مسئلہ ہمیشہ عدل اور ظلم سے مرتبط ہے۔ لہٰذا جب ہم انسان کے اردگرد کے ماحول اور اس کے اس سرزمین سے جہاں وہ زندگی بسر کرتا ہے ربط و تعلق پر نگاہ ڈالتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ یا تو اس نے ان سے اچھا سلوک کیا ہے اور یا برا۔ اللہ رب العزت ماحول اور زندگی کو پھلتا پھولتا دیکھنا پسند کرتا ہے۔ اور اس نے ان کی نشو و نما کی ذمے داری انسان کے سپرد کی ہے۔ اور یہ چیز ماحول اور زندگی کے بارے میں انسان کو ذمے دار قرار دیتی ہے۔ جیسے کہ انسان بھی تکوینی طور پر ماحول اور زندگی پر حق رکھتا ہے۔ اس مفہوم کو ہم خداوند عالم کے اس قول سے اخذ کرتے ہیں جس میں ارشاد ہوتا ہے: لقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معھم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط (بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل کے ساتھ بھیجا ہے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان کو نازل کیا ہے تاکہ لوگ انصاف کے ساتھ قیام کریں۔ سورہ حدید ۵۷۔ آیت ۲۵)

اس آیت میں ہم دیکھتے ہیں کہ تمام ادیان' رسالتیں اور انبیاء عدل کی راہ پر گامزن رہے ہیں۔

سیاست اور عدالت کا تعلق خود دین ہے

جب ہم یہ بات جانتے ہیں کہ عدالت مردان سیاست کے لئے جذب و کشش رکھتی

ہے۔ کیونکہ سیاست دوسرے انسانوں اور حیات سے انسانوں کے تعلق کی ایک ایسے نظام کے دائرے میں تنظیم وتدبیر کی ذمے دار ہے جس میں ان روابط وتعلقات کو معین کیا گیا ہو۔ خواہ یہ نظام ثابت ہو جو قانون کی شکل میں انسانوں کے باہم ایک دوسرے پر عائد ہونے والے حق کو معین کرے، خواہ متغیر نظام ہو جو حکمراں اور رعیت کی سرگرمیوں کی صورت میں روزمرہ مسائل میں ظاہر ہوتا ہے۔

یہ وضاحت ہو جانے پر ہم باآسانی یہ بات جان لیں گے کہ سیاست اور عدالت کا باہمی تعلق ایک دینی مسئلہ ہے۔ یعنی تمام دینی مفاہیم، قوانین اور اعمال میں عدل پنہاں ہے اور درحقیقت دین عین عدل ہے۔ اس بنا پر ہمارے لئے لازم ہے کہ حاکم و محکوم قانون اور انسان، انسان اور زمین اور ماحول اور حیوانات، الغرض تمام اشیاء کے باہمی تعلق میں عدل کی حدود کا خیال رکھیں۔ یوں ہم پر یہ حقیقت روشن ہوتی ہے کہ بغیر سیاست کے عدل کا قیام ناممکن ہے۔ کیونکہ سیاست ہی عدالت کے قیام اور غلبے کی عملی راہوں کو معین کرتی اور اسکے ظہور کا سامان فراہم کرتی ہے۔

سیاست اور اخلاق

یہاں ایک اور مسئلہ پیش آتا ہے۔ وہ مسئلہ یہ ہے کہ بعض اوقات پیچیدہ حالات میں سیاست اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اخلاقی اصولوں کو نظرانداز کردیا جائے اور ان سے بے اعتنائی برتی جائے۔ مثلاً دوسروں کا ناشائستہ طرزِ عمل مجبور کردیتا ہے کہ آپ بھی ان کے ساتھ غیراخلاقی رویہ اپنائیں۔ کیونکہ آپ اخلاقی اصولوں پر کاربند رہ کر ان کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ حتیٰ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کا دشمن اس مقدس اصول کو آپ کے خلاف استعمال کرے جس پر آپ ایمان رکھتے ہیں اور اسکے ذریعے آپ پر ضرب لگائے اور آپ کو گھیر لے۔

ایسے مواقع پیش آجانے کی صورت میں، اسلام نے ان سے نجات کی راہ دکھائی ہے اور ان استثنائی حالات اور ضرورتوں کے لئے حکم بیان کیا ہے۔ مثال کے طور پر بسا

اوقات حالات کی سنگینی اور دشواری آپ کو مجبور کر دیتی ہے کہ آپ سچ بولنے کی بجائے جھوٹ سے کام لیں۔ یہ عمل اس وقت قابل قبول ہے جب اسلام کے ارفع مفادات یا انسانوں کی بھلائی دروغ گوئی کا تقاضا کرے۔ کیونکہ بعض حالات میں راست گوئی فریق مخالف کے لئے آپ کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھانا ممکن بنا دیتی ہے اور اگر یہ کمزوریاں ظاہر ہو جائیں تو آپ مخالف قوتوں کے دباؤ میں آجاتے ہیں۔ اسی طرح اگر مصلحت کا تقاضا ہو تو ممکن ہے بسا اوقات "غیبت" یا "تجسس" بھی ضروری ہو جائے۔

اگر اسلام کی مصلحت کا تقاضا ہو اور مسلمان یہ محسوس کریں کہ حقائق تک رسائی کے لئے انہیں ایک اطلاعاتی نظام درکار ہے۔ اور یہ بندوبست اس حد تک لازم ہو جائے کہ اگر مسلمانوں کے پاس اطلاعات کا یہ نظام نہ ہو تو دشمن اپنی ایجنسیوں کے توسط سے مسلمانوں پر چھا جائیں گے' وہ مسلمانوں کے تمام امور سے واقف ہوں گے جبکہ مسلمانوں کو ان کے بارے میں کچھ بھی علم نہ ہوگا۔ تو ایسی صورت میں "جاسوسی" کے لئے بندوبست فرض ہے۔ کبھی کبھی ممکن ہے ایسے ہی استثنائی حالات میں مسلمان بعض ایسے (بے گناہ) مسلمانوں کے قتل پر مجبور ہو جائیں جنہیں دشمن نے مسلمانوں پر غلبے کے حصول کے لئے اپنی ڈھال بنایا ہوا ہو۔

انتہائی اہم مسائل میں تو ہدف وسیلے کی توجیہ کرتا ہے لیکن ذاتی' انفرادی اور عام مسائل میں ہدف کو وسیلے کی توجیہ کرنے والا سمجھنا درست نہیں۔ یعنی صرف بڑے بڑے مسائل میں کسی حرام وسیلے کا حلال ہو جانا اور مباح وسیلے کا واجب ہو جانا ممکن ہے۔

لہٰذا ہم اس بات کے معتقد ہیں کہ اسلامی سیاست میں اصولاً تو صداقت' راستی اور اخلاقی روش کی پابندی کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے لیکن اگر ایسے دشوار حالات جنم لیں جو اس راہ کے سوا کسی اور راستے کو اسلام کی مصلحت قرار دیں' تو اس تازہ صورتحال کی پیدا کردہ مصلحتوں کے نتیجے میں ایک نیا سیاسی اخلاق وجود میں آئے گا۔

سیاست اور شریعت

اسلامی شریعت میں احکام عنوانِ اولیہ اور عنوانِ ثانویہ کے مالک ہوتے ہیں۔ لہٰذا

بھی ایک چیز عنوانِ اولی کی رو سے تو حلال ہوتی ہے لیکن عنوانِ ثانوی کی رو سے حرام ہو جاتی ہے۔ اس بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ اسلام اپنے بطن میں سیاست لئے ہوئے ہے۔ جس موقع پر سیاست' محرمات اسلامی کی حدود میں رخصت کی ضرورت محسوس کرے تو صاحبان امر پر لازم ہے کہ موضوع کا گہری نظر سے جائزہ لیں اور مصلحت کی تشخیص کے بعد اسکی بنیاد پر مناسب قدم اٹھائیں۔

اسلام کی نگاہ میں سیاست اخلاقی اصولوں سے جدا ایک حقیقت نہیں۔ اسی بنیاد پر ہم کہتے ہیں کہ ہمارا دین عین سیاست ہے۔ کیونکہ دین زندگی میں انسانی طرز عمل اور راہ و روش کا تعین کرتا ہے۔ اسی طرح ہماری سیاست عین دیانت ہے کیونکہ سیاست میں اجتماعی میدانوں میں انسانی سرگرمیاں پیش نظر ہوتی ہیں۔ اور جس طرح دین میں رخصت دی گئی ہے اسی طرح سیاست میں بھی رخصت دی گئی ہے۔

جوان اور سیاسی وابستگی

☆ سیاسی جماعتوں' تحریکوں اور تنظیموں کا یہ عام رویہ ہے کہ وہ جوانوں کے جوش و خروش اور فعالیت کو اپنے مقاصد کے حصول کے لئے استعمال کرتی ہیں۔ نوجوانوں کی سیاسی تحریکوں سے وابستگی کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے اور اس بارے میں آپ کیا ہدایات دینا پسند فرمائیں گے؟

○ جوانی 'حرکت اور فعالیت کا دور ہے۔ اس دور میں جوان ایک ایسے ہدف (goal) اور مقصد کی تلاش میں ہوتا ہے جسے اپنا نصب العین قرار دے۔ اور ایک ایسے گروہ کا متلاشی ہوتا ہے جس سے خود کو وابستہ کرے اور ایسے وسائل وذرائع کے کھوج میں ہوتا ہے جن کے ذریعے اپنے عمل کا راستہ معین کرے۔ اس بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ سیاست ایک اہم مسئلہ ہے اور ان وسائل میں سے ہے جن کا تمام معاشرتی حقائق سے گہرا ربط ہے' خواہ ان کا تعلق حکومت اور حکام سے ہو' خواہ قانون اور سیاسی روابط سے' خواہ استعمار کی معاندانہ سرگرمیوں اور استکبار کی غاصبانہ کوششوں کے نتیجے میں سامنے آنے

والے سیاسی چیلنجوں سے۔

جب امت مسلمہ ان تمام (مثبت اور منفی) مسائل سے دوچار ہے تو اس پر لازم ہے کہ اپنی قدرت، ثبات اور استحکام کے لئے مثبت عناصر کی پرورش اور ان کی تقویت وتکامل کے لئے بھرپور جدوجہد کرے اور منفی عناصر کے اثرات کم کرنے اور ان کے پھیلاؤ اور وسعت کو روکنے کے لئے حتی الامکان کوشش کرے۔

امت اسلامیہ اس وقت تک یہ مقاصد حاصل نہیں کر سکتی جب تک وہ اپنے جوانوں کی قوتوں اور صلاحیتوں سے استفادہ نہ کرے۔ کیونکہ جوان اپنی طبیعت اور عنفوان شباب کی خصوصیات کی بنا پر ان چیلنجوں کا سامنا کرنے اور ان کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

لہٰذا امت اسلامیہ کو بڑے بڑے مسائل میں جوانوں کی طاقت کو متحرک کرنا چاہئے۔ اگر امت یہ چاہتی ہے کہ جوان یہ کردار ادا کریں اور وہ انہیں اس کردار کی انجامدہی کے لئے تیار کرے، یا جوان از خود اس کردار کی ادائیگی کے لئے آمادہ ہوں، تو اسے چاہئے کہ ایک طرف تو ان تحریکوں اور تنظیموں کی فکری، سیاسی اور عملی کیفیت اور ماہیت کا اس لحاظ سے مطالعہ کرے کہ وہ کس حد تک بنیادی فکری اور عقیدتی اصولوں سے ہم آہنگ ہیں۔ اور دوسری طرف یہ دیکھے کہ یہ جماعتیں اور تنظیمیں امت مسلمہ کے مسائل کے حل اور اسکے مقاصد کو جامہ عمل پہنانے کے سلسلے میں کیا منصوبہ بندی اور پروگرام رکھتی ہیں۔ اس کے علاوہ اسے ان کی لیڈر شپ اور اس سیاسی محور (تنظیم تحریک، جماعت) کے فعال اور نمایاں لوگوں کو بخوبی پہچاننا چاہئے اور ان کے حقیقی محرکات (Motive) اور سرگرمیوں کا بھی گہرا مطالعہ کرنا چاہئے۔

لہٰذا جوانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے سیاسی محور (تنظیم، تحریک، جماعت) کی تمام پوشیدہ اور آشکارا خصوصیات کا گہرائی کے ساتھ جائزہ لیں، یہاں تک کہ انہیں اس بات کا اطمینان ہوجائے کہ ان کی توانائیاں ضائع نہیں جائیں گی اور انہیں کسی کی ذاتی خواہشات اور رجحانات کی بھینٹ نہیں چڑھایا جائے گا، اور وہ باطل مقاصد کے لئے نعرہ

حق استعمال کرنے والوں کے آلہ کار نہیں بنیں گے۔ اسی طرح انہیں ایسے دوسرے امور پر بھی گہری نظر رکھنی چاہئے جو لوگوں کی مخلصانہ کوششوں اور توانائیوں کے زیاں کا موجب ہوتے ہیں اور انہیں مذموم مقاصد کے لئے استعمال کرنے کا سبب بنتے ہیں۔

ہم جوانوں کو یہ نصیحت بھی کریں گے کہ تمام مسائل کا انتہائی ہوشیاری کے ساتھ جائزہ لیں اور مذکورہ بالا امور کا سبب بننے والے سیاسی حقائق کا تمام پہلوؤں سے خوب اچھی طرح مطالعہ کریں۔ کیونکہ میدان سیاست میں طرح طرح کے گڑھے' کھائیاں اور وادیاں آتی ہیں' جنہیں پہچاننا نہایت ضروری ہے تاکہ وہ حرکت اور سکوت کے دوران اپنے قدم رکھنے کے لئے مضبوط جگہ کا انتخاب کر سکیں۔

خوف کی وجہ سے شمولیت

☆ بعض جوان کچھ جماعتوں میں اپنی شمولیت کی وجہ خوف یا جہل کو قرار دیتے ہیں۔ اس بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟

○ انسان فروعی اور غیر بنیادی نوعیت کے اجتماعی و انفرادی مسائل کے بارے میں تو شاید تساہل سے کام لے سکے اور ان میں اپنے ذاتی مثبت یا منفی محرکات کی بنیاد پر عمل کر سکے۔ لیکن تقدیر ساز مسائل میں' یعنی ایسے منصوبوں اور پروگراموں میں جو پوری امت کے مفاد سے تعلق رکھتے ہیں اور جہاں افراد معاشرہ کی طاقتیں مل جل کر عمل کرتی ہیں' وہاں اس پر مثبت یا منفی پہلو سے مکمل ذمے داری عائد ہوتی ہے۔ جیسے کسی ایک یا دوسری سیاسی جماعت سے تعلق قائم کرنا' اس گروہ سے یا اس گروہ سے جنگ کرنا' یا حکومت کو کوئی خاص راستہ اپنانے کے لئے متوجہ کرنا وغیرہ۔

خداوند عالم' ہر انسان (اور مسلمان جوان) کا معاشرے میں رونما ہونے والی خرابیوں سے اسکے تعلق اور ان کی روک تھام کے سلسلے میں اسے حاصل طاقت و قدرت کے بقدر مواخذہ کرے گا۔ لہٰذا انہیں خدا کو اپنے ہر ہر عمل کا نگراں سمجھنا چاہئے' اسی طرح ان کا یہ بھی فرض ہے کہ امت کے حال اور مستقبل کی ذمہ داری اپنے کاندھوں پر

اٹھائیں۔

دین و سیاست کی جدائی

☆ بعض لوگ کہتے ہیں کہ دین اور سیاست کی جدائی سے مراد یہ ہے کہ ان دونوں کا تعلق مخصوص دائروں سے ہے۔ یعنی سیاست کا دائرہ علیحدہ ہے اور دین کا دائرہ علیحدہ۔ کیا آپ کے خیال میں یہ تقسیم صحیح ہے؟

○ دین انسان کی دنیوی زندگی سے علیحدہ نہیں' اسی طرح سیاست بھی انسانی حیات کے کسی محدود دائرے سے مخصوص نہیں۔ لہٰذا جب دین پوری زندگی پر محیط ہے تو ہم کیونکر اسے کسی مخصوص گوشے میں محدود کر سکتے ہیں؟ اسی طرح جب ہم یہ مانتے ہیں کہ سیاست کا دامن پوری زندگی پر پھیلا ہوا ہے' تو پھر اسے زندگی کے کسی خاص گوشے سے مخصوص کس طرح کیا جا سکتا ہے؟

کسی چیز کو اسی وقت کسی معین میدان سے مخصوص قرار دیا جا سکتا ہے جب اس میں صرف وہی محدود خصوصیات پائی جائیں جو اس معین میدان سے مخصوص ہوں۔ لیکن ایسی چیز جو صرف ان خصوصیات تک محدود نہ ہو اور زندگی کے تمام مسائل اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہو' تو اسکے بارے میں کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ وہ کسی خاص میدان میں منحصر ہے؟

ہاں' علمِ دین اور علمِ سیاست میں تخصیص کا پایا جانا ممکن ہے۔ البتہ علمی لحاظ سے تخصیص ایک علیحدہ چیز ہے اور کردار کی ادائیگی کے حوالے سے تخصیص ایک دوسری چیز۔ اور اس میں اور یہ کہنے میں بہت فرق ہے کہ دین کا کردار ایک مخصوص دائرے میں محدود ہے جس کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں اور سیاست کا دائرہ بھی اس قدر تنگ ہے کہ دین کا اس سے کوئی ربط نہیں۔ کیونکہ دین پوری انسانی حیات پر اثر رکھتا ہے' جس میں سیاسی پہلو بھی شامل ہے' نیز سیاست بھی پوری انسانی زندگی میں موثر ہے اور دینی پہلو بھی اس میں شامل ہے۔

خواتین اور سیاسی سرگرمیاں

☆ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسلام نے سیاسی میدان میں عورت کے ساتھ ظلم کیا ہے' کیونکہ اسے قاضی ہونے' حکومت کی سربراہی اور بعض دوسری سیاسی سرگرمیوں سے روکا ہے۔ اس بارے میں جناب عالی کی رائے کیا ہے؟

○ ہمارے خیال میں 'اسلام نے سیاسی میدان میں عورت کو بہت سے حقوق عطا کئے ہیں۔ اگر شریعت اسلام نے عورت کو قاضی (Judge) بننے سے روکا ہے' تو اس بات کو اس پہلو میں عورت کے حقوق کو کم کرنا نہیں شمار کرنا چاہئے۔ بلکہ اسکی وجہ عدالت کے سلسلے میں احتیاط کو ملحوظ رکھنا ہے۔ اس حکم کی بنیاد یہ امکان ہے کہ عورت کے جذبات' جو اسکی جنس کا خاصہ اور اسکی ماتا کے لئے لازم ہیں اسکے عدالتی فیصلوں پر اثر انداز ہوں اور فیصلہ کرتے وقت اسکے کسی ایک یا دوسری سمت جھکاؤ کا سبب بن جائیں۔

لہٰذا عدل و انصاف کے سلسلے میں احتیاط کو ملحوظ رکھنے کی غرض سے عورت کو قاضی بننے سے روکا گیا ہے۔ یہ قانون عورت کی عزت و کرامت کو کم نہیں کرتا۔

تاہم عورت کے سربراہ حکومت نہ ہوسکنے کا مسئلہ بھی شاید مذکورہ بالا مسئلے کی مانند ہی قابل توجیہ ہو۔ اس حکم کو وضع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حکمرانی کے عمل میں کچھ خاص پیچیدگیاں اور دشواریاں پائی جاتی ہیں' جو عورت کی اخلاقی اور فطری خصوصیات سے سازگار نہیں۔ اس گفتگو سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ عورت اور مرد کے درمیان پائے جانے والے فطری فرق کی وجہ سے یہ حکم وضع کیا گیا ہے۔

عورت کا سربراہِ حکومت ہونا

☆ واضح طور پر فرمایئے کہ کیا اسلام عورت کے لئے وزارت عظمیٰ یا حکومت کی سربراہی کو حرام قرار دیتا ہے؟

○ اس موضوع پر نئے سرے سے بحث و گفتگو کی ضرورت ہے۔ بعض احادیث (جو ہماری نظر میں معتبر نہیں مزید یہ کہ زیر بحث موضوع پر ان کی دلالت کے بارے میں بھی

نزاع پایا جاتا ہے) کہتی ہیں : ماافلح قوم ولتھم امراۃ (ایسی قوم کامیابی و کامرانی نہ پاسکے گی جس نے عورت کو اپنا حاکم اور والی قرار دیا ہو)

بالفرض اگر یہ حدیث صحیح ہو بھی تو پچھلے زمانوں کے طرز حکومت کے بارے میں درست ہوگی جس میں سربراہ حکومت مطلق اختیارات کا مالک ہوتا تھا۔ لیکن عصر حاضر کے طرز حکومت میں بہت سے ادارے حکمراں پر نظر رکھتے ہیں اور اسکے اعمال و افعال کا محاسبہ کرتے ہیں' یہاں تک کہ حاکم ان قانونی اور واقعی خطوط سے قدم باہر نہیں نکال سکتا جنہیں ماہرین کی کونسل یا پارلیمنٹ وغیرہ مصلحت کے پیش نظر ضروری قرار دیتے ہیں۔

لہذا انسان اس قسم کی احادیث کے مفہوم کو محتاط نگاہ سے دیکھ سکتا ہے۔ کیونکہ محسوس کرتا ہے کہ اس بارے میں نئی تحقیق کی ضرورت ہے' تاکہ یہ پتا چل سکے کہ اس حکم کی وجہ اس خاص مقام کے لئے عورت کی نااہلی اور اس میں اس مقام کے لئے مطلوب صلاحیت کا نہ پایا جانا ہے یا اس حکم کا تعلق طرز حکومت کے مطلق یا مقید ہونے سے ہے؟

ٹریڈیونین سرگرمیاں اور معاشرے کے طبقاتی ہونے کا مسئلہ

☆ کیا ٹریڈیونین اور پیشہ ور تنظیمیں' معاشرے کے طبقہ بند ہونے اور اس میں افتراق وانتشار کا موجب ہیں؟ کیا ان اداروں کو اس مرض سے دور رکھا جاسکتا ہے؟

○ اگر ٹریڈیونین اور پیشہ ورانہ تنظیموں کے قیام کی بنیاد ایک دوسرے کے خلاف امتیاز اور ایک دوسرے کی ضد اور مخالفت ہو' تو وہ بلند انسانی مقام سے گر کر ناپسندیدہ صورت اختیار کرلیتی ہیں۔ کیونکہ جب ایک کارکن یہ محسوس کرے کہ اپنے آجر یا افسر کی نظر میں اسکی حیثیت ایک غلام کی سی ہے' تو ایسی صورت میں بظاہر تو وہ افسر اور آجر کی خدمت میں مشغول ہوتا ہے' اسکے احکامات بجالاتا ہے' لیکن دل میں اس افسر یا آجر کو ظالم' جابر' مفاد پرست اور متکبر سمجھ رہا ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر افسر یا آجر یہ سمجھنے

لگے کہ کارکن اس سے بغض وعداوت رکھتا ہے اور اسکے منصوبے اور پروگرام کی پیشرفت میں رکاوٹ ہے' تو یہ صورتحال ایک طبقاتی ٹکراؤ کا رنگ اختیار کر لیتی ہے اور دونوں فریق ایک دوسرے کو ایک مستقل اور لاینحل مشکل سمجھنے لگتے ہیں۔

لیکن اگر صورتحال مختلف ہو اور ہر فریق کا مقصد اور مطمع نظر اپنے باہمی تعلقات کو صحیح پیمانوں پر منظم کرنا ہو' تو پھر یہ ناپسندیدہ صورتحال جنم نہیں لیتی۔ کیونکہ اس خوشگوار ماحول میں کارکن اس فکر میں رہتا ہے کہ اخلاص کے ساتھ اپنے فرائض کو اس طرح انجام دے کہ اسکا ضمیر بھی مطمئن رہے اور اپنے افسر یا آجر سے خیانت کا مرتکب بھی نہ ہو۔ ان حالات میں افسر و آجر بھی کارکن کو ایک پرزے کی مانند نہیں سمجھتا' بلکہ اسے اپنی ہی مانند کچھ ضروریات اور خواہشات رکھنے والا ایک انسان سمجھتا ہے۔ اس حوالے سے افسر کو یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ کارکن ہی ہے جو افسر و آجر کے اہداف و مقاصد کو جامہ عمل پہناتا ہے۔

اس روح کے ہوتے ہوئے ٹریڈ یونین سرگرمیاں ضروری ہیں۔ لہٰذا جب کارکن ایک معاہدے کے مطابق مشترکہ ذمے داریاں اپنے کاندھوں پر لے لیں تو پھر یہ مناسب نہیں کہ ان میں سے کوئی کارکنوں اور انتظامیہ (خواہ وہ حکومت ہو' کوئی فرد یا کمپنی) کے درمیان ہونے والے اس معاہدے کی کسی شرط کی خلاف ورزی کرے۔ البتہ کارکنوں کے لئے ایسے حالات فراہم ہونے چاہئیں جن میں وہ آزادانہ فضا میں انتظامیہ کے ساتھ معاہدہ کریں' آزادانہ فیصلہ کریں اور ان کا اور انتظامیہ دونوں کا مفاد ساتھ ساتھ پورا ہو۔

تنوع ہے' انتشار نہیں

☆ کیا پیشہ ورانہ انجمنوں کے بارے میں آپ کے یہ خیالات صرف مزدور تنظیموں سے مخصوص ہیں' دوسرے گروہوں سے نہیں؟ کیا آپ ان میں جوانوں اور طلبا کی تنظیموں کو بھی شامل سمجھتے ہیں؟

○ جب ہم پیشہ ورانہ انجمنوں کے موضوع کا جائزہ لیتے ہیں، تو دیکھتے ہیں کہ ان انجمنوں کے بکثرت فوائد ہیں۔ یہ انجمنیں ایسے خطوط تشکیل دیتی ہیں جن کے توسط سے وہ مرکز ترقی پاتے ہیں جن پر انسانوں کا اجتماع ہوتا ہے۔ خواہ یہ مرکز تربیتی عنوان سے یا تعلیمی، یا طب وصحت کے عنوان سے یا فنی مہارت وغیرہ کے عنوان سے ہوں۔ یہ انجمنیں خود اپنے ہم پیشہ لوگوں کے درمیان قربت اور ہم آہنگی میں اضافے کے ساتھ ساتھ ایسے دوسرے گروہوں اور پیشوں کے لوگوں سے بھی تعلقات استوار کر سکتی ہیں جو ان کے ساتھ مل کر کام کرتے ہیں۔

ہمارے خیال میں منظم انجمنوں کا وجود معاشرے میں انتشار وافتراق کا سبب نہیں بنتا کیونکہ یہ چیز معاشرے میں تنوع اور گوناگونی کے پائے جانے، بالخصوص ان خدمات اور ضروریات کے تنوع کا اعتراف ہے جن کا بندوبست معاشرے کے مختلف گروہ ایک دوسرے کے لئے کرتے ہیں۔

جب یہ انجمنیں ایک ایسے مرحلے پر پہنچتی ہیں جہاں منزل کے حصول کی راہ میں ان کے درمیان مشترکہ نکات پر اتفاق اور ہم آہنگی قائم ہو جاتی ہے اور ایک ایسے واحد مرکز کو تقویت پہنچانے کے لئے مل جل کر سرگرم عمل ہوتی ہیں جو ان سب کو اکٹھا کئے ہوتا ہے تو ایک مثبت عنصر بن جاتی ہیں منفی عنصر نہیں رہتیں۔

متنوع خصوصیات کی حامل تمام پیشہ ورانہ انجمنوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے عملی پروگرام بنائیں۔ ان پروگراموں کو اس انداز سے ترتیب دیں کہ وہ ان انجمنوں کی ترقی اور ارتقا کے ساتھ ساتھ معاشرے کے لئے بھی مثبت نتائج سامنے لائے اور ان پر تعصبات اور سیاسی تنازعات کی فضا غالب نہ ہو۔ بلکہ محض ایسی سیاسی رقابت ہو جو کسی سیاسی مقصد کے حصول کے لئے سیاسی سرگرمیوں کی خاصیت ہوتی ہے۔ ان انجمنوں کو چاہئے کہ اپنے آپ کو معاشرے کو درپیش بڑے بڑے چیلنجوں سے علیحدہ نہ رکھیں۔ پس جب معاشرے کو ضرورت ہو تو قومی اور اسی جیسے دوسرے دائروں میں خود کو متحد کر لیں۔

مسلمان طلبا کی عالمی تحریک کی طرف

☆ گوشہ و کنار سے ایسی آوازیں بلند ہو رہی ہیں جو مسلمان طلبا اور جوانوں کی تنظیموں کو (ان کے رجحانات سے قطع نظر) اتحاد کی دعوت دے رہی ہیں۔ اس امر کے حقیقت کا روپ دھارنے کا امکان کس قدر ہے؟

○ طلبا کی غیر اسلامی تحریکوں کو سامنے رکھ کر' اسلامی طلبا تحریکوں کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے' ہم ایک ایسی کلی اور عام روش کا خاکہ پیش کرسکتے ہیں جو اسلامی طلبا تحریکوں کے مفاد میں ہو اور جو طلبا کی اسلامی تحریک کے طلبا کی غیر اسلامی تحریک پر غلبے پر منتج ہوسکے۔

ایسی فضا میں 'ایک واحد ادارے کی صورت میں اتحاد کی خواہشمند تمام اسلامی طلبا تنظیموں کے ساتھ تعاون کیا جاسکتا ہے اور ایسے مشترک نکات تلاش کئے جاسکتے ہیں جو ان کی وحدت کی بنیاد بن سکیں۔ تاکہ مختلف سیاسی رجحانات 'وحدت کے مسئلے پر منفی اثر مرتب نہ کریں اور تنوع و رنگا رنگی کے ساتھ ساتھ اتحاد و اتفاق بھی محفوظ رہے۔

اس مقصد کے لئے گہرے اور وسیع مطالعے اور ٹھیک ٹھاک کوششوں کی ضرورت ہے۔ اس عمل کے ذریعے بہت سے تعصبات 'گروہ بندیوں اور سیاسی پسماندگی میں کمی کی جاسکتی ہے۔

☆ تحریکی تجربہ اور سابقہ عملی کردار' جو بے شک امتیازی اوصاف ہیں۔ ایک تحریکی کارکن کی قدر و قیمت کا پیمانہ کس حد تک ہوسکتے ہے؟ اور ان اوصاف کے منفی نکات کیا کیا ہیں؟

○ اگر سابقہ طویل تجربہ مثبت اور سود مند نتائج کا سبب ہو تو ایک پسندیدہ عنصر شمار کیا جاتا ہے۔ ایسا تجربہ نظری اور عملی میدانوں میں فعالیت کے لئے انسان کو گرانقدر آگہی بخشتا ہے' یا خارجی حقائق کے میدان میں اسے کار آمد عملی معلومات فراہم کرتا ہے۔

اگر طویل تجربہ انسان کی ہمت گھٹا دے' اسکی کوششوں اور جدوجہد میں اضمحلال

پیدا کردے' اسکی توانائیوں کو پژمردہ کردے' تو ایسا انسان ایک تھکے ماندے اور مغلوب عنصر میں تبدیل ہو جاتا ہے جو اپنی بقا اور دفاع کی طاقت بھی کھو بیٹھتا ہے اور ایسے ہی اعمال انجام دیتا ہے جو اسکے فرسودہ اور تھکن آلودہ مزاج کے موافق ہوں۔

بسا اوقات یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ سابقہ طویل تجربہ انسان کو تقلید اور جمود میں مبتلا کردیتا ہے' یہاں تک کہ انسان اپنے اختیار کردہ راستے کو اور ان حالات کو جنھوں نے اسکی فکری اور نفسیاتی فضا کو تشکیل دیا ہے مستقل اور دائمی سمجھنے لگتا ہے اور ہر قسم کے ایسے جدید اور ارتقا پذیر رجحانات کی راہ میں رکاوٹ کھڑی کرتا ہے جو اسلوب عمل اور اہداف کی وسعت کے لحاظ سے اسے ایک نئے مرحلے میں منتقل کرسکتے ہیں۔

خود تحریک میں ڈوب کے رہ جانا

کبھی کبھی تحریکی افراد' خود تحریک ہی میں جمود اور ٹھہراؤ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اسکا سبب کبھی تو تحریک کے ابتدائی اصولوں پر شدید اصرار ہوتا ہے اور کبھی بانیان تحریک اور ابتدائی قائدین سے حد سے زیادہ لگاؤ اس کی وجہ ہوتا ہے۔ نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ ایسے تحریکی لوگوں کی تمام تر سرگرمیاں ان قائدین کی شخصیت کے لئے منحصر ہو جاتی ہیں اور وہ ان کے لئے ایک بت کی صورت میں ڈھل جاتے ہیں۔ ایسے موقع پر وہ کسی دوسری شخصیت کو ظاہر ہونے اور ابھرنے کا موقع نہیں دیتے' سوائے اس صورت میں جبکہ اس شخصیت کو ان کی نظر میں مقدس ہستی کی حمایت اور پشت پناہی حاصل ہو۔

جمود اور انحصار کی یہ حالت مستقبل کی قیادت کے سلسلے میں نئے لوگوں سے استفادے میں بھی رکاوٹ بن جاتی ہے۔

اسی طرح ایسے تحریکی لوگوں کا تحریک کے ابتدائی مراحل سے حد سے زیادہ وابستہ اور ان کے سلسلے میں جمود کا شکار ہو جانا' اس بات کا سبب بنتا ہے کہ وہ اپنی حرکت کے آئندہ مراحل کو گزشتہ مرحلے کا تسلسل قرار دیتے ہیں نہ کہ ایک نیا قدم۔ اور یوں بعد کے مراحل پر تجدید نظر' زمانے کے تقاضوں' بدلتے حالات اور جدید اجتہادات کا لحاظ رکھنے پر

تیار نہیں ہوتے' جو انہیں گزشتہ طریقہ کار کی غلطیوں کا پتا دے سکتے ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سی اسلامی تحریکیں اپنے ابتدائی مراحل کو تقدس کا درجہ دے کر ان کے بارے میں جمود کا شکار ہو گئیں (حالانکہ وہ مراحل کسی بھی لحاظ سے تقدس کے مالک نہ تھے) کیونکہ کسی شخص یا مرحلے کو اس بنا پر احترام دینا کہ اس میں قابل احترام (فکری یا عملی) عناصر پائے جاتے ہیں اور کسی فرد یا مقام کو اہمیت کے حامل عناصر کی غیر موجودگی کے باوجود تقدس کا درجہ دینا دو بالکل علیحدہ علیحدہ باتیں ہیں۔

تقدس یعنی کسی شخص یا مرحلے کی چاہت میں ایسا ڈوب جانا' اور اسکے بارے میں ایسی وارفتگی سے کام لینا جو اس بات کا باعث ہو جائے کہ اس مرحلے اور مستقبل میں رونما ہونے والے جدید حالات و شرائط کا واضح ادراک حاصل نہ ہو سکے۔

لہٰذا ہم سمجھتے ہیں کہ تحریکی سابقہ' تجربے کے مسلسل جاری رہنے کی صورت میں اہمیت کا حامل ہے لیکن اگر تجربے میں جمود کی حالت طاری ہو جائے اور اس شخص کے محدود تجربے کو مطلقاً درست اور اعتراض سے مبرو ظاہر کیا جائے اور اسے مستقبل کے تمام مراحل پر بھی موثر قرار دیا جائے تو یہ ایک منفی عامل ہو جائے گا۔

ہمارے خیال میں تحریک میں نئے عناصر کے داخلے کا راستہ کھولنے کی غرض سے' بعض پرانے لوگوں کو ریٹائر ہو جانا چاہئے۔ البتہ ہم پرانے لوگوں کو تحریک سے بالکل ہی ختم کر دینے کا مشورہ نہیں دے رہے لیکن یہ کہتے ہیں کہ پرانے لوگوں میں کچھ ایسی باتیں بیٹھ کے رہ جاتی ہیں جو ایک طرف تو اسلامی تحریک کی رفتار سست کرنے کا موجب ہوتی ہیں اور دوسری طرف نئے لوگوں کے ابھرنے' ان کی نشوونما اور ان میں اضافے میں رکاوٹ بنتی ہیں۔

جب قدیم عناصر خود کو تجربہ کار سمجھنے لگتے ہیں اور ان میں یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ تحریک کی قیادت نئے لوگوں کے سپرد کر دینا تحریک کو فکری اور عملی پہلو سے غیر متوقع خطرات سے دوچار کر دینے کے مترادف ہے تو اس تصور کے نتیجے میں ایک بڑی مشکل سامنے آتی ہے۔ اور یہ مشکل' تحریک کے دوسرے اور تیسرے درجہ کی صفوں کے افراد

کا مایوسی اور شکست خوردگی کے احساس میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہ حالت پیشرو تحریکی افراد کے کام جاری رکھنے میں بھی رکاوٹ بنتی ہے کیونکہ ایک تو وہ اکیلے اتنی طاقت نہیں رکھتے کہ تحریک کو آگے جاری رکھ سکیں نیز ان کی ذہنیت جدید حالات کو سمجھنے اور ان سے نمٹنے کی سکت نہیں رکھتی اور وہ نئے غیر متوقع مسائل کا سامنا کرنے کی اہلیت سے بھی عاری ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ ایسے حالات میں جینے کے لازمی طور طریقوں کے مالک ہی نہیں ہوتے۔

ایک تجویز۔۔۔ تدریجاً قیادت کی منتقلی

یہ مسئلہ درپیش آنے کی صورت میں سینئر اور تجربہ کار تحریکی حضرات "تدریجاً قیادت کی منتقلی" کا طریقہ اختیار کر کے نئے تحریکی ساتھیوں کو اپنی کارکردگی کے اظہار کا مناسب موقع فراہم کر سکتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے پہلے مرحلے پر نئے لوگوں کو بعض ذمے داریوں پر تعینات کیا جائے یہاں تک کہ ان میں استحکام اور استقلال پیدا ہو جائے۔

اس عمل کے ذریعے وہ تحریک کو بہتر طور پر سمجھ سکیں گے اور اسے نئی حرارت، نئی قوت اور نئے عناصر فراہم کریں گے۔

بالخصوص اگر بہت سے پرانے تحریکی حضرات سخت صعوبتوں، مشکلات اور کشمکش کے دور سے گزرے ہوں تو یہ چیز انہیں اس بات پر ابھارتی ہے کہ اپنی سیاسی سرگرمیوں کی بنیاد سخت ذہنیت اور سخت گیری پر رکھیں۔ ایسے لوگ یہ اسلوب عمل اختیار کر کے تحریک کو نقصان پہنچانے میں شریک ہو جاتے ہیں۔ یعنی ایسے لوگ جو یہ چاہتے ہیں کہ تحریک اپنے اندر موجود سخت گیر اور مشکل آفریں قوتوں کی اسیر رہے۔ یہ لوگ اپنی تحریک کا گلا گھونٹنے میں اس طرح دوسروں کے حصے دار بن جاتے ہیں کہ اس کی خود انہیں بھی خبر نہیں ہوتی۔

یہ تو تھا ایک پہلو، دوسرا پہلو یہ ہے کہ تحریک کی پیشرو قیادت کے ہر فکری اور سیاسی موقف کو تقدس کا درجہ دینا اور اسے بڑھا چڑھا کر پیش کرنا لاشعوری طور پر یہ پیغام دیتا

ہے کہ اس حد تک پہنچے ہوئے ارتقا اور پیشرفت کے بعد کسی مزید ارتقا اور پیشرفت کی گنجائش نہیں (یعنی جو کارنامہ ہمارے ابتدائی قائدین انجام دے چکے ہیں اب اس سے بڑے کارنامے کی امید نہیں رکھی جا سکتی۔ مترجم) ایسی صورت میں ہر نئی فکر کے خلاف ایک قسم کی نفسیاتی جنگ شروع ہو جاتی ہے اور اسکا استدلال اور بنیاد یہ ہوتی ہے کہ یہ فکر اس مقدس قیادت یا مقدس مرحلے کی فکر سے مختلف ہے۔

یہ بات ذہن نشین رکھنے کی ضرورت ہے کہ تحریک کے ابتدائی قائدین کو احترام کی نظر سے دیکھنا اور ان کے مطلق تقدس کا قائل ہونا دو علیحدہ علیحدہ باتیں ہیں کیونکہ مطلق تقدس بعد میں آنے والوں کو بت پرست بنا دیتا ہے جبکہ ان قائدین کا احترام انہیں ایک ایسا انسان بناتا ہے جس کے سامنے مستقبل کے لئے نئی قوتوں کی تربیت کے لئے عناصر قدرت واضح ہوتے ہیں۔

ضمیمہ احادیث (۴)

تجربے کے بارے میں

☆ "یقول الامام علی (ع) : الامور بالتجربة والا عمال بالخبرة"

امام علیؑ نے فرمایا : ہر معاملے کے لئے تجربہ اور ہر عمل کے لئے علم درکار ہے۔

☆ "ویقول (ع) : التجارب علم مستفاد"

آپؑ ہی نے فرمایا : تجربہ سود مند علم ہے۔

☆ "ویقول (ع) : من قلت تجربته خدع، ومن کثرت تجربته قلت غرته"

آپؑ ہی نے فرمایا : کم تجربہ کار انسان (جلد) فریب کھا جاتا ہے اور تجربے کی زیادتی انسان کی غفلت اور دھوکا کھانے میں کمی لاتی ہے۔

☆ "ویقول (ع) : کفی بالتجارب مودبا"

آپؑ ہی نے فرمایا : تجربہ بہترین سبق ہے۔

☆ "ویقول (ع) : فی کل تجربة موعظة"

آپؑ ہی نے فرمایا : ہر تجربے میں ایک نصیحت پوشیدہ ہے۔

☆ "ویقول (ع) : حفظ التجارب راس العقل"

آپؑ ہی نے فرمایا : تجربات کو سامنے رکھنا عقل و خرد مندی کی اساس ہے۔

جماعت کے بارے میں

☆ "یقول الامام علی (ع) فی آخر وصیة له : اوصیکم بتقوی اللہ و نظم امرکم"

امام علیؑ نے اپنی آخری وصیت میں فرمایا : میں تمھیں پرہیزگاری اور امور و معاملات میں نظم و تدبیر کی وصیت کرتا ہوں۔

☆ "و یقول (ع) : علیکم بالتمسک بحبل اللہ و عروتہ' و کونوا من حزب اللہ و رسولہ و الزموا عہد اللہ و میثاقہ علیکم فان الاسلام بدا غریبا و سیعود غریبا"

آپؑ ہی نے فرمایا : خدا کی رسی تھام لو' خدا اور رسول کی جماعت نہ چھوڑو' خدا سے کیا ہوا عہد و پیمان وفا کرو کہ اسلام جس طرح آغاز میں غریب تھا اسی طرح پھر سے غریب ہو جائے گا۔

☆ "وقال (ع) : ایسرک ان تکون من حزب اللہ الغالبین؟ اتق اللہ سبحانہ فی کل امرک فان اللہ مع الذین اتقوا والذین هم محسنون"

آپؑ ہی نے فرمایا : کیا تمھیں پسند ہے کہ تم بھی خدا کی غالب جماعت کے رکن بنو؟ پس تمام معاملات میں تقوئ الٰہی اختیار کرو کہ خدا متقی اور پرہیزگار لوگوں کا ناصر و مددگار ہے۔

سیاست کے بارے میں

☆ "عن الامام الصادق (ع) عن الرسول (ص) : صنفان من امتی اذا صلحا صلحت امتی' واذا فسدا فسدت' قیل : یا رسول اللہ و من هما؟ قال : الفقهاء والامراء"

امام جعفر صادقؑ نے رسول اللہ سے منقول ایک حدیث میں فرمایا : اگر میری امت

کے دو گروہ خیر و خوبی پر رہیں گے تو میری امت خوبی و بھلائی پر رہے گی اور اگر یہ دو گروہ فاسد ہو جائیں گے تو اسکا نتیجہ امت کی تباہی کی صورت میں بر آمد ہو گا۔ سوال ہوا: یہ دو گروہ کونسے ہیں؟ فرمایا: فقہا اور حکمران۔

☆ "وعن الصادق (ع): العالم بزمانه لا تهجم علیه اللوابس"

امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے: جو شخص اپنے زمانے کے حالات سے باخبر ہو، وہ فتنوں کی یلغار کا شکار نہیں ہو گا۔

☆ "وعن الرسول (ص): من اصبح ولم یهتم بامور المسلمین فلیس بمسلم"

رسول اللہؐ سے منقول ہے: جو کوئی صبح کرے اور مسلمانوں کے معاملات کے بارے میں غور و فکر نہ کرے وہ مسلمان نہیں۔

☆ "وقال الامام امیر المومنین (ع): آفة الزعماء ضعف السیاسة"

امیر المومنین امام علیؑ نے فرمایا: حکمرانی کی آفت، کمزور سیاست ہے۔

☆ "وقال (ع): الملک سیاسة"

آپؑ ہی نے فرمایا: حکمرانی سیاست اور تدبیر کے بغیر نہیں ہو سکتی۔

☆ "وقال (ع): من قصر فی السیاسة صغر فی الریاسة"

آپؑ ہی نے فرمایا: جو شخص سیاست اور تدبیر میں کوتاہی کرے اس کی حکمرانی کمزور پڑ جاتی ہے۔

☆ "وقال (ع): ادل شیء علی غزارة العقل حسن التدبیر"

آپؑ ہی نے فرمایا: عقلمندی کی بہترین علامت حسنِ تدبیر ہے۔

☆ "وقال (ع): العدل افضل السیاستین"

آپؑ ہی نے فرمایا: عدل و انصاف بہترین سیاستوں میں سے ہے۔

☆ "وقال (ع): خیر السیاسات العدل"

⑤

شرعی نکتۂ نظر

آپؑ ہی نے فرمایا : بہترین سیاست عدل ہے۔

☆ "وقال (ع) : بئس السیاسة الجور"

آپؑ ہی نے فرمایا : ظلم و جور بری سیاست ہے۔

☆ "وقال (ع) : ملاک السیاسة العدل"

آپؑ ہی نے فرمایا : سیاست کی کسوٹی عدل ہے۔

☆ "وقال (ع) : سیاسة العدل فی ثلاث : لین فی حزم، واستقصاء فی عدل، وافضال فی قصد"

آپؑ ہی نے فرمایا : عادلانہ سیاست تین چیزیں ہیں : احتیاط کے ساتھ نرم خوئی، توازن کے ساتھ تحقیق و تفتیش، اور اعتدال میں رہتے ہوئے جود و بخشش۔

☆ "وقال (ع) : راس السیاسة استعمال الرفق"

آپؑ ہی نے فرمایا : سیاست کی اساس نرمی اور ملاطفت سے کام لینا ہے۔

☆ "وقال (ع) : الرفق یفل حد المخالفة"

آپؑ ہی نے فرمایا : مہربانی اور نرمی مخالف کی دھار کند کر دیتی ہے۔

☆ "وقال (ع) : اذا ملکت فارفق"

آپؑ ہی نے فرمایا : حکمرانی کے دوران نرمی اور مہربانی کو ملحوظ رکھو۔

☆ "وقال (ع) : الاحتمال زین السیاسة"

آپؑ ہی نے فرمایا : بردباری سیاست کی زینت ہے۔

☆ "وقال (ع) : سیاسة النفس افضل سیاسة، وریاسة العلم اشرف ریاسة"

آپؑ ہی نے فرمایا : تدبیرِ نفس افضل ترین سیاست اور ریاست علم، اشرف ترین ریاست ہے۔

کھیل کود اور تفریح کی حقیقی مقدار

☆ ان جوانوں کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ جوانی کو کھیل کود' شب نشینی اور آوارگی جیسی چیزوں میں بسر کرنا چاہیے؟

○ ہم جوانوں سے چاہتے ہیں کہ وہ ان مفاہیم کی حقیقت کو اچھی طرح درک کریں' اور یہ سمجھیں کہ لہو (تفریح) کیا ہے؟ فضولیت کسے کہتے ہیں؟ لذت کس چیز کا نام ہے؟ خواہ وہ جنسی لذت ہو' خواہ ماکولات و مشروبات کی لذت ہو' یا اور دوسری لذتیں جن کا تعلق انسانی جبلتوں سے ہے۔

ہم جوانوں کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ لذتوں کے بارے میں غور و تامل کریں اور ان لذتوں کی مقدار کے متعلق سوال کریں؟

وقت سے تعلق رکھنے والی لذتوں کی مقدار صرف اسی لحظہ تک محدود ہوتی ہیں جس میں انسان ان سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ جنسی لذت صرف انہی لمحات میں منحصر ہوتی ہے جب اس کا احساس کیا جاتا ہے۔ کھانے کی لذت اتنی ہی دیر باقی رہتی ہے جتنی دیر لقمہ

منہ میں رہتا ہے اور یہی صورت مشروبات وغیرہ کی لذت کی بھی ہے۔

عام طور پر جب تک انسان کو یہ لذتیں حاصل نہیں ہوتیں اس وقت تک وہ ان کے بارے میں سہانے خواب دیکھتا ہے لیکن ان کے حصول کے بعد اپنے آپ کو ایک بند گلی میں کھڑا محسوس کرتا ہے۔ کیونکہ یہ لذتیں اگرچہ اسکی ضرورت ہیں لیکن اسکی منزلِ مقصود نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حد سے زیادہ جنسی لذت میں غرق ہو جانے پر انسان ملال اور اکتاہٹ کا شکار ہو جاتا ہے اور اس حالت کی تکرار سے اسے سستی اور اضطراب محسوس ہونے لگتا ہے۔ اسی طرح کھانے پینے کی حد سے زیادہ زیادتی اسے معدے کی تکلیف اور گھٹن میں مبتلا کر دیتی ہے۔

اس وضاحت کے ذریعے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان میں سے کوئی بھی چیز، جوان کی منزلِ مقصود نہیں بلکہ یہ چیزیں صرف ایک مختصر مدت کے لئے لذت اور فرحت کا احساس دیتی ہیں اور یہ مختصر مدت گزر جانے اور فراغت کے بعد اسے ان لذتوں کی حقیقت کا ادراک ہوتا ہے۔

لھذا ہم جوانوں سے کہتے ہیں کہ آپ کی جوانی کا یہ دور 'قوتِ حیات' میدانِ ہستی میں ذمے داریوں کا بوجھ اٹھانے کی صلاحیتوں سے بھرپور مرحلے اور انسانی سرمایوں میں سے ایک سرمایہ ہے۔ ہم آپ سے یہ نہیں کہتے کہ اپنی احتیاجات کی تسکین کی کوشش نہ کیجئے، لیکن یہ درخواست ضرور کرتے ہیں کہ اپنی ضروریات کی تسکین اس سطح پر کیجئے کہ بغیر کسی نقصان کے آپ جسمانی طور پر صحیح و سالم رہیں۔

اپنی جسمانی ضروریات پوری کرنے کے ساتھ ساتھ یہ جاننا بھی آپ کے لئے لازم ہے کہ زندگی میں جوانی اور جوانی میں زندگی کا مسئلہ ان تمام مادی امور سے زیادہ وسیع، ارفع اور احساسِ ذمے داری پیدا کرنے والا ہے جن میں آپ ڈوبے ہوتے ہیں اور جو آپ کے لئے سوائے ملال، بے مقصدی اور کھوکھلے پن کے احساس کے کوئی اور نتیجہ سامنے نہیں لاتے۔

لھذا، زندگی صرف جسم اور مادہ نہیں، جس کا کوئی ارفع اور بلند مقصد نہ ہو اور جو

تازگی اور حرارت سے عاری ہو' کیونکہ "اللہ" نام کی ایک مطلق ہستی پورے عالم میں ہر جگہ موجود ہے' اور پھر جب انسان اسکے سامنے سجدہ ریز ہو جاتا ہے اور اسکے ارادے اور رضا کی اساس پر اپنی زندگی کی تنظیم کرتا ہے تو اسے احساس ہوتا ہے کہ اب اسکے ارتقا اور کمال کی راہ میں کوئی رکاوٹ حائل نہیں۔ اور وہی وہ واحد حقیقت ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔

لہٰذا ہم جوانوں سے کہتے ہیں کہ دل و جان سے خدا کے ہو جایئے' جس نے آپ کو خلق کیا ہے' جس نے آپ کو جوانی کی نعمت عطا کی ہے اور اسے حرکت' تازگی اور معنویت بخشی ہے۔ اور یہ بات سمجھ لیجئے کہ یہ عاشقانہ سپردگی آپ کی روح' جسم نیز تمام تر رعنائیوں' جمال اور عمدہ آثار و ثمرات کے ساتھ آپ کی دنیوی زندگی کے لئے بھی باعث سعادت ہو گی۔

ورزش' جوانوں کی پسندیدہ سرگرمی

☆ بعض لوگ کہتے ہیں کہ کچھ قسم کی ورزشیں انسان کا وقت ضائع کرتی ہیں۔ ان لوگوں کی نظر میں صرف تیر اندازی' گھڑ سواری اور تیراکی ہی ورزش ہیں۔ نوجوانوں کی دلچسپیوں اور بہت زیادہ توجہات کے مرکز اس مسئلے کے بارے میں جناب عالی کیا فرماتے ہیں؟

○ کچھ لوگ حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بعض ایسی احادیث کے بارے میں جمود کا شکار ہیں جن کا تعلق اس خاص دور میں پیش آنے والے امور میں تربیت اور تیاری کے سلسلے سے ہے' جیسے آنحضرتؐ کی یہ حدیث کہ : لا سبق الافی خف اونصل او حافر (سوائے تیر اندازی' گھڑ سواری اور اونٹ سواری کے کسی اور چیز میں مقابلہ اور شرط بازی جائز نہیں)۔ اس حدیث میں تیر اندازی' گھڑ سواری اور اونٹ سواری جیسی چیزوں کی مشق کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے۔ اسی طرح بعض احادیث میں گھڑ سواری اور تیر اندازی کے ساتھ ساتھ تیراکی کے بارے میں بھی تاکید کی گئی ہے۔

مذکورہ نمونوں اور اس دور کی ضروریات کے بارے میں تحقیق اور تفتیش کے ذریعے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہ چیزیں (یعنی تیر اندازی، گھڑ سواری اور اونٹ سواری وغیرہ) اس دور کی جنگی ضروریات ہوا کرتی تھیں اور حدیث میں ان کے تذکرے کا مقصد ان چیزوں کی اہمیت کی جانب اشارہ تھا جن کی اس دور کے لوگوں کو ضرورت تھی۔ اب ہمارے لئے یہ بات واضح ہے کہ اس دور میں مستعمل جنگی وسائل نے ترقی کرلی ہے اور اب تیر کی جگہ بندوق، توپ اور ٹینک نے لے لی ہے اور جانوروں (گھوڑوں اور اونٹ) کی سواری کی جگہ بکتر بند گاڑیاں، ٹینک اور ہوائی جہاز لے چکے ہیں۔

پس دور حاضر میں تیر اندازی اور گھڑ سواری کے نعم البدل اختیار کئے جا سکتے ہیں اور ان میں ایسی چیزوں کا اضافہ کیا جا سکتا ہے جو جسمانی طاقت اور روحانی راحت کا موجب ہوں، اور نوجوانوں کے اوقات فراغت پر کرنے کے ساتھ ساتھ مثبت اور مفید نتائج کی حامل بھی ہوں۔

لہذا ہمارے خیال میں کھیل کود صرف اوقات فراغت پر کرنے کا ہی ایک ذریعہ نہیں بلکہ یہ بدن کی نشوونما کا بھی ایک وسیلہ ہے۔ مزید یہ کہ اگر کھیل کی فضا پر اسپورٹ مین اسپرٹ حاکم ہو تو پھر کھیل کود کو روح کی تربیت کا ایک ذریعہ بھی کہا جا سکتا ہے، جو انسان کے نفس کو اتنا ارتقا دیتا ہے کہ وہ دوسروں سے مقابلے کے ہر میدان میں، شکست اور ہزیمت کو بغیر کسی داخلی کشاکش کے سکون و اطمینان کے ساتھ قبول کرتا ہے۔

ہمیں ان امور (ورزش اور تفریح کے دوسرے وسائل) کے مثبت نکات اور زمانے کی پیشرفت کے لحاظ سے اس سلسلے میں جو ذرائع، مواقع اور ماحول ایجاد کئے جا سکتے ہیں انہیں پیش نظر رکھتے ہوئے ان کے ترقی یافتہ طریقوں پر غور و فکر کرنا چاہئے۔

کھیل کود کی سرگرمیاں

☆ بعض لوگ کھیل کود کی سرگرمیوں میں جوش و خروش کا مظاہرہ کرتے ہیں، کھیلوں کا اہتمام کرتے ہیں اور لوگوں کو ان میں شرکت اور کھلاڑیوں کو مقابلوں کی ترغیب دیتے

ہیں۔ کچھ لوگ ان کے اس عمل کو معیوب سمجھتے ہیں۔ جناب عالی کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟

○ ہم ان سرگرمیوں میں کوئی منفی بات محسوس نہیں کرتے' بشرطیکہ انہیں بہت زیادہ عظمت کا حامل بنا کے پیش نہ کیا جائے اور یہ ایک گرانقدر فضیلت کا روپ نہ دھارلیں۔ کیونکہ اس صورت میں ان سے نوجوانوں کے لئے ان اہداف اور مثبت نتائج کا حصول مشکل ہو جاتا ہے جو سماج کے پیش نظر ہوتے ہیں۔

لہٰذا کھیل کود کی سرگرمیوں میں اس حد تک ڈوب جانا کہ یہ جوان کی صلاحیتوں اور اس کے عزائم اور آرزوؤں پر تسلط جمالیں اسے سیاسی' سماجی' علمی اور تہذیبی میدانوں میں موجود بنیادی اور بڑے بڑے امور کی انجامدہی سے باز رکھتا ہے۔

ہاں' اگر کھیل کود کی جانب توجہ اور اہتمام اس حد تک نہ پہنچے تو اسمیں کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن اگر یہ کھیل کود خود ایک قدر اور فضیلت بن جائیں تو ہم اسکے حامی نہیں۔ کیونکہ اس طرح نوجوانوں کے پاس موجود وقت کا بڑا حصہ ان سرگرمیوں کی نذر ہو جاتا ہے اور انسانیت کی بھلائی کے سلسلے میں کوششوں کے لئے ان کے پاس کافی وقت نہیں رہتا اور ان کوششوں سے حاصل ہو سکنے والے مثبت نتائج سے معاشرہ محروم رہتا ہے۔

☆ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سی تنظیمیں اور عالمی سازشی ادارے' جوانوں کو غافل رکھ کر اپنی سیاسی بساط بچھانے کے لئے ان مقبولِ عام ذرائع سے استفادہ کرتے ہیں۔ جناب عالی اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

○ اس بات سے ہم بھی ہوشیار کرنا چاہتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کبھی کبھی امریکہ اور یورپ کے ترقی یافتہ ممالک میں بھی عوام کھیلوں کے مقابلوں میں ایسے مگن ہو جاتے ہیں کہ یہ چیزیں ان کی نگاہوں میں انتہائی اہمیت اور فضیلت اختیار کر لیتی ہیں۔ اور ان کی تمام تر توجہات انہی چیزوں کی جانب مبذول ہو کے رہ جاتی ہے۔ یہاں تک کہ انتہائی اہم سیاسی اور معاشرتی امور پر توجہ اور ان کے بارے میں اہتمام ان کے لئے ضمنی حیثیت اختیار کر جاتے ہیں۔

اسی طرح تیسری دنیا کے بہت سے ممالک میں بھی حکمراں کوشش کرتے ہیں کہ جوانوں کو اہم اور حساس مسائل سے دور رکھا جائے اور معاشرے کو غافل رکھ کر ان مسائل کے بارے میں من مانے فیصلے کئے جائیں۔ کیونکہ معاشرہ کھیل کود' میلوں ٹھیلوں میں غرق ہوتا ہے اس لئے ان تمام حقیقی مسائل اور حساس معاملات کی اسے خبر ہی نہیں ہوتی اور قدرتی طور پر ان سے علیحدہ علیحدہ ہی رہتا ہے۔

گھڑدوڑ دیکھنا

☆ معروف ہے کہ گھڑدوڑ کے مقابلوں (Racing) کو جوئے اور شرط بازی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ ایسے مقابلوں کو صرف دیکھنے کا کیا حکم ہے؟

○ ہمارے خیال میں گھڑسواری ان کاموں میں سے ہے جن کی حوصلہ افزائی کی جانی چاہئے۔ کیونکہ یہ ورزش جنگ اور اسی کی مانند دوسرے میدانوں کی ضرورت کے لئے انسان کی قوت و توانائی میں اضافہ کرتی ہے۔ نیز مختلف دوسرے پہلوؤں سے بھی مثبت نتائج و آثار کی حامل ہے۔

لیکن جب گھڑسواری کے مقابلوں کے ذریعے جوا کھیلا جانے لگے تو یہ حرام کے دائرے میں داخل ہو جاتے ہیں اور اسی طرح منفی اثرات و نتائج کا موجب بنتے ہیں جس طرح ہر دوسری قسم کے جوے میں مرتب ہوتے ہیں۔

بے شک ایسی ورزشوں اور مقابلوں میں شرط باندھنا انتہائی فضول عمل ہے۔ کیونکہ اس میں مقابلہ درحقیقت اس بات پر ہوتا ہے کہ کونسا گھوڑا دوسرے گھوڑے یا گھوڑوں سے سبقت لے جائے گا۔ سچ بتایئے کیا یہ ایک بچگانہ فعل نہیں؟ کیا اس کے اندر انسانوں کے لئے پسندیدہ اور مفید مسابقت کی کوئی علامت پائی جاتی ہے؟

لہٰذا ممکن ہے ایسے ماحول میں آمد و رفت اور ایسے مقابلوں کے تماشے میں انسان کو مزہ آنے لگے اور رفتہ رفتہ اس ماحول کا عادی ہو جانے کے نتیجے میں وہ گھڑدوڑ کے مقابلوں اور اس پر جوئے کو معمول کی بات سمجھنے لگے اور بالآخر خود بھی عملاً اس میں

لہٰذا کیا ہم پر اپنے بالوں کو خضاب کرنا واجب ہے؟

تو امیرالمومنینؑ نے جواب دیا :

"انما قال صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ذلک والدین قل' فاما الان وقد اتسع نطاقہ' وضرب بجرانہ' فامرو و ما اختار"

"یہ اس دور کے لئے فرمایا تھا جب اہلِ دین کم تھے۔ لیکن آج جبکہ اسلام کا دائرہ وسیع ہو چکا ہے اور وہ سینہ ٹیک کر جم چکا ہے تو ہر شخص کو اختیار ہے۔" (نہج البلاغہ۔ کلمات قصار ۱۶)

یعنی کیونکہ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو چکا ہے لہٰذا اب دوسروں سے ان کی علیحدہ شناخت کوئی مسئلہ نہیں رہی ہے۔

اسی طرح حدیثِ پیغمبرؐ : حفوا الشوارب واعفوا عن اللحی ولا تشبھوا بالیھود (اپنی مونچھوں کو چھوٹا کرو اور داڑھی کو چھوڑ دو (بڑھاؤ) اور یہودیوں کی شباہت اختیار نہ کرو) کے بارے میں بعض فقہا کا کہنا ہے کہ یہ حکم ایک خاص زمانے سے مخصوص تھا اور اس کا مقصد بعض اجتماعی مصلحتوں کی بنا پر یہودیوں سے مسلمانوں کے امتیاز اور علیحدہ شناخت کو قائم رکھنا تھا۔ لہٰذا یہ فقہا اسے ایک ثابت اور دائمی حکم شرعی کی بنیاد نہیں سمجھتے۔

آج جبکہ مسلمان دنیا میں کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں تو یہودیوں یا مجوسیوں سے ان کی شباہت کا مسئلہ موجود نہیں اور یہ مسائل عملاً خود لوگوں کے انتخاب سے متعلق ہو چکے ہیں کہ جسے چاہیں منتخب کریں۔

خواتین کا پردہ

☆ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ فی زمانہ جو چیز شرعی حجاب کے عنوان سے رائج ہے' وہ کافی نہیں۔ ان لوگوں کے بقول صرف "چادر" ہی شرعی حجاب ہے۔ اس بارے میں

شریک ہونے لگے۔

اس بنا پر ہم باایمان جوانوں کو ایسی فضولیات سے دور رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔ ہر چند وہ ان مقابلوں میں شریک نہ ہوتے ہوں اور صرف تماش بین کی حیثیت سے شرکت کرتے ہوں۔ اس سلسلے میں ہم انہیں بعض احادیث کی جانب متوجہ کرتے ہیں جن میں فرمایا گیا ہے کہ : المحرمات حمی الله فمن حام حول الحمی اوشک ان یقع فیہ (محرماتِ الٰہی ‘ خدا کے قرار دیئے ہوئے ممنوعہ علاقے ہیں ‘ جو کوئی ان ممنوعہ علاقوں کے قریب جائے گا ‘ ممکن ہے ان میں جا پڑے)

جدید فیشن

☆ بہت سے لوگ طرح طرح کے ملبوسات اور جدید فیشن پر اعتراض کرتے ہیں۔ شرعی لحاظ سے کسی لباس کے جائز یا ناجائز ہونے کا پیمانہ اور معیار کیا ہے؟

○ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ مختلف ملبوسات اور جدید فیشن کے بارے میں اسلامی شریعت کوئی منفی رائے نہیں رکھتی۔ مختلف معاشروں میں زندگی بسر کرنے والے انسانوں کا معمول ہے کہ وہ کسی ایک یا دوسری شکل کا لباس زیب تن کرتے ہیں۔ لہٰذا اسلام اس مسئلے میں سخت گیری سے کام نہیں لیتا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ مسلمانوں پر کفار کا مشابہ لباس پہننا حرام ہے۔ لیکن جب ہم اس مسئلے کا گہرائی کے ساتھ جائزہ لیتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ اس حکم کا تعلق اس خاص زمانے سے تھا جب مسلمانوں کی تعداد قلیل اور کفار انتہائی اکثریت میں تھے۔ اور اس حکم کا مقصد یہ تھا کہ دونوں کا امتیاز ظاہر رہے۔ جیسا کہ ہم نہج البلاغہ میں پڑھتے ہیں کہ جب حضرت علیؑ سے سوال کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے :

"غیروا الشیب ‘ ولا تشبھوا بالیھود"

"بڑھاپے کو خضاب کے ذریعے بدل دو اور یہود سے مشابہت اختیار نہ کرو"

جناب عالی کی رائے کیا ہے؟

○ حجاب ایک شرعی مفہوم ہے جس میں دو نکات شامل ہیں۔

۱: بدن' جس کا اجنبیوں کے سامنے ظاہر کرنا خداوند عالم نے حرام قرار دیا ہے۔

۲: بناؤ سنگھار اور لوگوں کی تحریک کا سبب بننے سے پرہیز۔

یعنی خواتین جب ایسے مقامات پر جائیں جہاں مرد و زن دونوں موجود ہوتے ہیں' تو انہیں ایسا لباس استعمال کرنا چاہئے جو ان کے جسم کے کسی حصے کو ظاہر نہ ہونے دے۔ اسی طرح لباس اس انداز کا بھی نہ ہو کہ جنسِ مخالف کی تحریک کا موجب بنے اور خواتین کو غیر شریفانہ نگاہوں کا مرکز بنا دے۔ جس کسی لباس میں بھی یہ دونوں چیزیں پائی جائیں وہ شرعی لباس سمجھا جائے گا۔

اسی بنا پر ہم چادر یا عبا وغیرہ پر زور نہیں دیتے کیونکہ ان چیزوں کو لوگوں نے اپنے خاص معاشرتی حالات اور اقدار و سنن کی تقلید میں ایجاد کیا ہے۔

اس مسئلے میں اہمیت اس بات کو حاصل ہے کہ عورت وقار و متانت کے ساتھ' شرع کی مقرر کردہ حدود کا لحاظ رکھتے ہوئے' نسوانیت کی نمائش کرتے ہوئے نہیں بلکہ انسانیت کا مظہر بن کے مخلوط محافل اور مقامات میں قدم رکھے۔ اگر لباس میں مذکورہ شرائط کو پیش نظر رکھا گیا ہو تو پھر عورتوں کے لئے کسی خاص شکل کے لباس پر اڑے رہنا مناسب نہیں۔

فیشن کے مطابق پردہ

☆ باوجود یہ کہ بہت سے لباس ایسے ہوتے ہیں جو پردے کی شرائط پر پورے اترتے ہیں لیکن بعض خواتین کی کوشش ہوتی ہے کہ حجاب اور زنانہ لباس کے نت نئے فیشن کو یکجا کر کے اختیار کریں۔ جناب عالی اس مسئلے کو کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

○ ان بہنوں کے اس رجحان کی بنا پر کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کا حجاب ان کے وقار کا عکاس ہونے کی بجائے مردوں کی تحریک کے ذریعے میں بدل جاتا ہے۔ کیونکہ

زمانے کی ہواؤں کے ساتھ چلنے کا یہ رجحان' جو اس قسم کے لباسوں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے' اس بات کی علامت ہے کہ یہ خاتون احساس کمتری کا شکار ہے اور اسکے ازالے کے لئے دوسروں کی نگاہوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتی ہے اور اس مقصد کے لئے ایسے حلئے میں گھر سے باہر نکلتی ہے جس سے نوجوانوں کی مرکز نگاہ بن جائے۔ یہ نفسیاتی اور ذہنی مرض لازماً اتنا بڑھ جاتا ہے کہ جس مقصد کے پیش نظر حجاب کی تاکید کی گئی ہے حجاب کو اس سے متضاد حالت میں تبدیل کر دیتا ہے۔

لباسِ شہرت

☆ لباسِ شہرت سے کیا مراد ہے؟ اور اسے پہننا کیوں حرام قرار دیا گیا ہے؟

○ لباسِ شہرت سے مراد وہ لباس ہے جسے پہننا عام طور پر انسان کے معاشرتی مقام سے سازگار اور موافق نہ ہو۔ مثلاً کوئی مرد عورتوں جیسا لباس پہن لے یا کوئی عورت مردوں کا سا لباس پہن لے۔ البتہ یہ لباس ایسا نہ ہو جس کا استعمال عورتوں اور مردوں میں مشترکہ طور پر رائج ہو۔ جیسے کہ آج کے دور میں پتلون کو مردوں کا مخصوص لباس نہیں سمجھا جاتا بلکہ (دنیا کے ایک بڑے حصے میں) معمولاً زن و مرد دونوں ہی اسے پہنتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی لباس خواتین کے لئے مخصوص سمجھا جاتا ہو یا کوئی لباس صرف مردوں سے مخصوص قرار دیا جاتا ہو' تو پھر نہ عورتوں کا ایسا لباس مردوں کو پہننا چاہئے اور نہ مردوں کا ایسا لباس عورتوں کو استعمال کرنا چاہئے۔ اس امر کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں مردوں اور عورتوں کو ایک دوسرے کا لباس پہننے سے منع کیا گیا ہے۔

اس حکم کا فلسفہ لوگوں کو نفسیاتی پیچیدگیوں کا شکار کئے بغیر معاشرے میں اعتدال و توازن کا قیام ہے۔

اسلامی پردے کی خصوصیات

☆ اسلامی حجاب (شرعی پردے) کی کیا خصوصیات ہیں؟

○ اس سلسلے میں دو عنوانات ہیں :

پہلا عنوان ستر یا پوشش ہے' جس کے معنی یہ ہیں کہ عورت چہرے اور کلائی تک ہاتھوں کے سوا اپنا پورا بدن ڈھانپ کر رکھے۔ لیکن اس مسئلے میں بعض علما احتیاط کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہاتھوں اور چہرے کا چھپانا بھی واجب سمجھتے ہیں۔ البتہ ہم علما کی اکثریت کی رائے سے متفق ہیں جو عورت کے ہاتھوں اور چہرے کے کھلے رکھنے کو جائز قرار دیتے ہیں اور اپنی رائے کی سند اس آیہ کریمہ کو قرار دیتے ہیں جس میں ارشاد الٰہی ہے : ولا یبلین زینتھن الا ما ظھر منھا (اور اپنی زینت کو نمایاں نہ کریں علاوہ اس کے جو از خود ظاہر ہے۔ سورہ نور ۲۴۔ آیت ۳۱)

لہٰذا عورت پر اپنا تمام بدن چھپانا واجب ہے' اسے چاہئے کہ ایسا لباس اپنائے جو اسکے بدن کو اچھی طرح ڈھانپ لے اور اس کے جسم کی نمائش نہ کرے۔

دوسرا عنوان خود نمائی اور زینت کے اظہار سے پرہیز ہے۔ اس لئے کہ خداوند عالم کا فرمان ہے : ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولی (اور پہلی جاہلیت کی مانند اپنی زینت ظاہر نہ کرو۔ سورہ احزاب ۳۳۔ آیت ۳۳)

لہٰذا گھر سے باہر نکلنے والی عورت کو صرف اپنا بدن چھپانے پر اکتفا نہیں کرنا چاہئے' بلکہ اگر اس نے بدن کو تو ڈھانپا ہوا ہے لیکن ہاتھوں اور چہرے کا میک اپ کیا ہوا ہے' یا زیبائش و آرائش کے وسائل اور زیب و زینت کا سبب بننے والے لباس سے خود کو آراستہ کیا ہوا ہے' تو اسکے لئے مخلوط محافل اور مقامات پر جانا جائز نہیں۔ کیونکہ ان چیزوں کا شمار زیب و زینت کو ظاہر کرنے اور خود نمائی میں ہوتا ہے اور یہ عمل نقصان دہ صورت میں عورت کی نسوانیت کو نمایاں کرتا ہے' اسکی انسانیت کا طبیعی اظہار نہیں ہے۔

ہم زینت کی حدود کو تفصیل کے ساتھ معین اور واضح نہیں کر سکتے۔ لیکن عرف عام سمجھتا ہے کہ زینت کیا ہے اور خود نمائی کے کیا معنی ہیں۔ خود نمائی "تبرج" عورت سے ظاہر ہونے والی ایک غیر طبیعی حالت کا نام ہے' جس کے ذریعے وہ خود اپنے آپ کو اور اپنے حسن و جمال کو لوگوں کی نگاہوں کے سامنے پیش کر کے انہیں دعوتِ نظارہ دیتی

ہے۔

اسلام مرد اور عورت دونوں سے چاہتا ہے کہ اپنے اپنے مخصوص لباس کے ساتھ معاشرے میں ظاہر ہوں۔ تاکہ مخلوط محافل نت نئے ملبوسات' زیب و زینت کی نمائش اور جنسی تحریک کے میدان نہ بن سکیں۔

یہاں تک ہم نے شرعی حجاب کے دو بنیادی عنوانات کی وضاحت کی۔ اب یہاں ایک تیسرے پہلو کی جانب اشارہ کریں گے' جو معنی و مفہوم کے اعتبار سے تو حجاب سے مربوط ہے لیکن شکل میں شاید حجاب سے مرتبط نہ ہو۔ اور یہ تیسرا پہلو ہے "حجاب الصوت" یعنی آواز کا پردہ (اگر یہ تعبیر درست ہو۔۔۔) اسلام عورت کو مردوں سے گفتگو کرنے اور ان کے سامنے خطاب کرنے سے منع نہیں کرتا' اسی طرح ان سیاسی اور اجتماعی مراسم میں جہاں اسے شرکت کی دعوت دی گئی ہو نعرے بلند کرنے اور جب عوام الناس میں جوش و خروش ابھارنا مقصود ہو تو وہاں گفتگو کرنے سے نہیں روکتا۔ لیکن اسلام اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ عورت اپنی آواز کو اس درجہ نرم و نازک بنائے کہ وہ دوسروں کے نفسانی احساسات میں ہیجان پیدا کرنے لگے۔ قرآن کریم میں اس بات کو اس طرح بیان کیا گیا ہے : فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبه مرض (لہٰذا ایسے ناز و انداز سے گفتگو نہ کرنا کہ جس کے دل میں مرض ہو اسے لالچ پیدا ہو جائے۔ سورہ احزاب ۳۳ - آیت ۳۲)۔ کیونکہ عورت کا نرم اور شیریں زبان میں گفتگو کرنا فریبی اور فتنہ گر انداز میں صنفِ مخالف کے ہیجان میں اضافے اور اس عورت کی جانب ان کی کشش کا سبب بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہا فرماتے ہیں : عورت کے لئے اپنی آواز کو اس قدر خوش آہنگ' نرم و نازک اور شیریں بنانا جائز نہیں جو مردوں میں تحریک اور ہیجان کا سبب ہو۔ اسی چیز کو ہم نے "آواز کے پردے" کا نام دیا ہے۔

معاشرتی حجاب

اگر ہم حجاب (پردے) کے بارے میں اسلامی تعلیمات کو بہتر طور پر سمجھنا چاہتے

ہیں' تو ہمیں اپنی گفتگو کا رخ "معاشرتی حجاب" کے موضوع کی جانب موڑنا پڑے گا۔

اسلام عورت کے مردوں کے ساتھ ایسے حالات میں تنہا ہونے کو ناپسند کرتا ہے جہاں اسکے کردار و اخلاق اور پاکدامنی کو خطرہ ہو۔ کیونکہ اس تنہائی کے نتیجے میں کچھ ایسے خیالات' تصورات اور احساسات ابھرتے ہیں جو ان دونوں کے کردار و اخلاق کے لئے مناسب نہیں ہوتے۔

ہم جانتے ہیں کہ مرد و زن کا تنہائی میں ملنا (بالخصوص جب یہ ملاقاتیں دوستانہ ماحول میں ہوں) چاہے اخلاقی زوال و انحطاط کے مرحلے تک نہ پہنچے لیکن اخلاقی خرابی کے دروازے کھول سکتا ہے۔ یہ چیز اسلام کی نظر میں مرد و زن دونوں کے لئے ناپسندیدہ ہے اور اگر اس میل ملاپ میں ایسا ماحول پیدا ہو جائے جو طبیعی طور پر ارتکاب حرام پر منتج ہو تو یہ عمل (تنہائی میں میل جول) شرعاً حرام ہے۔

اب ہم دو جنسوں (مرد و زن) کے اختلاط کے موضوع پر گفتگو کی جانب آتے ہیں۔

اسلام نے مرد و زن کے میل ملاپ کو بطور مطلق حرام قرار نہیں دیا ہے' بلکہ اسلام ایسے میل جول کو حرام سمجھتا ہے جس کا انجام فتنہ و فساد کی صورت میں ظاہر ہو۔ اور ایسے میل ملاپ کو کراہت اور ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے جو اخلاقی لحاظ سے ناپسندیدہ بعض امور کو ابھارنے کا سبب بنے۔ لہٰذا آج جبکہ ہم عملاً مرد و زن کے باہمی میل جول کو روکنے سے عاجز ہیں' پسندیدہ بات یہ ہے کہ مومن خواتین انحراف اور گمراہی کا موجب ہونے والے میل ملاپ اور منفی عواقب سے مبرہ مثبت نتائج کے حامل میل جول کے درمیان فرق قائم کریں۔

اس مقام پر ہم مذکورہ بالا گفتگو سے حاصل ہونے والے ایک اہم نکتے کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں۔ اور وہ نکتہ یہ ہے کہ عورت کو چاہئے کہ حجاب کو اپنی شخصیت میں مجسم کرلے اور وہ اس طرح کہ اپنے تصورات' جذبات اور افکار میں ایسے گہرے خطوط قائم کرے جو اسکے لئے اس بات کا امکان فراہم کر دیں کہ وہ زندگی کے حقائق اور جنس مخالف کا سامنا طبیعی طور پر کر سکے' کسی بھی صورت میں گمراہ کن افکار کو اپنے ذہن پر تسلط جمانے

کا موقع نہ دے' اسی طرح جیسے وہ معاشرے میں دوسرے افراد کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہوئے خود کو اخلاق کے راستے سے ہٹنے کی اجازت نہیں دیتی۔

زنا کار کی ذہنیت

بعض احادیث میں ملتا ہے کہ "زنا العین النظر" یعنی آنکھ کا زنا (ناپاک) نظر ہے' "زنا الاذن السمع" یعنی کان کا زنا (حرام آواز کا) سننا ہے اور "زنا الید اللمس" یعنی ہاتھ کا زنا (نامحرم کے بدن کو) چھونا ہے۔

ان احادیث سے استفادہ ہوتا ہے کہ بعض انسان باوجود یہ کہ زنا کے ناپسندیدہ اور قبیح عمل کے مرتکب نہیں ہوتے' لیکن ذہنی طور پر زانی ہوتے ہیں۔ جیسے کہ وہ بہت سے افراد جو عملاً تو کسی بدعملی کے ارتکاب پر کنٹرول حاصل کر لیتے ہیں لیکن روحانی اور نفسانی لحاظ سے اس کنٹرول کے برخلاف چلتے ہیں۔ بہت سے لوگ روحانی اور نفسانی لحاظ سے زانی ہوتے ہیں لیکن زنا کے مرتکب نہیں ہوئے ہوتے یا اندرونی طور پر خائن ہوتے ہیں لیکن خیانت کا ارتکاب نہیں کئے ہوتے۔ کیونکہ ان افراد کی یہ تمنائیں' خواہشیں اور آرزوئیں ان کے نفس کی حد تک محدود رہتی ہیں اور صرف اسی وقت جامہ عمل پہنتی ہیں جب خارج میں انہیں مساعد اور سازگار حالات میسر ہوں۔ اگر انسان اندرونی طور پر برائی کی جانب مائل ہو تو بیرونی اور خارجی حالات کا سازگار ہونا اسے بہت جلد اسکے ارتکاب کی جانب لے جاتا ہے۔

حجابِ ذہنی

لہٰذا مرد بھی گمراہ کن افکار و خیالات سے دور رہنے کے لئے اسی طرح "حجابِ ذہنی" کی ایک حالت کا محتاج ہے۔ جس طرح عورت کو اسکی ضرورت ہے۔ اس مرحلے پر ہم محسوس کرتے ہیں کہ اس مقصد کے حصول کے لئے کارآمد عملی ذریعہ عورت اور مرد دونوں کو تمام ہیجان انگیز مواقع اور عناصر سے دور رکھنا اور انہیں تحریک انگیز لٹریچر کے مطالعے اور ہیجان خیز فلموں کو دیکھنے کی اجازت نہ دینا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام میں جنسی تحریک کا سبب بننے والی فلموں اور ہیجان خیز داستانوں اور مناظر سے احتیاط کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ کیونکہ یہ عوامل انسان کے اندر ایک خاص نفسانی حالت پیدا کر دیتے ہیں' اور ہر چند کہ انسان اس کے خلاف مضبوط قدم اٹھا سکتا ہو اور اس کے مقابل اسکے قدموں میں لغزش پیدا نہ ہو لیکن اسکے باوجود یہ اسکے اندر پائی جانے والی رکاوٹوں کو توڑ پھوڑ دیتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر خارجی حالات سازگار ہو جائیں تو یہ اندرونی نفسانی حالت بہت تیزی کے ساتھ اسے گمراہی کی سمت لے جا سکتی ہے۔

حجاب کا اپنے معنی کھو دینا

لہٰذا مسلمان عورت کے لئے ضروری ہے کہ وہ حجاب کو ایک خشک' بے روح اور تقلیدی نگاہ سے نہ دیکھے اور صرف اسکی ظاہری صورت سے چمٹ کر نہ رہ جائے۔ یہ وہ حالت ہے جس کا مشاہدہ ہم بکثرت پردہ دار خواتین میں کر رہے ہیں' جو ظاہری طور پر تو پردہ دار ہیں' اپنے جسم کی پوشش کرتی ہیں لیکن ان کا یہ پردہ حجاب کی روح اور معنویت سے خالی ہوتا ہے۔ وہ اس طرح کہ یہ خواتین اپنے حجاب کے لئے ایسے بھڑکیلے اور تحریک انگیز رنگوں والے کپڑے استعمال کرتی ہیں جو ان کے جسم کو ایک خاص قسم کی خوبصورتی بخشتے ہیں۔ اور اسی طرح کے دوسرے کام بھی یہ خواتین کرتی ہیں جن کے ذریعے 'ان کے بدن کی ڈھکے ہونے کے باوجود ان کا نسوانی حسن اس طرح ظاہر ہوتا ہے جیسے وہ بے پردہ ہوں۔

یہاں یہ تاکید کرنا ضروری ہے کہ اسلام عورت سے اس کی نسوانیت کے احساس کا خاتمہ نہیں چاہتا' کیونکہ یہ اسکا طبعی احساس ہے۔ بلکہ یہ چاہتا ہے کہ عورت اس احساس کو ایک خاص دائرے میں رکھے تاکہ اس طرح ایک طرف تو وہ اخلاقی ضوابط کے لحاظ سے اسکی نسوانیت پر منفی اثرات نہ چھوڑے اور دوسری طرف معاشرے کے اخلاق پر ناپسندیدہ اثرات مرتب نہ کرے۔

حجاب مغرب کی نگاہ میں

☆ مغرب، حجاب کے مسئلے میں اسلام پر انتہا پسندی کا الزام لگاتا ہے۔ کیونکہ ان کے خیال میں اگر کوئی عورت بغیر سنگھار کئے ہوئے بے حجاب گھر سے باہر نکلے تو مرد کی تحریک اور ہیجان خیزی کا سبب نہیں بنتی۔ جناب عالی کی رائے اس بارے میں کیا ہے؟

○ ایک دلیل کی بنا پر اہل مغرب کی یہ منطق گہری اور حقیقت سے قریب منطق نہیں۔ وہ دلیل یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ عورت اپنی زنانہ لطافت و نزاکت کی وجہ سے بغیر کسی زیب و زینت کے بھی مرد کو اپنی طرف مائل کرتی ہے، ایسے ہی جیسے مرد عورت کے لئے جاذب ہوتا ہے، کیونکہ مرد کی جبلت اسے عورت کی طرف تمایل پر ابھارتی ہے۔ اور جب جبلت اپنے اظہار اور جنسی تسکین کے نقطے پر پہنچ جاتی ہے تو اس حالت کے لئے مطلوب بہت سے عناصر فراہم کر لیتی ہے۔

اسی طرح ہمارا خیال ہے کہ عورت کی زنانگی، یعنی نرمی اور نزاکت طبیعی طور پر اسے حسن اور زیبائی بخشتی ہے، جس طرح مرد کا ٹھوس اور توانا ہونا اسے ایک خاص حسن دیتا ہے۔ لہٰذا اس قول میں گہرائی نہیں کہ حجاب یا بے حجابی سے جنسی تحریک اور ہیجان کا کوئی تعلق نہیں۔ اسی لئے ہم سمجھتے ہیں کہ وہ زیبائی جو بے حجابی کے ذریعے عورت کو ملتی ہے اس زیبائی سے مختلف ہے جو حجاب اسے دیتا ہے۔ کیونکہ مثلاً عورت کے بالوں کا ایک خاص حسن ہوتا ہے، جس کے ذریعے ممکن ہے اسکی خوبصورتی میں اور اضافہ ہو جائے۔ اسی طرح دوسرے اعضائے بدن جیسے پنڈلیوں کا مخصوص حسن ہوتا ہے جو بدن کو ایک خاص تاثیر دیتا ہے۔ اس چیز کا مشاہدہ ہم ذرائع ابلاغ سے نشر ہونے والے اشتہارات کی پالیسی میں کرتے ہیں جن میں عورت کے بالوں اور پنڈلیوں کی فطری خوبصورتی کے ذریعے توجہات حاصل کی جاتی ہیں۔

لہٰذا یہ طریقہ ایک طرف تو ضمیر اور وجدان کے خلاف ہے اور دوسری طرف اس لئے ناقابل قبول ہے کہ مغرب جن فکری قواعد اور اصولوں کی بنیاد پر زندگی بسر کرتا ہے

وہ ان اصول و قواعد سے متضاد ہیں جن پر ہم ایمان رکھتے ہیں۔ مثلاً مغرب مطلق اور بے لگام آزادی پر یقین رکھتا ہے' جس میں مرد و زن کی جنسی آزادی بھی شامل ہے۔ لہٰذا وہاں حجاب کا کوئی مفہوم نہیں۔ کیونکہ حجاب گمراہی کا موجب بننے والے عوامل کی روک تھام اور نظم و ضبط (Discipline) اور توازن کے لئے مساعد و موافق ماحول ایجاد کرنے کا ایک وسیلہ ہے۔ ایک ایسے معاشرے میں حجاب کو منفور اور ناپسندیدہ نگاہ ہی سے دیکھا جائے گا جہاں لوگ اس نظریے کے حامل ہوں کہ "مرد و زن اپنے بدن کے بارے میں آزاد ہیں" کیونکہ وہ آزادی کے بارے میں جس فکری اور فلسفی قاعدے کے قائل ہیں اس میں عریانی اور بے حجابی بغیر کسی حرمت کے ایک طبیعی حالت ہے۔

حجاب' قاعدۂ عفت (پاکدامنی) کی اساس پر

لیکن مسلمانوں کی نسبت سے حجاب کی بنیاد عفت و پاکدامنی کا اصول ہے' جسے خداوند عالم نے مسلمان مرد و زن پر فرض کیا ہے اور ان سے چاہا ہے کہ وہ ان قواعد و ضوابط کے دائرے میں رہیں جو انہیں اس شدید نقصان میں جا پڑنے سے بچاتے ہیں جو خواہشات نفس کے شعلوں کی لپیٹ میں آنے کی صورت میں انہیں لاحق ہو سکتا ہے۔

ایک اور مسئلہ جس پر گفتگو ہم ضروری سمجھتے ہیں' وہ یہ ہے کہ مشرق اور مغرب میں اخلاق کی بنیاد کیا ہے؟ کیا اس معاشرے کے مبانیٔ اخلاق مرد و زن کو مکمل آزادی دیتے ہیں کہ وہ جس طرح چاہیں اپنے بدن کے ساتھ عمل کریں۔ یا یہ کہ اس بارے میں ان کے لئے کچھ اصول و ضوابط وضع کئے گئے ہیں؟ اور یہی حجاب اور بے حجابی کی سرحد ہے۔

شاید بہت سی مشرقی خواتین کی مشکل یہ ہے کہ وہ مرد و زن کے مراسم میں عفت و پاکدامنی کے اصول پر اعتقاد کے باوجود' بے حجابی اور خود آرائی جیسے مسائل میں مغرب کی تقلید کرتی ہیں۔ یہ امر ان میں دو رخہ پن پیدا کر دیتا ہے اور مرد و زن کی گمراہی کا سبب بننے والا جو ماحول انہوں نے خود اپنے ہاتھوں بنایا ہوتا ہے اسکے نتیجے میں اپنی اجتماعی زندگی کی بنیادوں کو برباد کر بیٹھتی ہیں۔ اسکے بعد اپنی عزت و شرف کے حفاظت اور اپنے

دامن سے ذلت و ننگ کا داغ دھونے کی کوشش کرتی ہیں۔ ایسی ہی خواتین پر شاعر کے اس شعر کا اطلاق ہوتا ہے۔

"القاہ فی الیم مکتوفا و قال لہ
ایاک ایاک ان تبتل بالماء"

"اسے ہاتھ باندھ کر دریا میں پھینکنے کے بعد کہہ رہے ہیں کہ خبردار پانی سے گیلے نہ ہو جانا۔"

حجاب اور فطری خواہش کی سرکوبی

☆ ایک اور اعتراض جو اس بارے میں کیا جاتا ہے' وہ یہ ہے کہ حجاب مرد کی فطری خواہش کو کچل دینے والا عامل ہے' کیونکہ حجاب کے نتیجے میں مرد سادہ اور معمولی باتوں پر بھی شدید تحریک میں آجاتا ہے۔ جناب عالی' اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

○ اس بارے میں گفتگو کرتے ہوئے ہمارے پیش نظر یہ بات رہنی چاہئے کہ فطری خواہش کچل دینے والا عامل "حجاب" نہیں ہے۔ بلکہ اس کی وجہ مرد کی فطری خواہشات کی تسکین نہ ہونا ہے۔

یعنی فطری خواہش کا کچل جانا ان خارجی حالات کا نتیجہ ہوتا ہے جو انسان کی نفسانی فضا اور فطری خواہش سے متضاد ہوتے ہیں۔ فطری خواہش اپنی تسکین چاہتی ہے لیکن خارجی حالات اس کی تسکین نہیں ہونے دیتے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں فطری خواہش کچل جاتی ہے کیونکہ عورت مرد کی فطری احتیاجات کی تسکین پر پابندی لگاتی ہے اور اس کے برعکس صورت پیش آنے پر عورت کی فطری خواہش کچل جاتی ہے۔

یہاں ایک بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ کسی عقدہ (Complex) کے نتیجے میں فطری خواہش کے کچلنے اور معاشرتی حیات کی تنظیم کے نتیجے میں فطری خواہش کے کچلے جانے کے درمیان بہت فرق ہے۔ ہم معتقد ہیں کہ تمام اخلاقی' اجتماعی اور سیاسی اصول و ضوابط ایسے انسان کے اندر عقدہ (Complex) ایجاد کرنے کا موجب ہو سکتے ہیں جو اپنی من مانی

چاہتا ہے۔ لہٰذا اگر ہم اصول و ضوابط کو فطری خواہش کی سرکوبی کا سبب بننے والا منفی طریقہ سمجھتے ہوں تو ہمیں معاشرتی حیات میں ہرج و مرج' بد نظمی' بے انتظامی اور لاقانونیت کو قبول کرنا چاہئے تاکہ کسی کو بھی کسی قسم کی روک ٹوک' حدود و قیود کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

طبیعی طور پر ہر معاشرہ اپنی تنظیم کے لئے خاص اخلاقیات اپناتا ہے۔ ممکن ہے ان میں بھی جنسی اخلاق شامل نہ ہو' لیکن معاشرتی اور اقتصادی اخلاقیات سے فرار ممکن نہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ جنسی اخلاق میں مرد و زن کی پوشش شامل نہ ہو بلکہ مرد و زن کی ایک دوسرے سے احتیاجات سے متعلق ہو۔

اگر ہم یہ کہیں کہ اسلامی حجاب فطری خواہش کی سرکوبی کا موجب ہے تو پھر بے حجابی کے بارے میں ہمیں کیا کہنا چاہئے؟۔۔۔ کیا یہ فطری خواہش کی سرکوبی کا سبب نہیں ہوتی؟۔۔۔ کیا جوان لڑکا عورت کے مختلف نازک اعضا کا نظارہ پسند نہیں کرتا؟ کیا مرد عورت کے پورے جسم سے استفادے کا شائق نہیں ہوتا؟ یہی معاملہ عورتوں کا بھی ہے۔

اگر عریانی کے مسئلے سے قطع نظر کرلیں تو دیکھتے ہیں کہ خود مغرب بھی یہ کہتا ہے کہ عورت پر لباس کے ذریعے اپنے جسم کا کچھ حصہ ڈھانپنا لازم ہے' اب وہ لوگ جو اسلامی حجاب پر عقیدہ رکھتے ہیں وہ اس میں ایک اور کپڑے کا اضافہ کردیتے ہیں جسے مغرب غیر ضروری سمجھتا ہے۔ لہٰذا فطری خواہش کی سرکوبی اور اسکے کچل جانے کا معاملہ تو ہر صورت میں باقی رہتا ہے۔

ظاہر ہونے والی زینت

☆ کلام الٰہی "ماظھر منھا"[۱] سے کیا مراد ہے؟ اور شرع میں کونسی زینت حلال ہے؟

---

[۱] ولا یبدین زینتھن الا ماظھر منھا (اور اپنی زینت کا اظہار نہ کریں علاوہ اسکے جو خود ظاہر ہو جائے۔ سورہ نور ۲۴۔ آیت ۳۱)

○ ماظھر منھا (از خود ظاہر ہونے والی زینت) سے مراد چہرہ اور دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں ہیں' جن کا کھلا رہنا انسان کی اجتماعی سرگرمیوں کا تقاضا ہے۔

خداوند عالم عورت کو اپنا چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں ڈھانپ کر رکھنے کا پابند نہیں کرنا چاہتا۔ شاید اس بات کی محکم اور واضح دلیل یہ ہے کہ دوران حج' حالت احرام میں عورت پر چہرہ چھپانا حرام قرار دیا گیا ہے' باوجود یہ کہ حج ایک عبادی حالت ہے جس میں عورت پر مکمل پردہ فرض کیا جاتا تاکہ مرد حجاج وسوسے اور ہیجان کا شکار ہونے سے محفوظ رہیں۔

اسی طرح بعض احادیث و روایات سے پتا چلتا ہے کہ ظاہر ہونے والی زینت (جس کا چھپانا عورت پر واجب نہیں ہے) میں ہاتھوں میں پہننے والی انگوٹھی' آنکھوں میں لگایا جانے والا باریک سرما اور وہ زیب و زینت شامل ہے جس کا تقاضا عورت کی عام اور معمول کی زینت کرتی ہے۔

☆ اس بنیاد پر' کیا زینت سے مراد تزئین و آرائش کے وہ مخصوص وسائل میں جو عورتوں کے زیر استعمال ہوتے ہیں' یا مقصود ان کے جسم کی قدرتی خوبصورتی ہیں؟

○ زینت میں دونوں ہی شامل ہیں۔

عورت پر حرام نگاہ

☆ نگاہ حرام کا تعین کیسے کیا جا سکتا ہے؟ تصویروں اور غیر اخلاقی فلموں میں نظر آنے والی عورت پر نگاہ ڈالنے کا کیا حکم ہے؟

○ نگاہ حرام کے بارے میں جس قرآنی نص میں ذکر آیا ہے' اس پر غور و فکر کے ذریعے یہ استنباط کیا جا سکتا ہے کہ خداوند عالم چاہتا ہے کہ مومن مرد اور مومن خواتین' ایک دوسرے کے بارے میں ایسے پاک و پاکیزہ جذبات اور احساسات رکھیں جن میں اخلاق سے بعید کسی بری نیت کا گزر نہ ہو۔ اگر جذبات و احساسات میں یہ پاکیزگی نہ پائی جائے تو صاحب ایمان مرد و زن نفسیاتی اضطراب کی ایک ایسی حالت میں گرفتار ہو

جائیں گے جو مستقبل میں ان کی گمراہی کا میدان فراہم کر دے گی۔ خداوند عالم انسان سے چاہتا ہے کہ وہ اپنی ذات میں فکری پہلو سے عصمت کا مالک ہو' تاکہ یہ عصمت' عملی عصمت تک اس کی رسائی کا ایک وسیلہ بن جائے۔ کیونکہ عمل کی جڑیں فکر' شعور اور احساس میں پیوست ہوتی ہیں۔

لہٰذا جب ہم آیہ کریمہ "قل للمومنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم' ذلک ازکی لھم' ان اللہ خبیر بما یصنعون" ۱؎ کی قرات کرتے ہیں تو "ازکی لھم" (ان کے لئے پاکیزہ تر ہے) کی تعبیر پر غور کے ذریعے اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ خداوند عالم چاہتا ہے کہ انسان اپنے اندر ایسی باطنی طہارت پیدا کرے جو اسکی عملی طہارت میں تبدیل ہو جائے۔ اور اسی طرح خواتین کے بارے میں ارشاد الٰہی ہے : وقل للمومنات یغضضن من ابصارھن و یحفظن فروجھن ۲؎۔ اور مردوں سے عورتوں کے طرز گفتار کے بارے میں ہدایت پر مشتمل آیت : فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض ۳؎ سے استفادہ ہوتا ہے کہ خداوند عالم خواتین سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ طبیعی طریقے سے گفتگو کریں' کیونکہ ان کا شیریں لہجے میں اور ناز و ادا کے ساتھ گفتگو کرنا مردوں کے ان کی جانب ناجائز تمایل کا موجب ہو گا۔

۱؎ ترجمہ : اور مومنین سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں کہ یہی زیادہ پاکیزہ بات ہے اور بے شک وہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ اس سے خوب باخبر ہے۔ (سورہ نور ۲۴۔ آیت ۳۰)

۲؎ ترجمہ : اور مومنات سے کہہ دیجئے کہ وہ بھی اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں اور اپنی عفت کی حفاظت کریں۔ (سورہ نور ۲۴۔ آیت ۳۱)

۳؎ ترجمہ : لہٰذا کسی سے ناز و ادا سے گفتگو نہ کرنا کہ جس کے دل میں بیماری ہو اسے لالچ پیدا ہو جائے۔ (سورہ احزاب ۳۳۔ آیت ۳۲)

خائن نگاہیں

اس گفتگو سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ (شرعی نکتہ نظر سے) عورت پر پڑنے والی مرد کی جائز اور مناسب نگاہ وہ ہے جو طبیعی ہو اور مشکوک اور غلط سوچ کے ہمراہ نہ ہو۔ لیکن عورت پر پڑنے والی مرد کی ایسی نگاہ جو اس میں حرام کی جانب رغبت پیدا کردے' اسے "خائن نگاہ" کا نام دیا گیا ہے۔ یہ وہی تعبیر ہے جو اس آیہ کریمہ میں استعمال کی گئی ہے : یعلم خائنۃ الاعین وما تخفی الصدور (وہ خدا' نگاہوں کی خیانت کو بھی جانتا ہے اور دلوں کے چھپے ہوئے بھیدوں سے بھی باخبر ہے۔ سورہ غافر ۴۰۔ آیت ۱۹) اور اس تعبیر کو اس دعا میں بھی پاتے ہیں : اللھم طھر قلبی من النفاق' وعملی من الریاء' ولسانی من الکذب' وعینی من الخیانۃ' فانک تعلم خائنۃ الاعین وما تخفی الصدور (بارالہا! میرے دل کو نفاق سے' میرے عمل کو ریا سے' میری زبان کو جھوٹ سے اور میری آنکھ کو خیانت سے پاک فرما کہ تو خائن نگاہوں اور دل کے چھپے بھیدوں سے خوب واقف ہے۔)

لہٰذا خائن نگاہ' جانتے بوجھتے اٹھنے والی وہ نگاہ ہے جس میں خیانت پوشیدہ ہو۔ اور یہاں خیانت حرام کی جانب رغبت کا کنایہ ہے۔ یہ نگاہ فعلِ حرام کی انجام دہی اور گمراہی کی طرف لے جاتی ہے۔

مشکوک اور قصدِ لذت سے نگاہ ڈالنا ممنوع ہے

اس طرح واضح ہوتا ہے کہ (شرع کے نکتہ نظر سے) وہ نگاہ پسندیدہ اور مطلوب ہے جس میں حصولِ لذت کا ارادہ نہ ہو۔ یعنی ایسا نہ ہو کہ مرد عورت کی خوبصورتی سے لطف ولذت اندوزی کے لئے اسے گھورے۔ یہ نگاہ چاہے دس فی صد ہی سہی لیکن بہرصورت منفی نتائج کی حامل ہوتی ہے۔

خوبصورت عورت کو لذت کی نگاہ سے دیکھنے اور قدرتی مناظر کو لطف اندوزی کی نیت سے دیکھنے کے درمیان فرق ہے۔ کیونکہ عورت کی زیبائی کی جانب لذت کی نگاہ ڈالنا

جنسی احساسات کو بھڑکاتا ہے' جو صنفِ مخالف کی جانب کشش کا باعث ہے۔ اور یہ عمل منفی آثار و نتائج پر منتج ہوتا ہے۔ جبکہ لطف و لذت کی غرض سے قدرتی مناظر کا نظارہ کسی قسم کے منفی نتائج نہیں رکھتا۔

اسی بنا پر فقہا نے شرط رکھی ہے کہ نگاہ اسی صورت میں جائز ہے جب وہ بغیر قصدِ لذت کے اور بغیر کسی برے ارادے کے ہو۔ اس مقام پر امیر الشعراء "احمد شوقی" کے اس شعر سے استشہاد اچھا ہے گا جس میں وہ کہتے ہیں کہ :

"نظرۃ فابتسامۃ فکلام
فسلام فموعد فلقاء"

"یعنی : نظر' مسکراہٹ پھر کلام' سلام پھر عہد و پیمان پھر دیدار"

یہاں نظر سے شاعر کی مراد وہ نگاہ ہے جو بعد کے مراحل کی منصوبہ بندی کرتی ہو۔ اور اسی کو غرض آلود اور ناپاک نگاہ کہا جاتا ہے۔ شاید درج ذیل حدیث سے بھی یہی معنی لئے جا سکیں جس میں ارشاد ہوتا ہے : النظرۃ الاولی لک والثانیۃ علیک (پہلی نگاہ جائز ہے اور دوسری تمہارے لئے ضرر رساں)

کیونکہ عام طور پر پہلی نگاہ اتفاقی اور قدرتی ہوتی ہے لیکن اگر دوسری اور تیسری نگاہ بھی اٹھے تو اسکے معنی یہ ہیں کہ انسان کے نفس میں کوئی ایسی چیز پیدا ہو گئی ہے جو اسے ایک دوسرے احساس کے ساتھ پے در پے نگاہ ڈالنے پر اکسا رہی ہے۔

اسی طرح وہ آیت جس میں عورتوں کے مردوں سے انداز گفتگو کے بارے میں بات ہوئی ہے' وہ بتاتی ہے کہ اسلام عورت اور مرد کے ایسے تعلقات کو پسند نہیں کرتا جو ان کے اخلاق پر برے اثرات مرتب کریں۔ لہٰذا جس طرح عورت کو مرد سے اس انداز سے بات چیت نہیں کرنی چاہئے جو بیمار دلوں میں وسوسہ پیدا کر دے اسی طرح مرد کو بھی عورت کو اس انداز سے نہیں دیکھنا چاہئے جو اس کے دل میں وسوسوں کو جنم دے۔

اس گفتگو سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انسان کو چاہئے کہ اپنے دل میں مرض کو جگہ نہ دے۔ یہاں "مرض" کی اصطلاح بری نیت کا کنایہ ہے۔ اور بے شک خدا کو یہ

بات پسند نہیں کہ انسان کے دل میں بری نیت پیدا ہو۔

اسی طرح خدا ایسے ماحول کی فراہمی کو بھی پسند نہیں کرتا جو بری نیت کے حامل انسان کی حوصلہ افزائی کا موجب ہو۔ نتیجے کے طور پر یہ کہنا چاہئے کہ اسلام کی نظر میں ہر ایسی نگاہ حرام ہے جو نفسِ "خیانت" کا راستہ ہموار کرتی ہو۔

نظروں کا جھکا لینا' انحراف کے خلاف ڈھال

☆ ایک ایسے ماحول میں جہاں مرد اپنی ہم جماعت یا دفتر میں ساتھ کام کرنے والی خواتین پر نظر ڈالنے پر مجبور ہو' وہاں کبھی کبھی مشکوک نگاہ ایک لاشعوری عمل بن جاتی ہے اور مسلسل میل جول اور پیہم نظر پڑنے کے نتیجے میں یہ احساس پیدا ہو جاتا ہے۔

○ مرد و زن کے درمیان دوستانہ فضا' کبھی کبھی قربت کی ایسی حالت وجود میں لے آتی ہے جس میں ایک انسان دوسرے انسان کو پہلے سے مختلف نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ کیونکہ پیشہ ورانہ امور کی انجامدہی کے دوران اور کام کی ضروریات کے تحت عورت پر معمول کے مطابق نگاہ ڈالنے اور انس و الفت اور تمایل و رغبت کے احساس کی بنیاد پر اسے دیکھنے کے درمیان بہت فرق ہے۔ اس دیکھنے کو قدرتی اور طبیعی حالت نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ یہ حالت ایک خاص نفسانی فضا تیار کرتی ہے جو ایک معین وضع میں بدل کر ممکن ہے انسان کو گمراہی اور انحراف میں مبتلا کر دے۔

لہٰذا خداوند عالم مومن مرد اور مومن خواتین سے چاہتا ہے کہ اپنی نظریں جھکائے رکھیں تاکہ اس حالت سے بچے رہیں جو ناپسندیدہ نتائج پر منتج ہوتی ہے۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مومن مرد اور مومن خواتین پر لازم ہے کہ جب وہ ایسی صورتحال سے دوچار ہوں تو ان کا شعور ہوشیار اور چوکنا رہے۔

قدرتی طور پر یہ گفتگو ان مواقع کے بارے میں ہے جن میں دیکھنا شرعاً جائز ہو۔ لیکن ایسے مواقع پر جب نگاہ ڈالنا جائز نہ ہو' وہاں اسلام نے عورت کے بعض اعضا پر نگاہ ڈالنے کی حدود مقرر کی ہیں جس طرح عورت کے لئے مرد کے بعض اعضا پر نگاہ

ڈالنے کی حدود وضع کی ہیں۔ تاکہ یہ نگاہیں صنف مخالف کی جانب میلان کے لئے انسان میں موجود جنسی پہلو کی تحریک کا سبب نہ بنیں۔ لہٰذا علوم اجتماعی کے بعض ماہرین کہتے ہیں کہ مشکل ہے کہ عورتوں اور مردوں میں صادقانہ (بے لوث) دوستی پائی جائے۔

نگاہ کے جواز کی شرعی حد

☆ اس صورتحال میں اجنبی عورت پر نگاہ ڈالنے کے جواز کا فلسفہ کیا ہے؟

○ اس سوال کے جواب میں جو فتوئی سامنے آتا ہے وہ دو فتاوئی کی صورت میں قابل تجزیہ ہے:

پہلا فتوئی ان مسلمان یا غیر مسلمان خواتین پر نگاہ ڈالنے کے جواز سے متعلق ہے جنہیں بے پردگی سے روکا گیا ہو لیکن وہ اس کی پروا نہ کرتی ہوں' البتہ بعض علما اس قسم کی مسلمان عورتوں کے بارے میں احتیاط کے قائل ہیں۔

اس مسئلے کی بنیاد وہ فقہی رائے ہے جو بعض ایسی احادیث سے پیدا ہوتی ہے جن کا مفہوم یہ ہے کہ عورت پر نگاہ ڈالنے کا مسئلہ اس کے احترام سے مربوط ہے۔ لہٰذا اگر کوئی عورت اپنے بدن کے کسی حصے کو چھپاتی ہو تو اس پر نگاہ ڈالنا اسکی توہین اور ہتک حرمت کے مترادف ہے۔ کیونکہ اسکا پوشش اختیار کرنا اس بات کی علامت ہے کہ وہ بدن کے ان حصوں کو دوسروں سے پوشیدہ رکھنا چاہتی ہے اور اس بات پر راضی نہیں کہ کوئی ان پر نگاہ ڈالے۔ اور اگر اسے پتا چل جائے کہ کوئی چوری چھپے اسے دیکھ رہا ہے تو وہ اس پر ناراض ہوگی اور اسے اپنی تنقید اور ملامت کا ہدف قرار دے گی۔

پردے کا احترام' نظر کے احترام کا تقاضا کرتا ہے

انسان اپنی جن چیزوں کو پوشیدہ رکھنا چاہتا ہے ان کے لئے ایک حریم (حصار) قائم کرتا ہے۔ لہٰذا انسان بدن کے جن حصوں کو چھپانے کا خواہشمند ہوتا ہے ان پر نگاہ ڈالنے کا موضوع اساسی مسائل میں سے ہے۔ قطع نظر اسکے کہ یہ نگاہ' نگاہ ڈالنے والے کو فریفتہ اور گمراہ کرے یا نہ کرے۔

اس بنیاد پر اگر کوئی عورت اپنے بدن کے لئے کوئی حریم (حصار) قرار نہ دے۔ یعنی اپنے بدن کے ایسے حصے کھلے رکھے جو فتنے کا باعث بنتے ہیں' تو اسکے بدن کے یہ حصے کسی حرمت کے حامل نہیں جس کی رعایت انسان پر فرض ہو۔ لہٰذا نامحرم مرد کا اس پر بغیر قصدِ لذت کے اور غیر مشکوک نگاہ ڈالنا جائز ہے۔

یہ تو رہا ایک پہلو سے' دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس جواز کی بنیاد ایسے معاشرے میں انسان سے تنگی اور مشکل کو رفع کرنا ہے جس میں عورتیں سج دھج کے ساتھ بے حجاب باہر نکلتی ہیں اور جن سے چشم پوشی انسان کے لئے ممکن نہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے لا حرمة لنساء اهل الذمة ان ینظر الی شعورهن (اہل ذمہ عورتوں کے بالوں پر نگاہ ڈالنا حرام نہیں)

اس حکم کے ذریعے مردوں سے اس سختی اور دشواری کو رفع کیا گیا ہے جن میں وہ مغربی معاشروں کی مانند معاشروں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ یہ حکم اس بنا پر ہے کہ ان عورتوں نے خود اپنے ہاتھوں اپنے حریم کو توڑا ہے۔ اسکے باوجود اس قسم کی خواتین پر نگاہ ڈالنے کی بنیادی شرط یہ ہے کہ یہ نگاہ برے ارادے اور لذت کی غرض سے نہ ہو۔

عورت کی تصویر دیکھنا

لیکن دوسرا فتویٰ جو تصویر کے مسئلے سے مربوط ہے' اس میں بعض ایسے فتاویٰ موجود ہیں جن کے مطابق عورت کی تصویر دیکھنا حرام نہیں۔ البتہ اس مسئلے میں بعض علما ان باحجاب خواتین کی تصاویر کے بارے میں احتیاط کو ملحوظ رکھنے کے قائل ہیں جو یہ نہیں چاہتیں کہ کوئی تصویر میں بھی ان کے سراپے کو دیکھے' جو تصویر مثلاً ان کے محرم نے اتاری ہو۔

علما کے نزدیک' اگر نگاہ ڈالنے والا شخص عورت کو جانتا ہو تو احتیاط واجب یہ ہے کہ وہ بارِدہ خاتون کی تصویر پر نگاہ نہ ڈالے۔ یہ علما اس عمل کو عورت کی ہتک حرمت قرار دیتے ہیں' کیونکہ جب وہ خود اپنے آپ کو اس حد تک چھپانا چاہتی ہے تو اسکی تصویر کو

دیکھنا اسکی آزادی کی مخالفت اور اسکے حریم کو توڑنا ہے۔

لیکن اس دائرے سے باہر' یعنی اگر عورت اسکے لئے اجنبی ہو' یا بے حجاب اور بن سنور کر باہر نکلنے والی عورتوں میں سے ہو تو ایسی صورت میں علما کی رائے یہ ہے کہ نگاہ ڈالنے کے حرام ہونے کے دلائل تصویر پر نگاہ ڈالنے کے حرام ہونے کو شامل نہیں کرتے بلکہ صرف بنفسِ نفیس عورت پر نگاہ ڈالنے کے حرام ہونے تک محدود ہیں۔

علمانے ہر صورت میں یہ پابندی عائد کی ہے کہ نگاہ ڈالنا تب ہی جائز ہے جب وہ غیر مشکوک اور بغیر لذت کے ہو۔

اس گفتگو کی روشنی میں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جنسی فلموں کو دیکھنے کا مسئلہ ان بیان شدہ فتاویٰ کے ضمن میں نہیں آتا۔ کیونکہ اس کا تعلق لذت اندوزی سے ہے جو بسا اوقات ان افراد کے روحانی تزلزل کا باعث ہو جاتی ہے جو ان فلموں کو دیکھنے کے عادی ہوتے ہیں۔

طبی وجوہات کی بنا پر نگاہ ڈالنا

☆ طبی ضروریات کے پیش نظر کیا مرد عورت کے جسم پر نگاہ ڈال سکتا ہے؟

○ اگر مرد ڈاکٹر علاج کی غرض سے عورت کے بدن کے ایسے حصوں پر نگاہ ڈالے جن کی حالت سے وہ واقف نہ ہو تو کوئی مانع نہیں۔ بشرطیکہ عملی لحاظ سے کوئی مشکل پیش نہ آئے۔ جس طرح مرد ڈاکٹر کے لئے خاتون مریضہ کا معائنہ کرنا جائز ہے' جبکہ اسکا علاج مرد ڈاکٹر کے معائنہ پر موقوف ہو۔ اسی طرح خاتون ڈاکٹر کے لئے بھی مرد مریض کے ہر عضو بدن پر نگاہ ڈالنا جائز ہے۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ اگر عورت کے لئے مرد ڈاکٹر' خاتون ڈاکٹر سے زیادہ سود مند اور کار آمد ہو تو اسکے لئے جائز ہے کہ علاج کے لئے مرد ڈاکٹر سے رجوع کرے' اور ڈاکٹر کے لئے اسکے بدن کے ان حصوں کا مشاہدہ جائز ہے جن پر عام حالات میں اسکے لئے نگاہ ڈالنا حرام ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ایک حدیث میں آیا ہے کہ راوی نے آپ سے

سوال کیا : اگر کسی مسلمان عورت کے بدن کے ایسے حصے پر کوئی بیماری یا زخم ہو' یا ٹوٹ پھوٹ ہو' جس پر نگاہ ڈالنا نامحرم مرد کے لئے جائز نہیں تو کیا وہ کسی ایسے مرد ڈاکٹر سے رجوع کر سکتی ہے جو خاتون ڈاکٹر سے بہتر علاج کر سکتا ہے؟ اور کیا مرد ڈاکٹر کے لئے اس کے بدن کے اس حصے پر نگاہ ڈالنا جائز ہو گا؟ امامؑ نے جواب دیا : اگر علاج کی غرض سے مرد ڈاکٹر سے رجوع کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہو تو رجوع کر سکتی ہے۔

ایک دوسری حدیث میں جو علی بن جعفر نے اپنے بھائی امام موسیٰ کاظمؑ سے نقل کی ہے' آیا ہے کہ امامؑ سے سوال کیا گیا : کیا عورت کے لئے مرد کی ران یا کولہے کے زخم کا علاج کرنا جائز ہے؟ امامؑ نے فرمایا : اگر شرمگاہ نہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔

لڑکی کی ولایت کا مسئلہ

☆ لڑکی پر اسکے ولی کے اختیارات کی حدود کیا ہیں؟

○ جس طرح عاقل' بالغ اور باشعور (رشید) جوان لڑکے پر کسی کی ولایت نہیں' اسی طرح عاقل' بالغ اور باشعور (رشیدہ) لڑکی پر کسی کو ولایت حاصل نہیں۔ اس لئے کہ جب انسان سنِ بلوغ کو پہنچ جائے اور اسکا شعور بھی پختہ ہو جائے تو وہ اپنے معاملات کا خود ذمہ دار ہو جاتا ہے : وابتلوا الیتامیٰ حتی اذا بلغوا النکاح فان انستم منھم رشدا فادفعوا الیھم اموالھم (اور یتیموں کا امتحان لو' جب وہ نکاح کے قابل ہو جائیں' تو اگر ان میں رشید ہونے کا احساس کرو تو ان کے اموال ان کے حوالے کر دو۔ سورہ نساء ۴ - آیت ۶)۔ یہ مسئلہ صرف یتیموں سے مخصوص نہیں بلکہ تمام قاصر (سمجھ بوجھ نہ رکھنے والے) اس میں شامل ہیں۔

لیکن کچھ فقہا بعض احادیث کے پیش نظر کنواری لڑکی کے بارے میں احتیاط کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ اسے (اپنی شادی کے مسئلے میں) اپنے باپ یا دادا کے مشورے اور اجازت سے عمل کرنا چاہئے۔ البتہ اس احتیاط کے معنی یہ نہیں ہیں کہ باپ دادا اس پر ولایتِ عام رکھتے ہیں۔ کیونکہ باپ یا دادا بغیر اسکی رضامندی کے اسے کسی کی زوجیت

میں دینے کا حق نہیں رکھتے جس طرح نابالغ اور ناسمجھ بچے کی رضامندی کے بغیر اسکی شادی کا اختیار رکھتے ہیں۔ لیکن (عاقل' بالغ اور باشعور) لڑکی کی رضامندی کے بغیر اسکے باپ یا دادا کسی سے اسکی شادی نہیں کر سکتے۔

کنواری لڑکی کے بارے میں احتیاط کی وجہ

یہاں دراصل لڑکی کی ناتجربہ کاری اور دھوکہ و فریب کھانے کے امکان کی وجہ سے احتیاط کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ لہٰذا باپ یا دادا کی اجازت کی شرط' لڑکی کو شریک حیات کے انتخاب میں لغزش سے محفوظ رکھنے کے لئے ایک احتیاطی تدبیر سمجھی جاتی ہے اور اسی وجہ سے بیوہ یا مطلقہ عورت کو شادی کے لئے باپ یا دادا کی اجازت کی ضرورت نہیں۔

بہت ممکن ہے کہ بعض لوگوں کے خیال میں یہ مسئلہ (باپ یا دادا کی اجازت) صرف اسی پہلو سے مربوط نہ ہو' اور اسکے دوسرے دلائل بھی ہوں' جیسے مشرق کے اسلامی معاشروں میں باپ دادا کے احترام کی رسم کہ جہاں کوئی لڑکی ان کی اجازت کے بغیر شادی نہیں کرتی۔ ان معاشروں میں اس مسئلے کو باپ دادا کے معاشرتی عزت و وقار سے مربوط سمجھا جاتا ہے' لہٰذا باپ اپنی لڑکی کے بارے میں فیصلہ کرنے میں صاحب اختیار ہوتا ہے کیونکہ اگر لڑکی کو ناپسندیدہ حالات کا سامنا کرنا پڑے تو اسکے باپ پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں اور اگر لڑکی خوشگوار زندگی گزارے تو یہ اسکے باپ پر مثبت اثرات ڈالتے ہیں۔

ایسے فقہا بھی جو کنواری لڑکی کے لئے باپ یا دادا کی اجازت کو شرط قرار دیتے ہیں' باپ دادا (یا پردادا) کے انتقال کر جانے کی صورت میں کنواری لڑکی کے لئے کسی کی اجازت کو ضروری نہیں سمجھتے۔ یہ امر اس بات کی دلیل ہے کہ باپ یا دادا کی اجازت کے شرط ہونے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ لڑکی اپنے بارے میں فیصلہ کرنے کی اہلیت نہیں رکھتی بلکہ یہ شرط لڑکی کے مستقبل کے لئے احتیاط اور باپ دادا کے احترام کی غرض سے ہے۔

فقہا کے درمیان ایک اور رائے بھی ہے جو شادی کے معاملے میں لڑکی کے لئے

باپ یا دادا کی اجازت کو واجب نہیں سمجھتی بلکہ اسے آزاد اور خود مختار قرار دیتی ہے۔

کیا لڑکی اپنے معاملات میں خود مختار ہے؟

☆ اس بارے میں جناب عالی کی رائے کیا ہے؟

○ ہمارے خیال میں اگر لڑکی باشعور (رشیدہ) ہو تو اپنے ذاتی معاملات اور مال کے بارے میں خود مختار ہے۔

☆ رائج نظریات کے مطابق' باپ یا دادا کی اجازت صرف عورت ہی کے لئے کیوں مخصوص ہے' مرد کے لئے بھی کیوں ضروری نہیں؟

○ کیونکہ مرد کا معاشرتی زندگی سے زیادہ سروکار ہوتا ہے' لہٰذا اس سلسلے میں اسے عورت کی نسبت زیادہ مواقع فراہم ہونے کی بنا پر شادی بیاہ کے مسائل کا زیادہ تجربہ اور ازدواجی زندگی کی حقیقتوں کے بارے میں زیادہ سوجھ بوجھ ہوتی ہے۔

یہ تو اس مسئلے کا ایک پہلو تھا' دوسرے پہلو کی تفسیر یہ کی جاتی ہے کہ اگر مرد شادی کے معاملے میں دھوکا کھا بیٹھے تو اپنی بیوی کو طلاق دے کر اس بندھن کو توڑ سکتا ہے جبکہ اسلام نے عورت کو طلاق کا حق نہیں دیا ہے۔ لہٰذا عورت کو اس معاملے میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے تاکہ ایسی حالت کا شکار نہ ہو جس سے اس کا چھٹکارا باآسانی ممکن نہیں۔

لڑکی کا سنِ شعور (رشد)

☆ لڑکی کتنے برس کی عمر میں باشعور (رشیدہ) کہلائے گی؟

○ شعور کے لئے کسی خاص اور معین عمر کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ ہم ایسی لڑکیوں کو بھی دیکھتے ہیں جو گیارہ بارہ برس کی عمر میں باشعور ہو جاتی ہیں اور بعض ایسی بھی ہیں جو بیس برس کی ہو جانے کے باوجود باشعور (رشیدہ) نہیں ہوتیں۔

☆ شعور (رشد) کا معاشرتی مفہوم کیا ہے؟

○ شعور (رشد) کا معاشرتی مفہوم یہ ہے کہ لڑکا یا لڑکی ایسی ذہنی استعداد کے مالک ہو

جائیں جس کے تحت وہ اپنے مالی امور کو بغیر کوئی حماقت کئے سمجھداری کے ساتھ چلا سکیں۔

امر بالمعروف ولایت نہیں ہے

☆ لڑکی کی شادی کے بعد کیا اس پر سے باپ کی ولایت ختم ہو جاتی ہے؟

○ بنیادی طور پر تو باپ اپنی بالغ اور سمجھ بوجھ کی حامل لڑکی پر کوئی ولایت نہیں رکھتا۔ لیکن جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں' شادی کے مسئلے میں (باپ کی ولایت) صرف احتیاط کی غرض سے ہے وگرنہ دوسرے معاملات میں باپ کو اپنی لڑکی پر کسی قسم کی ولایت حاصل نہیں۔ اگر بالفرض باپ کو اپنی لڑکی کی تعلیم اور مالی تصرف پر اس وقت ولایت حاصل ہوتی ہے جب وہ گمراہ ہو رہی ہو تو ایسی صورت میں یہ بات باپ بیٹی کے مسئلے سے باہر نکل کر ایک مومن کے دوسرے مومن کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے زیرِ عنوان آجاتی ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں لڑکی پر باپ کی ولایت نہ ہی شادی سے پہلے ثابت ہے اور نہ ہی شادی کے بعد۔

☆ کیا باپ کو حق نہیں کہ وہ اپنی لڑکی کو مثلاً حجاب پر مجبور کرے؟

○ باپ یا شوہر کے طور پر نہیں بلکہ ایک مسلمان کے طور پر اسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا چاہئے۔ اور لڑکی بھی جب اپنے باپ کی فرمانبرداری میں حجاب کی پابندی کرے تو وہ بھی یہ اطاعت اس لئے نہ کرے کہ یہ اسکے باپ کا حکم ہے' یا باپ کی خواہش کے احترام نے اس کے لئے فرض کر دیا ہے۔ بلکہ وہ باپ کو ایک خیر خواہ ناصح اور راہنما سمجھتے ہوئے اسکی اطاعت کرے۔

یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ جبراً عمل کبھی کبھی ایسی نفسیاتی گھٹن پیدا کر دیتا ہے جس کے منفی اثرات پہلے سے زیادہ بڑی مشکل کھڑی کر دیتے ہیں۔ البتہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں شرعی شرائط کو ملحوظ رکھنا واجب ہے۔

عرف اور شرع کا اختلاف[۱]

☆ کیا کبھی عرف، حکمِ شرعی پر مقدم ہو سکتا ہے؟

○ کسی بھی حال میں عرف احکام شریعت پر مقدم نہیں ہو سکتا۔ عرف کا کردار (عرف سے متعلق مواقع پر) صرف کتاب و سنت کی دینی نصوص کا فہم ہے۔ ہاں! بسا اوقات عرف کے اختلاف کے اثر سے موضوعات شرع تبدیل ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ایک فتوے کے مطابق مردوں کے لئے زنانہ لباس پہننا جائز نہیں اور اسی طرح عورتوں کو بھی مردانہ لباس پہننے کی اجازت نہیں۔ لہٰذا بالفرض 'اگر کوئی خاص لباس' جیسے پتلون جو ایک مردانہ لباس ہے کثرت استعمال کے وجہ سے عورتوں اور مردوں کا مشترکہ لباس ہو جائے اور ایسی حالت میں عرف آگے بڑھ کر اس مخصوص لباس کو مشترک لباس میں تبدیل کردے تو درحقیقت اس نے موضوع کو بدل دیا ہے۔ لہٰذا اسکے بعد اگر کوئی عورت پتلون پہنے تو اسے مردانہ لباس پہننے والی نہیں کہیں گے کیونکہ اب پتلون مرد و زن کا مشترکہ لباس ہو چکا ہے۔

لہٰذا کبھی کبھی عرف کے دخل اور تصرف کے نتیجے میں موضوع بدل جاتا ہے لیکن عرف اس وقت تک کسی حکم شرعی کو نہیں بدل سکتا جب تک موضوع سلامت رہے۔

ازدواجِ موقت (متعہ) کے بارے میں عرف کا موقف

☆ ابھی جبکہ ہم عرف کے موضوع پر گفتگو کر رہے ہیں' مناسب سمجھتے ہیں کہ اس حوالے سے ازدواج موقت یا متعہ کے مسئلے پر بھی کچھ بات ہو جائے۔ بہت سے معاشروں میں "عرف" ازدواج موقت کو عورت کی تحقیر و اہانت کا سبب سمجھتا ہے۔ یہاں تک کہ اس عمل کو زنا کی مانند قرار دیتے ہیں؟

○ اس موضوع کے بارے میں ہم اصولی طور پر عرف کی رائے کا احترام نہیں کر

---

[۱] عرف = رائے عامہ' عام معاشرتی رجحان۔

سکتے۔ کیونکہ اسلام غلط مفاہیم کو بدلنے کے لئے آیا ہے' لہٰذا اگر عرف اس موضوع کی مخالفت کرے اور اسے معیوب سمجھے جبکہ اسلام اسے ایک طبیعی اور بے عیب امر قرار دیتا ہے' تو ہم اس مسئلے میں عرف کی طرفداری نہیں کر سکتے۔

البتہ ایسے مسائل کے بارے میں عرف کی منفی رائے کبھی کبھی انہیں ایک قسم کی ناپسندیدہ چیز بنا دیتی ہے۔ کیونکہ عرف کا انہیں معاندانہ نظر سے دیکھنا' انہیں مرد و زن کے لئے ذلت و حقارت کا موجب بنا دیتا ہے اور بعض اوقات انسان پسند نہیں کرتا کہ خود کو ایسی صورتحال میں ڈال کر اپنے لئے درد سر مول لے۔

ہماری احادیث میں آیا ہے کہ کنواری لڑکی کے ساتھ متعہ مکروہ ہے۔ ہرچند اس کے باپ دادا موجود نہ ہوں۔ کیونکہ ممکن ہے معاشرے کی طرف سے اسے مشکلات پیش آئیں اور یہ اسکی عزت و آبرو کے لئے ضرر رساں ہو۔

بسا اوقات ہم دیکھتے ہیں کہ عرف ذلت و عار کے موضوع کو بہت پھیلا دیتا ہے۔ جیسے کہ بعض پسماندہ قبائلی معاشروں میں اگر کوئی لڑکی اپنے چچا زاد کے علاوہ یا اپنی برادری کے باہر کسی فرد سے شادی کر لے تو اسکا مواخذہ کرتے ہیں اور اس کے اس فعل کو اپنے لئے ذلت و عار محسوس کرتے ہیں۔ اسی طرح ان معاشروں میں مطلقہ یا بیوہ عورت کے عقد ثانی کو بھی بری نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

بہر صورت اسلام چیزوں کے بارے میں عرف کے نکتہ نظر کی تصحیح کے لئے آیا ہے۔ لیکن اگر عرف (کا نکتہ نظر) اس حد تک پہنچ جائے کہ عنوان ثانوی کی حیثیت اختیار کر لے تو ایسی صورت میں حکم شرعی اس عنوان ثانوی کی پیروی کرتا ہے اور اسکی رو سے کبھی وہی چیز مکروہ قرار پاتی ہے کبھی حرام اور کبھی ----

متعہ گمراہی کے خلاف ایک ڈھال

☆ متعہ کے بارے میں ایک اور سوال بھی پیش آتا ہے' اور وہ یہ کہ آیا اسلام متعہ کو ایک طبیعی حق قرار دیتا ہے کہ انسان جب چاہے اس حق سے استفادہ کرے' یا یہ قانون

خاص حالات کے لئے ہے' یا یہ کہ اسے ایک خاص مشکل سے نکلنے کے لئے راہِ حل کے طور پر وضع کیا گیا ہے؟

○ اگر ہم اس قرآنی نص کا مطالعہ کریں جسے متعہ کے قائل حضرات بطور سند پیش کرتے ہیں تو اسے بغیر کسی خاص قید و شرط کے ایک مطلق نص پاتے ہیں : فما استمتعتم بہ منھن فاتوھن اجورھن فریضۃً (پس جو بھی ان عورتوں سے تمتع کرے ان کی اجرت انہیں بطور فریضہ دیدے۔ سورہ نساء ۴۔ آیت ۲۴)۔ اور جب متعہ کے موضوع کا جائزہ لیتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ متعہ ضروری حالتوں کے لئے بھی ہے اور احتیاجات اور تمایلات کی تسکین کے لئے بھی۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ طول تاریخ میں تمام ادیان اور تہذیبوں میں دائمی نکاح انسان کی (جنسی) مشکل کو مکمل طور پر حل نہیں کر سکا اور نہ ہی اسے (جنسی) گمراہی سے محفوظ رکھ سکا۔ جیسا کہ قوم لوط کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ تاریخ کے ہر دور میں زنا جیسے غیر شرعی جنسی تعلقات دائمی نکاح کے ساتھ ساتھ موجود رہے ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دائمی نکاح مردوں کے لئے کافی نہیں ہوتا جو عورت کی نسبت زیادہ جنسی خواہش رکھتے ہیں اور تعدد کے طالب بھی ہوتے ہیں۔ لہٰذا اسلام نے مرد کو بیک وقت چار بیویاں رکھنے کی اجازت دی ہے' اس کے علاوہ گمراہی سے بچنے کی غرض سے اس کے لئے (حسب خواہش) متعہ کو جائز قرار دیا ہے۔ لہٰذا متعہ کسی خاص حالت کے لئے محدود نہیں ہے۔

تعددِ ازدواج

☆ کیا تعدد ازدواج (کئی بیویوں کی اجازت) ایک طبیعی مسئلہ ہے' یا کسی خاص مشکل کے حل کے لئے وضع کیا گیا قانون ہے؟ بالفاظ دیگر آیا انسان ابتدا ہی سے چار شادیاں کر سکتا ہے' یا یہ کہ اسے عائلی مشکلات میں سے کسی مشکل کے حل کے لئے کئی شادیوں کا اختیار دیا گیا ہے؟

○ ظاہراً کئی شادیوں کا مسئلہ ضرورت یا عدم ضرورت میں مقید نہیں ہے۔ بلکہ انتہائی

چیز جو انسان کے لئے ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ایک سے زیادہ بیویاں ہونے کی صورت میں انسان انہیں نفقہ دینے کی قدرت رکھتا ہو۔

☆ بعض لوگ تعدد ازدواج پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ (مثلاً یورپ میں) یہ مسئلہ خاندانوں کی ٹوٹ پھوٹ اور تباہی کا موجب ہوتا ہے۔ اس بارے میں جناب عالی کی رائے کیا ہے؟

○ ہمارے خیال میں امریکہ' یورپ اور دنیا کے دوسرے مقامات پر ایک سے زیادہ بیویوں پر مشتمل خاندانوں کی ٹوٹ پھوٹ اور انتشار (جو وہاں ایک عام سی بات دکھائی دینے لگی ہے) کی وجہ تعدد ازدواج سے زیادہ مرد و زن کے ناجائز تعلقات ہیں۔

قدرتی طور پر تعدد ازدواج میں بھی اسی طرح کچھ منفی باتیں پائی جاتی ہیں جس طرح ایک زوجہ ہونے میں۔ بنیادی طور پر کوئی بھی قانون منفی چیزوں سے پاک نہیں۔ لیکن اصول یہ ہے کہ اگر کسی امر میں منفی چیزیں کم ہوں اور مثبت زیادہ تو وہ امر حلال ہو جاتا ہے اور اگر مثبت چیزیں کم ہوں اور منفی زیادہ تو وہ حرام قرار پاتا ہے۔

ہماری رائے میں تعدد ازدواج منفی اثرات کے بالمقابل بکثرت مثبت اثرات کی حامل ہے۔

جلدی شادی مستحب ہے

☆ جلد یا دیر سے شادی کے بارے میں متعدد آراء پائی جاتی ہیں۔ بعض لوگ جلد شادی کو ترجیح دیتے ہیں جبکہ بعض کی نظر میں تاخیر سے شادی کرنا مناسب ہے۔ اس مسئلے کے بارے میں جناب عالی کی رائے کیا ہے؟

○ اسلام جلد شادی کو مستحب قرار دیتا ہے۔ کیونکہ اسلام کی نظر میں یہ بات بہت ہی پسندیدہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو گناہ سے بچائے اور اپنی پاکدامنی کی حفاظت کرے۔

بے شک جلد (برموقع) شادی کے ذریعے انسان کی جنسی جبلت کی تسکین ہوتی ہے اور اگر یہ تسکین نہ ہو تو بعض اوقات انسان بہت تیز رفتاری سے گمراہی کا شکار ہوتا

ہے۔

ہمیں اس بارے میں اسلام میں کوئی وضاحت نہیں ملتی۔ البتہ اسلام شادی کو ایک ایسا خاص تعلق گردانتا ہے جو دوسرے پہلوؤں کا حامل ہونے کے ساتھ ساتھ صنف مخالف کی جانب انسان کے میلان اور اس کی جنسی جبلت کی تسکین کرتا ہے۔ اگر جلد شادی کے نتیجے میں زوجین کے لئے کچھ مشکلات جنم لیں تو ان مشکلات کا حل ان کے اعزہ و اقربا' دوست احباب کے توسط سے ممکن ہے' جبکہ تاخیر سے شادی بھی معاشرے کے لئے بہت سی مشکلات پیدا کرتی ہے۔

تمباکو نوشی کی حرمت

☆ تمباکو نوشی کے بارے میں جناب عالی کی رائے کیا ہے؟

○ جن چیزوں کے بارے میں ہمارے پاس واضح نص موجود نہ ہو' اصولاً وہ چیزیں مباح ہوتی ہیں۔ لیکن ہماری رائے اس قول کے قریب ہے جو ایک مناسب دلیل کی بنا پر تمباکو نوشی کو حرام قرار دیتا ہے اور اس سلسلے میں اس آیہ کریمہ سے استفادہ کرتا ہے جس میں ارشاد الٰہی ہے: یسلونک عن الخمر والمیسر قل فیھما اثم کبیر و منافع للناس واثمھما اکبر من نفعھما (یہ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہیں' تو کہہ دیجئے کہ ان دونوں میں بڑا نقصان ہے اور بہت فائدے بھی ہیں' لیکن ان کا نقصان فائدے سے کہیں زیادہ ہے۔ سورہ بقرہ ۲۔ آیت ۲۱۹)

پس اگر "اثم" کی تفسیر کرتے ہوئے اسے "نقصان" یا ایسی چیز کہیں جو نقصان کا موجب ہو تو کیونکہ آیت میں حرام ہونے کی علت بھی واضح کی گئی ہے' جو کسی چیز کے نفع سے زیادہ اسکا نقصان وہ ہونا ہے' تو اس بنیاد پر ہمیں یہ قاعدہ حاصل ہوتا ہے کہ ہر وہ چیز حرام ہے جس کا نقصان اسکے فائدے سے زیادہ ہو۔

تمام اطبا (Doctors) کہتے ہیں کہ تمباکو نوشی کا نقصان بہت زیادہ ہے جبکہ اس کا

فائدہ بہت کم ہے۔ لہٰذا تمباکو نوشی کو قریب قریب حرام قرار دیا جا سکتا ہے اور اگر اسے قطعاً حرام قرار نہ بھی دے سکیں تب بھی یہ مسئلہ احتیاط کا تقاضا کرتا ہے۔

یہاں ایک نکتہ قابل توجہ ہے' اور وہ یہ کہ اگر انسان کو اس بات کا بہت زیادہ امکان نظر آئے کہ تمباکو نوشی جلد یا بدیر (چاہے ۲۰ سال بعد ہی سہی) اسے کسی مہلک بیماری میں مبتلا کر دے گی' یہاں تک کہ ڈاکٹروں پر بھی واضح طور پر ثابت ہو جائے کہ تمباکو نوشی انسان کی ہلاکت کا موجب ہے تو ایسی صورت میں انسان کے لئے اس کا استعمال حرام ہے۔

ہم تمام ایسے لوگوں سے' جو خود کو کسی چیز کا عادی بنانا چاہتے ہیں' کہتے ہیں کہ اس چیز کے نفع اور نقصان پہنچانے کی خاصیت کا موازنہ ضرور کریں۔ اگر اس عادت میں کوئی فائدہ نہ پائیں بلکہ اسکے نقصانات علم میں آئیں تو دانشمندی کا تقاضا ہے کہ خود کو اس عادت سے دور رکھیں۔ اور اگر اسکے عادی ہو چکے ہوں تو اسے ترک کر دیں۔ کیونکہ کوئی صاحب عقل و دانش انسان اپنے آپ کو نقصان میں نہیں ڈالتا اور خود کو نقصان دہ عادت میں مبتلا رہنے کی اجازت نہیں دیتا۔

جب ہم تمباکو نوشی کے مسئلے کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں سوائے عادت کے اسکا کوئی اور محرک وسبب نظر نہیں آتا۔ لہٰذا انسان پر لازم ہے کہ اس عادت سے اجتناب کرے اور اگر اس ناپسندیدہ عادت میں مبتلا ہو جائے تو اپنے نفس پر غلبہ حاصل کر کے اسے ترک کر دے۔

آپ خود ہی بتائیے کہ لوگ ایسے انسان کو کیا نام دیں گے جو انگیٹھی کے سامنے بیٹھ کر اسکے دھوئیں میں گہرے گہرے سانس لے؟ لوگ اسے اس بے وقوفانہ عمل پر دیوانہ قرار دیں گے۔ جبکہ اس شخص اور اس انسان کے درمیان کوئی فرق نہیں جو سگریٹ کا دھواں اپنے پھیپھڑوں میں انڈیلتا ہے۔

☆ منشیات کے بارے میں اسلام کا حکم کیا ہے؟

○ منشیات کا استعمال حرام ہے۔ کیونکہ عقل اور صحت پر ان کے اثرات شراب

کے اثرات سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔

شراب کے حرام ہونے کا سبب اسکا نشہ آور ہونا اور مستی کا شکار کردینا ہے، جس کی وجہ سے انسان ایک خاص مدت کے لئے اپنی عقل و سمجھ سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ لیکن منشیات کا عادی انسان عقل کھو بیٹھنے کے ساتھ ساتھ تباہ کن جسمانی، روحانی، نفسیاتی اور ذہنی نقصانات کا سامنا بھی کرتا ہے۔

☆ منشیات کی بعض اقسام جیسے عربستانی چائے اور تریاک کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟

○ ہمیں معلوم نہیں کہ یہ چیزیں مست کرنے کی کتنی صلاحیت رکھتی ہیں لیکن اگر ان کے اثرات دوسری معروف منشیات کے سے ہوں، تو یہ بھی حرام ہوں گی۔

☆ "غیر مائع مسکر" سے فقہا کی مراد کیا ہے؟

○ فقہا حشیش جیسے مواد کو مسکر (یعنی مستی پیدا کرنے والا) سمجھتے ہیں۔

☆ ایسے مواد کی کاشت کے بارے میں کیا حکم ہے؟

○ اگر ان چیزوں کا استعمال حرام ہے، تو ان کی خرید و فروخت، تجارت اور فروخت کی غرض سے ان کی کاشت بھی جائز نہیں۔

فلم اور ٹیلی ویژن

☆ فلم اور ٹیلی ویژن کس حد تک حلال ہیں؟

○ فلم اور ٹیلی ویژن تصاویر نشر کرنے والے دو ذرائع ہیں۔ ان کے حلال یا حرام ہونے کا حکم ان تصویروں سے وابستہ ہے جو ان سے نشر ہوتی ہیں۔ اگر یہ تصاویر نفسانی خواہشات ابھاریں، اخلاق خراب کریں اور جرائم کا محرک بنیں تو فلم یا ٹیلی ویژن دیکھنا حرام ہے، بصورت دیگر حلال ہے۔

داڑھی صاف کرنا

☆ کیا داڑھی صاف کرنا، واضح طور پر حرام ہے؟

○ ہمارے نزدیک تو اسکا حرام نہ ہونا ثابت ہے۔ کیونکہ داڑھی مونڈنا (بعض علما کے نزدیک) اس حدیث کے بنا پر حرام ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ : حفوا الشوارب واعفوا عن اللحی ولا تشبھوا بالیھود (مونچھوں کو تراشو اور داڑھی کو (لمبا) چھوڑ دو اور یہود کی مشابہت اختیار نہ کرو)۔ لہٰذا اگر اس حکم کی بنیاد یہودیوں سے عدم مشابہت کا اصول ہو' تو یہ حکم اس زمانے سے مخصوص سمجھا جائے گا جب مسلمان اقلیت میں ہوں اور دوسروں کی اکثریت ہو اور اس صورتحال کا تقاضا ہو کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان امتیاز برقرار رکھا جائے۔

اس بارے میں حضرت علیؑ کی ایک روایت موجود ہے کہ جب آپ سے پیغمبر اسلامؐ کی اس حدیث : غیروا الشیب ولا تشبھوا بالیھود (اپنے بالوں کو خضاب کرو اور یہودیوں کی مانند نہ ہو جاؤ) کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپؑ نے اس کی وضاحت میں فرمایا : رسول اکرمؐ نے یہ حکم اس زمانے میں دیا تھا جب مسلمانوں کی تعداد قلیل تھی لیکن آج مسلمانوں کی تعداد بڑھ چکی ہے اور دین کی بنیادیں مضبوط ہو چکی ہیں لہٰذا اب اس سلسلے میں لوگوں کو اختیار ہے۔ ۱

اس بارے میں موجود احادیث سے مجموعی طور پر یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اسلامی دعوت کے ابتدائی ایام کے تقاضوں کے پیش نظر داڑھی مونڈنا حرام قرار دیا گیا تھا لیکن اس کے بعد داڑھی مونڈنا بدنامی کا سبب بن گیا اور جب کسی کو سزا دینا یا رسوا کرنا مقصود ہوتا تو اسکی داڑھی مونڈ دیتے تھے' جس طرح آج کے دور میں (کبھی کبھی) سزا کے طور پر لوگوں کو گنجا کر دیا جاتا ہے۔

بعض فقہا داڑھی مونڈنے کے حرام ہونے کے بارے میں (اہل شرع کی) سیرت

۱۔ داڑھی ایمان کی علامات میں سے ہے' لہٰذا ایک باایمان انسان کے لئے اسکا مونڈنا مناسب نہیں۔ سوائے اس صورت میں جبکہ ایسے حالات پیش آجائیں جو اسے داڑھی مونڈنے پر مجبور کر دیں' جیسے تنگی و مشقت' ضرر و نقصان کا خوف اور کٹھن و دشوار معاشرتی حالات۔ (المسائل الفقہیہ ۔ ج ۱ ۔ ص ۲۰۳ ۔ از آیت اللہ فضل اللہ)

نے استدلال کرتے ہیں لیکن یہ سیرت داڑھی مونڈنے کے حرام ہونے پر کسی طرح بھی دلالت نہیں کرتی' کیونکہ ممکن ہے اس سیرت کی بنیاد فقہا کے فتوے ہوں' یا مسلم معاشروں کا عام معمول ہو جس میں داڑھی مونڈنے کا رواج نہیں۔

☆ کیا فقہا میں سے کوئی داڑھی مونڈنے کے جواز کا قائل ہے؟

○ آیت اللہ خوئیؒ احتیاط کے قائل تھے' آپ نے اسکے حرام ہونے کا فتویٰ نہیں دیا۔

جنسِ مخالف سے مصافحہ

☆ جنسِ مخالف سے مصافحہ کا کیا حکم ہے؟

○ بنیادی لحاظ سے مرد کے لئے نامحرم عورت سے مصافحہ کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ پیغمبر اسلامؐ کی بیعت کے قصوں میں آیا ہے کہ جب آنحضورؐ کی بیعت کی غرض سے خواتین آتیں تو آپؐ فرماتے : میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔ اس موقع پر پانی سے بھرا ایک طشت رکھ دیا جاتا' جس کے ایک طرف عورتیں اپنے ہاتھ ڈالتیں اور دوسری طرف پیغمبرؐ اپنا ہاتھ ڈبوتے۔ اور یوں بیعت کا عمل انجام پاتا۔

اہل بیتؑ کی ایک حدیث میں ہے :

"لا یصافح الرجل المراۃ التی لیست لہ بمحرم الامن وراء الثیاب"

"مرد نامحرم عورت سے مصافحہ نہ کرے' مگر یہ کہ کپڑے کے اوپر سے۔"

البتہ اگر نامحرم عورت سے ہاتھ نہ ملانے کے نتیجے میں اسے لازماً انتہائی تباہ کن اور ناقابل برداشت نقصان اٹھانا پڑے گا' تو ایسی صورت میں نامحرم سے مصافحہ کرنا جائز ہو جائے گا۔

☆ کبھی کبھی فریق ثانی ہاتھ نہ ملانے کو اپنی تحقیر سمجھتا ہے۔ ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟

○ اس صورت میں انسان کو چاہئے کہ پہلے ہی سے واضح الفاظ میں اسے مسئلہ بتا

دے۔ اہم بات یہ ہے کہ انسان انتہائی سخت اور دشوار حالات کا شکار نہ ہو' جن کا برداشت کرنا عام حالات میں اس کے لئے ممکن نہیں ہوتا۔ ارشاد الہی ہے :

"ماجعل علیکم فی الدین من حرج"

"دین میں کوئی زحمت قرار نہیں دی ہے۔" (سورہ حج ۲۲۔ آیت ۷۸)

سوال یہ ہے کہ مشکل اور دشوار حالات کن حالات کو کہیں گے؟ تو یہ مختلف افراد اور مختلف حالات کے لحاظ سے متفاوت ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی انسان کو ایسے مخصوص حالات پیش آتے ہیں کہ اگر نامحرم سے ہاتھ نہ ملائے تو اسے جیل جانا پڑے گا' یا اس پر کسی خاص گروہ سے وابستگی کا الزام لگ جائے گا۔ جیسا کہ ہم ایسی حکومتوں میں مشاہدہ کرتے ہیں جو ان طریقوں سے اسلامی تحریکوں کے ارکان کو پہچانتی ہیں۔

اہلِ کتاب کی طہارت

☆ اہلِ کتاب کی طہارت کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

○ ہماری رائے ہے کہ تمام انسان پاک ہیں' چاہے وہ مسلمان ہوں چاہے کافر۔ کیونکہ کوئی بھی انسان ذاتاً نجس نہیں ہے۔ ممکن ہے کسی کا عقیدہ نجس ہو' اسکے افکار و احساسات نجس ہوں۔ لیکن شریعت کے گہرے مطالعے اور تحقیق کی بنیاد پر ہم کہتے ہیں کہ کسی بھی انسان کی ذاتی نجاست کے بارے میں کوئی دلیل نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا مومن بھی اور کافر بھی نجاسات سے آلودہ ہونے کی وجہ سے نجس ہوتے ہیں۔

شہید آیت اللہ سید محمد باقر الصدرؒ کی رائے بھی یہی تھی کہ تمام انسان پاک ہیں۔ البتہ غیر اہل کتاب کافر کے بارے میں پائے جانے والے اجماع کے شبہ کی وجہ سے اس کے بارے میں آپ احتیاط کے قائل تھے۔

☆ اس نجاست سے کیا مراد ہے' جس کی جانب قرآن مجید نے اشارہ کیا ہے؟

○ قرآن کریم میں نجاست سے مراد' شرک کی نجاست ہے' شرک کی ناپاکی (فکری گندگی) ہے۔ ہمارے اس دعوے کی دلیل وہ استدلال ہے جو خود آیت میں کیا گیا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے : انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام (درحقیقت مشرکین نجس ہیں' لہٰذا خبردار انہیں مسجد الحرام میں داخل نہ ہونے دینا۔ سورہ توبہ ۔ ۹ آیت ۲۸)

اگر یہاں نجاست سے مراد یہ ہوتی کہ مشرکین ذاتاً نجس ہیں' تو ہم جانتے ہیں کہ اگر گیلی نہ ہو تو کوئی نجاست منتقل نہیں ہوتی۔ لہٰذا ان کی نجاست اس صورت میں منتقل ہوتی جب وہ گیلے خانہ خدا میں داخل ہوتے۔ وہ فقہا بھی جو کہتے ہیں کہ کفار ناپاک ہیں' کفار کی نجاست کے ثبوت میں اس آیت سے استدلال نہیں کرتے کیونکہ اس آیت میں نجاست سے مراد معنوی نجاست ہے۔

☆ ٹھیک ہے' لیکن اہل کتاب کے ذبح کئے ہوئے حیوان کا گوشت کھانے کا کیا حکم ہے؟

○ اس اعتبار سے حلال نہیں کہ گوشت کا حلال ہونا ذبح کے موقع پر خدا کا نام لینے سے مشروط ہے۔ یہی نہیں بلکہ مشہور ہے کہ ذبح کرنے والا لازماً مسلمان ہونا چاہئے۔ لیکن ہم اہل کتاب کے ذبیحہ کو حلال کے قریب قریب سمجھتے ہیں' جیسا کہ "مسالک" میں شہید ثانیؒ نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا ہے۔ لہٰذا ہمارے نزدیک مذکورہ مفروضے میں حرمت کا حکم احتیاط پر مبنی ہے' جیسا کہ شہید صدرؒ کا موقف بھی یہی ہے۔

موسیقی اور اسکا حلال یا حرام ہونا

☆ موسیقی اور اسی طرح غنا کے بارے میں متضاد آراء پائی جاتی ہیں' کیا کوئی فقہی رائے ایسی ہے جو اس نزاع کا خاتمہ کرے؟

○ جب ہم ان فقہی نصوص کا مطالعہ کرتے ہیں جن پر غنا کے حرام ہونے کی بنیادی حیثیت سے اعتماد کیا گیا ہے' تو دیکھتے ہیں کہ وہاں اس آیہ کریمہ سے بھی استدلال کیا گیا ہے جس میں ارشاد الٰہی ہے : ومن الناس من یشتری لھو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ بغیر علم (لوگوں میں ایسا شخص بھی ہے جو مہمل باتوں کو

خریدتا ہے تاکہ ان کے ذریعے بغیر سمجھے بوجھے لوگوں کو راہ خدا سے گمراہ کرے۔ سورہ لقمان ۳۱۔ آیت ٦)۔ یا اس آیت کو بطور سند پیش کیا گیا ہے: واجتنبوا قول الزور (اور لغو اور مہمل باتوں سے اجتناب کرتے رہو۔ سورہ حج ۲۲۔ آیت ۳۰)۔ ان آیات میں "لھو الحدیث" اور "قول الزور" کو غنا کے ایک مصداق کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ بعض احادیث میں بھی غنا کو باطل کے دائرے میں قرار دیا گیا ہے۔ اور ایک دوسری حدیث میں ذکر ہوا ہے کہ ایک شخص جو ہمسائے کی کنیزوں کے گانے سنتا تھا اسے استغفار کا حکم دیا گیا۔

مذکورہ مباحث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ غنا اور موسیقی کے شرعی طور پر حرام ہونے کی بنیاد درج ذیل عناوین ہیں۔

یہ کہ غنا ایسا ہو جس کا لحن اور مضمون خدا کی یاد سے غافل کردے اور اس میں ہیجان خیز عناصر پائے جائیں۔

ہم اس مقام پر اس بحث کے فقہی دلائل اور مبانی کا ذکر کرنا نہیں چاہتے' کیونکہ اس کے لئے ایک طویل بحث درکار ہے' لیکن ہم اس بات پر عقیدہ رکھتے ہیں کہ ایسی موسیقی جو نفسانی خواہشات کی تحریک کا سبب نہ بنے' اور انسان کو ایسا بے خود نہ کردے کہ وہ اپنی طبیعی حالت سے خارج ہو جائے' نیز شہوت انگیز مضامین پر مشتمل نہ ہو تو اس بنیاد پر ممکن ہے کہ ایسی موسیقی کو حلال قرار دیا جاسکے۔

وہ موسیقی جو کلاسیکی موسیقی کہلاتی ہے اگر اس میں یہی شرائط موجود ہوں تو وہ بھی حلال ہے۔ اسی طرح مثبت جذبات ابھارنے والی یا رزمیہ موسیقی یا کلی طور پر ہر وہ موسیقی جو روح کو بلندی اور بالیدگی بخشے اور اعصاب کو سکون پہنچائے اسکے حلال ہونے کا بھی حکم لگایا جائے گا' بشرطیکہ مذکورہ بالا شرائط پر پوری اترتی ہو۔

وہ فقہا جنہوں نے غنا کے حرام ہونے کی شرائط میں اسکی مجالس فسق و فجور سے مناسبت کو شامل کیا ہے' ان کی مراد شاید یہی شرائط ہوں۔

مضمون یا لحن

☆ بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ غنا (گانا) اس صورت میں حرام ہے جب وہ موسیقی کے ساتھ ہو' اس بارے میں جناب عالی کا خیال کیا ہے؟

○ غنا کی حرمت (فقہا کی مشہور رائے کے مطابق) اسکی موسیقی کی خاصیت کی وجہ سے ہے' اور اگر غنا کا مضمون بھی حرام پر مشتمل ہو تو یہ ایک علیحدہ حرام ہے۔

بعض فقہا (ملا محسن فیض کاشانی) معتقد ہیں کہ غنا (گانے) کا حرام ہونا اسکے مضمون سے وابستہ ہے' اسکے لحن سے مربوط نہیں۔ لیکن اکثر فقہا اس رائے سے متفق نہیں' کیونکہ غنا کے موضوع کا تفصیلی مطالعہ کرنے پر نظر آتا ہے کہ غنا کی تاثیر لحن کا نتیجہ ہے اور اگر مضمون اثر انداز ہوتا بھی ہے تب بھی بنیادی تاثیر سریلی آوازہی کی ہوتی ہے۔

ہم اس مسئلے میں احتیاط کے قائل ہیں' جو ممکن ہے فقیہ مذکور (ملا محسن فیض کاشانی) کی رائے سے مطابقت رکھتا ہو۔ اس نظر کے مطابق اگر نعت رسولؐ یا عرفانی اشعار موسیقی کے ساتھ ہوں' یا قرآن کریم کو ایسی خوش آوازی سے پڑھا جائے جو نفس پر وجد طاری کردے تو ہماری نظر میں یہ چیزیں لہو اور باطل نہیں۔ کیونکہ یہاں لحن اور مضمون ہم آہنگ ہو کر معنی کو عام شکل سے زیادہ موثر کن انداز میں آدمی کی روح کی گہرائیوں میں اتار دیتے ہیں۔

حلال کاموں میں آلاتِ لہو کا استعمال

☆ آلاتِ لہو کے استعمال کے حرام ہونے کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

○ کچھ احادیث میں آلات لہو کے استعمال کے حرام ہونے کا ذکر ہوا ہے' لیکن ان احادیث میں لہو سے مراد "لہو حرام" ہے۔ بعض فقہا کی نظر میں' ایسے آلات لہو جو حلال سے زیادہ حرام کاموں میں استعمال ہوتے ہوں ان کا حلال کاموں میں استعمال بھی حرام ہے۔ لیکن ہماری رائے یہ ہے کہ حلال کاموں میں آلات لہو کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں۔ چاہے ان آلات کا حرام استعمال زیادہ ہوتا ہو چاہے حلال اور حرام

دونوں میں مساوی استعمال ہوتے ہوں۔

المیہ موسیقی کے آلات

☆ المیہ موسیقی کے آلات "جیسے بانسری" کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

○ اس میں ملاک و معیار غم و خوشی ایجاد کرنا نہیں۔ کیونکہ ممکن ہے کسی وقت حزنیہ آواز یا موسیقی بھی انسان کو بے خود کر دے۔ یعنی حزن میں بھی اس پر لہو کی حالت طاری ہو جائے۔ لہٰذا فقہا کی مشہور رائے کی رو سے اس مسئلے میں ایک طرح کی احتیاط ملحوظ رکھنا چاہئے۔

عرفانی اشعار گانا

☆ اکثر عرفانی اشعار 'عشقیہ مضامین کے حامل ہوتے ہیں' اس قسم کے اشعار کو آواز سے پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

○ اگر کوئی شعر اپنے گہرے معنی کے لحاظ سے عرفانی ہو' لیکن اسکا ظاہر اور مضمون عشقیہ ہو اور لوگ بھی اسے یہی سمجھیں' تو وہ حلال کے دائرے میں نہیں آئے گا' کیونکہ مد نظر وہ اثرات ہیں جو انسانی نفس پر مرتب ہوتے ہیں۔

کلاسیکی موسیقی

☆ ایک مرتبہ پھر ہم کلاسیکی موسیقی کی طرف آتے ہیں اور اس بارے میں آپ کی رائے جاننا چاہتے ہیں؟

○ موسیقی کے بارے میں ہم زیادہ معلومات نہیں رکھتے' جس کے ذریعے موسیقی کی مختلف اقسام کو علیحدہ علیحدہ کر سکیں' لیکن مشہور یہ ہے کہ کلاسیکی موسیقی لہو و طرب (بے خودی) کی فضا ایجاد کرنے سے زیادہ انسان کو غور و فکر پر ابھارتی ہے۔ اگر ایسا ہے تو اسکے جواز کا حکم دیا جا سکتا ہے۔

☆ اگر کسی لحن کے حلال یا حرام ہونے کے بارے میں شک ہو' تو راہ حل کیا ہے؟

○ شک کی صورت میں اس قاعدے کی رو سے اس کے حلال ہونے کا حکم لگایا جائے گا کہ : کل شیء لک حلال حتی تعرف انه حرام (تمہارے لئے ہر چیز اس وقت تک حلال ہے جب تک اس کے حرام ہونے کا علم نہ ہو)۔

☆ واضح طور پر بتایئے کہ الحان اہل الفسوق سے کیا مراد ہے؟

○ اس سے مراد وہ نغمہ اور گیت ہیں جو انسان کو رقص پر ابھاریں' اسے مست و مگن کر دیں اور شہوت انگیز ہوں۔

اپنے شوہر کے لئے گیت گانا

☆ کیا عورت کو اپنے شوہر کے لئے گانا گانے کی اجازت ہے؟

○ حرام غنا (گیت اور گانا) ہر صورت میں حرام ہے اور عورت کو بھی اس انداز میں اپنے شوہر کے لئے گانے کی اجازت نہیں۔ مزید یہ کہ اگر کوئی غنا یا گانا حرام اور قول الزور اور لهو الحدیث کی مصداق ہو تو انسان کے لئے خود اپنے لئے گانا بھی جائز نہیں۔

شادی کی تقریبات میں گیت گانا

☆ شادی کی تقریبات میں گانا گانے کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

○ ایسی احادیث موجود ہیں جو ظاہرا شادی کی تقریبات میں گانا گانے کو مستثنیٰ قرار دیتی ہیں۔ البتہ ان میں آلات موسیقی کے بارے میں ذکر نہیں ہوا ہے۔

وہ احادیث جو شادی کی تقریبات میں گانے کے حلال ہونے پر دلالت کرتی ہیں' ان میں پہلے ذکر شدہ قیود کا تذکرہ نہیں کیا گیا ہے لیکن یہ بات طبیعی ہے کہ کلام کو حرام نہیں ہونا چاہئے لیکن ممکن ہے کہ لہو ہو یا یہ کہ گانے کا لحن طرب آور ہو۔

مردوں کی محفل میں عورت کا شعر پڑھنا

☆ کیا عورت کے لئے نامحرم مردوں کے سامنے اسلامی اشعار پڑھنا جائز ہے؟

○ آیت قرآن ہے : فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض (لہٰذا کسی سے ناز و ادا سے بات نہ کرنا کہ جس کے دل میں بیماری ہو اسے لالچ پیدا ہو جائے۔ سورہ احزاب ۳۳ - آیت ۳۲)۔ یعنی عورت کا غیر مردوں کے سامنے آواز کو نرم و نازک بنانا اور ان سے نرمی و لطافت سے کلام کرنا شرعاً حرام ہے۔ کیونکہ یہ عمل منفی نتائج پر منتہی ہوتا ہے' جس کی طرف خود آیت میں اشارہ موجود ہے۔

جذبات بھڑکنے کا مسئلہ

☆ جناب عالی' کیا آپ کی یہ رائے مطلق اور تمام ہی مواقع کے لئے ہے؟

○ یہ مسئلہ ہیجان انگیزی کے پہلو سے مربوط ہے۔ لہٰذا اگر کوئی عورت اس انداز سے شعر پڑھے جو ہیجان انگیزی اور شہوت کے جوش میں آنے کا باعث نہ بنے تو حرام نہیں ہے۔ مضائقہ اس وقت ہے جب عورت کی صدا شہوت انگیزی کا سبب بنے۔ کچھ عورتوں کا شعر پڑھنا ہیجان کا موجب نہیں ہوتا' جبکہ بعض عورتوں کی آواز قدرتی طور پر مترنم ہوتی ہے اور ہیجان انگیز بن جاتی ہے۔ یہی مفہوم وہ آیت بیان کرتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ : فلا تخضعن بالقول (کسی سے ناز و ادا سے بات نہ کرنا)

☆ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان صوت المراۃ عورۃ (یعنی عورت کی آواز بھی عورت ہے یعنی اسے پوشیدہ ہونا چاہئے) اس بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

○ ہماری رائے یہ نہیں ہے کیونکہ عورتیں رسول کریمؐ اور ائمہ ہدیٰؑ سے گفتگو کیا کرتی تھیں۔ اسی طرح یہ بھی رواج ہے کہ وہ علما کی خدمت میں آتی ہیں اور ان سے مسائل دریافت کرتی ہیں' بغیر اسکے کہ عورتوں کی صدا کے خلاف کسی دینی پہلو سے احتیاط کو ملحوظ رکھا گیا ہو۔

☆ مذکورہ بالا رائے رکھنے والے حضرات کا کہنا ہے کہ عورتوں کا مردوں سے گفتگو کرنا صرف ضروریات کی حد تک محدود ہونا چاہئے۔ اس بارے میں جناب عالی کیا فرماتے ہیں؟

○ سیرت کی بنیاد پر ہمارا عقیدہ ہے کہ خواتین عام حالات میں بھی، جہاں ضرورت کا تقاضا نہیں بھی ہوتا تھا مردوں سے گفتگو کرتی تھیں۔ نبی کریمؐ کے زمانے کے بارے میں نقل ہوا ہے کہ خواتین اجتماعی سرگرمیوں میں مردوں کے ساتھ ساتھ حصہ لیتی تھیں۔ حتیٰ بیعت کی غرض سے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوتی تھیں، مدینہ سے ہجرت کرنے والوں میں خوتین بھی شامل تھیں اور خداوند عالم نے مسلمانوں کو ان خواتین کے ایمان کی آزمائش پر مامور کیا تھا۔ ان مقامات میں سے کسی بھی مقام پر ہمیں ضرورت کے فرضیہ کی کوئی بنیاد نظر نہیں آتی۔

پیغمبر اسلامؐ عورتوں کو میدان جنگ میں ہمراہ لے جاتے تھے، وہ زخمیوں کا علاج معالجہ کرتیں، پیاسوں کو پانی پلاتیں اور اسی قسم کے دوسرے کام انجام دیتی تھیں جن کے دوران مردوں کے ساتھ ان کا میل جول اور گفت و شنید لازمی تھی۔

شطرنج اور اس کا شرعی حکم

☆ ان احادیث کے بارے میں کچھ فرمایئے جن میں شطرنج کے بارے میں بات کی گئی ہے؟

○ جب ہم شیعہ اور سنی کتب میں شطرنج سے متعلق احادیث کا مطالعہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ کچھ احادیث شطرنج کے حرام ہونے کی جانب اشارہ کرتی ہیں، اسے فسق شمار کرتی ہیں اور اسکے قریب جانے سے منع کرتی ہیں۔ لیکن اس موضوع پر دوسری احادیث بھی پاتے ہیں، جیسے کہ ایک شخص شطرنج کے بارے میں سوال کرتا ہے تو اسے جواب دیا جاتا ہے کہ اگر خدا اسے حق اور باطل میں فرق کا ذریعہ قرار دے تو شطرنج کس طرف ہو گی؟ وہ کہتا ہے : باطل کی طرف، تو اس سے کہتے ہیں کہ : بس تمہیں باطل سے کیا لگاؤ؟۔ ایک اور شخص شطرنج کے بارے میں دریافت کرتا ہے تو اسے جواب ملتا ہے کہ اس میں کوئی اچھائی نہیں۔ ایک دوسری حدیث میں شطرنج کی مذمت ان الفاظ سے کی گئی ہے : ان الخائض فی الشطرنج کالخائض فی لحم الخنزیر۔ قال

ماذا یفعل؟ قال : یغسل یدہ "(ایسا شخص جو شطرنج کی بازی میں مشغول ہو، اس شخص کی مانند ہے جو سور کا گوشت کھا رہا ہو۔ مخاطب نے سوال کیا : اب وہ کیا کرے؟ کہا : اپنے ہاتھ دھوئے۔) یہ حدیث اس عمل سے نفرت کا کنایہ ہے۔

مذکورہ بالا احادیث شطرنج کے حرام ہونے سے زیادہ اسکی کراہت اور ناپسندیدگی کی جانب اشارہ کرتی ہیں۔ لیکن ہم آیہ قرآن : فاجتنبوا الرجس من الاوثان (لہٰذا تم بتوں کی ناپاکی سے پرہیز کرو۔ سورہ حج ۲۲۔ آیت ۳۰) کی تفسیر میں آنے والی بعض احادیث میں دیکھتے ہیں کہ وہاں اس سے مراد شطرنج ہے، جس سے پرہیز اور دوری کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہاں اسکا مطلق حرام ہونا مقصود نہیں ہے بلکہ قدرے یقینی یہ ہے کہ اس حرام ہونے میں شطرنج کی وہ صورت شامل ہے جو جوئے کے ساتھ کھیلی جائے۔ کیونکہ شطرنج پر "میسر" کا اطلاق اسی جانب اشارہ ہے۔ اس لئے کہ "میسر" جوئے اور قمار کے مفہوم کا حامل ہے۔

شطرنج کے حلال ہونے کا قول

☆ کیا شطرنج کے حلال ہونے کے قول سے اتفاق کیا جا سکتا ہے؟

○ امام خمینیؒ نے شطرنج کے حلال ہونے کی رائے اس بنیاد پر دی کہ آپ کے خیال میں اس کے حرام قرار دیئے جانے کی وجہ اسے جوا کھیلنے کا ایک آلہ سمجھنا تھا۔ اب جبکہ شطرنج جوا کھیلنے کا ایک آلہ نہیں سمجھی جاتی، اسلئے حلال ہے۔ اس نظریے کی تائید بعض احادیث سے بھی ہوتی ہے جن میں فرمایا گیا ہے کہ : ان الشطرنج من المیسر (یعنی شطرنج ایک قسم کا جوا ہے)

اس قسم کی احادیث سے ہرگز مراد یہ نہیں ہے کہ شطرنج میں جوئے کی خصوصیات نہ بھی پائی جائیں تب بھی وہ جوئے کے معنی کی حامل ہوگی (یا تب بھی اسے جوا کہا جائے گا) جبکہ ہمارے علم میں یہ بات بھی ہے کہ جوئے میں لازماً عوض اور منافع پایا جاتا ہے۔

لہٰذا اگر ہم احادیث سے یہ نتیجہ اخذ کر سکیں کہ شطرنج جوئے کا آلہ ہونے کی وجہ

سے حرام ہے' تو ہم شطرنج کے حلال ہونے کے بارے میں امام خمینیؒ کے قول سے اتفاق کرسکتے ہیں لیکن اگر ایسا نتیجہ اخذ نہ کرسکیں تو اسکے حلال یا حرام ہونے کے حکم کے بارے میں ہمیں احتیاط کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔ کیونکہ یہ مسئلہ مزید تحقیق کا متقاضی ہے۔ البتہ شطرنج کے حلال ہونے کے قول کا درست ہونا بعید نہیں۔

☆ ڈومینو اور تاش کا کیا حکم ہے؟

○ ہماری اجتہادی رائے یہ ہے کہ جوا کھیلنے والے آلات' یا ان سے ملتی جلتی چیزوں سے بغیر شرط باندھے کھیلنا حلال ہے۔ ہم علما کے درمیان معروف اس رائے سے متفق نہیں ہیں جس کے تحت وہ جوئے کے لئے استعمال ہونے والے آلات سے 'بغیر بازی لگائے کھیلنے کو بھی حرام قرار دیتے ہیں اور ان سے کھیلنے کی مطلق حرمت کا حکم دیتے ہیں۔

ہماری رائے یہ ہے کہ جوئے کے آلات یا ان جیسے جدید آلات سے (بغیر بازی لگائے) کھیلنا حلال ہے۔ اس بنیاد پر تاش اور اس جیسی چیزوں سے کھیلنا حرام نہیں۔ ہم اپنی اس رائے میں ایران کے ایک بزرگ عالم آیت اللہ سید احمد خوانساری کے ہم نوا ہیں۔

☆ ایسے مقامات جہاں جوا کھیلا جاتا ہے اور اس کی مانند دوسرے مقامات میں آمد و رفت رکھنے کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

○ بعض اوقات ایسے مراکز میں آمد و رفت ثانوی عنوان اختیار کرلیتی ہے۔ یعنی ممکن ہے اس آمد و رفت کے نتیجے میں انسان جوئے کی طرف راغب ہو جائے' یا دوسرے حرام کاموں میں مبتلا ہو جائے۔ یا مومن کی ہتک حرمت کا موجب ہو اور اسکی شہرت کو نقصان پہنچائے۔ ایسی صورت میں ان مراکز میں آمد و رفت حرام ہے۔

ہاں' اگر کسی ضرورت کے تحت' مثلاً کسی سے گفتگو کی غرض سے کوئی ایسے مراکز میں جانا چاہے' جبکہ یہ عمل اسکی اہانت' ہتک حرمت اور شہرت کو داغدار کرنے کا موجب نہ ہو تو اس کے وہاں جانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

دست شناسی اور قسمت کا حال

☆ ہمارے یہاں نشر ہونے والے 'نوجوان کے درمیان مقبول جرائد میں 'ستاروں (برج)' ہاتھ کی لکیروں اور دوسرے وسائل کے ذریعے مستقبل کی پیش گوئیوں پر مشتمل صفحات کا رواج ہے۔ اس بارے میں دو سوال سامنے آتے ہیں۔ ایک یہ کہ اسلام اس بارے میں کیا کہتا ہے؟ دوسرے یہ کہ پیش گوئی یا غیب گوئی کا سحر (جادو) کے ساتھ کیا تعلق ہے؟

○ اس خیال کی کوئی قابل اعتبار بنیاد نہیں ہے کہ یہ وسائل غیب یا مستقبل کے بارے میں جاننے کا ذریعہ ہیں۔ کیونکہ ان وسائل میں سے کسی کا بھی انسانی یا کائناتی حوادث سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ برج اور ستاروں پر یقین کی بنیاد بعض سابقہ غیر اسلامی عقائد میں ملتی ہے' جن کے ماننے والے انسان کے مقدر اور قدرتی حوادث میں ستاروں کے اثرات کے قائل تھے۔ یہ عقیدہ انھیں علم فلکیات کے حصول کی ترغیب دیتا تھا اور وہ اسکے ذریعے مستقبل کا علم حاصل کرتے تھے اور حساب کتاب کے ذریعے یہ بتاتے تھے کہ کون شخص کس ستارے کا حامل ہے اور کس ستارے کے کیا اثرات ہیں وغیرہ وغیرہ۔۔۔۔

اخبارات اور جرائد میں شائع ہونے والی پیش گوئیاں

یہ چیزیں ہمارے معاشرے میں بھی عام ہو رہی ہیں اور اکثر رسائل و اخبارات اپنے قارئین کو مشغول رکھنے کی خاطر صفحات کے صفحات اس قسم کے مسائل کے لئے وقف کرتے ہیں کہ مثلاً فلاں ستارے کا حامل شخص فلاں مزاج اور حالات کا مالک ہوتا ہے اور اسکے حالات رفتہ رفتہ ایسے بدل جائیں گے۔

نہ صرف یہ کہ ہمیں ان چیزوں کی کوئی اسلامی بنیاد نہیں ملتی بلکہ ایسی احادیث موجود ہیں جو علم غیب جاننے کے لئے علم نجوم کے حصول کی ممانعت کرتی ہیں۔ ائمہ معصومینؑ میں سے کسی نے ایک ایسے شخص سے جو علم نجوم سے استفادہ کرتا تھا سوال کیا: کیا تم

مقدر کی پیش گوئی کرتے ہو؟ اس نے کہا : جی ہاں! فرمایا! اپنی کتابوں کو آگ میں جھونک دو۔

جہاں تک رہی فنجان کے ذریعے فال نکالنے یا روحوں کو بلانے کی بات' تو ان کے بارے میں عرض یہ ہے کہ' ایسے کام کرنے والوں کے پاس ان کی حقیقت اور سچائی کی کوئی دلیل نہیں۔ ہم ان چیزوں کی مطلق نفی نہیں کر رہے کیونکہ ہم نے ان کے بارے میں کافی تحقیق اور مطالعہ نہیں کیا ہے لیکن لوگوں سے ان چیزوں کے بارے میں جو کچھ سنا ہے وہ ان کی کسی قسم کی سچائی اور حقیقت کا عکاس نظر نہیں آتا۔

اگر ہم ان کاموں کو انجام دینے والوں کے بارے میں حسن ظن سے کام لیں تو انہیں ان لوگوں کے اوہام اور تخیلات میں شمار کریں گے۔ اگر ان وسائل کے ذریعے کی جانے والی پیش گوئیاں بعض مواقع پر درست ثابت ہوتی بھی ہیں تو یہ ان وسائل کی خاصیت اور طبیعت کی وجہ سے نہیں ہے' بلکہ ایسا اتفاقی طور پر ہوتا ہے' بالکل اسی طرح جیسے کچھ لوگ سال کے آغاز میں مستقبل میں پیش آنے والے حوادث و واقعات کی پیش گوئی کرتے ہیں' جن میں سے کچھ باتیں سچی نکلتی ہیں اور کچھ جھوٹی۔ اور دلچسپ بات یہ ہے کہ لوگ ان پیش گوئیوں کو تو فراموش کر دیتے ہیں جو پوری نہیں ہوتیں اور پوری ہونے والی پیش گوئیوں کو یاد رکھتے ہیں (اور انہیں ان کی سچائی کی علامت قرار دیتے ہیں)۔ شاید درج ذیل حدیث اسی بارے میں ہے جس میں معصوم کا ارشاد ہے :

"كذب المنجمون ولو صدقوا"

"منجم جھوٹ بولتے ہیں چاہے سچ کہتے ہوں۔"

مراد یہ ہے کہ ان کی کہی ہوئی سچی باتیں اس قاعدے کی درستی اور صحت کی علامت نہیں جس سے انہوں نے استفادہ کیا ہے' بلکہ محض اتفاقی طور پر ان کی کچھ پیش گوئیاں درست نکلتی ہیں۔

☆ لیکن ان ذرائع سے کشف کردہ بعض معاملات بالکل اسی طرح واقع ہوتے ہیں' جیسے یہ کہتے ہیں؟

○ ہمارے خیال میں یہ امور انسان کو کسی ایسے کلی وسیلے کے وجود پر قانع نہیں کرتے جن کے اندر مستقبل کی تصویر دیکھی جا سکے۔

بعض لوگ مخصوص فہم و فراست کے مالک ہوتے ہیں اور مقابل انسان کی شخصیت کی بعض چیزوں کو دریافت کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ لوگ مسلسل مشق اور ان وسائل سے پیہم سروکار کے نتیجے میں کافی تجربہ حاصل کر لیتے ہیں' جس کی بنا پر وہ مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے انسانوں کی خصوصیات سے واقفیت پیدا کر لیتے ہیں۔ مثلاً یہ جان لیتے ہیں کہ کنوارے یا شادی شدہ مرد' یا کنواری یا شادی شدہ عورت کی کیا آرزوئیں' تمنائیں اور مقاصد ہوتے ہیں۔ اس بنیاد پر وہ ایسی باتیں بیان کرتے ہیں جنہیں سن کر گمان ہونے لگتا ہے کہ ان کی باتوں کی بنیاد صحیح اصول و قواعد ہیں اور کوئی سچا علم ان کا سرچشمہ ہے۔

جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں' ہم ان مسائل کی مطلق نفی نہیں کرتے۔ کیونکہ ان کی نفی کے لئے دلیل کی ضرورت ہے۔ لیکن ہم جس نتیجے تک پہنچے ہیں اور اپنے تجربات کے ذریعے جو کچھ دریافت کر سکے ہیں اس میں کوئی ایسی چیز نہیں ملتی جو اس ہنر کے حامل افراد کے دعوے کی تائید کر سکے۔

جادو ایک وہمی اور خیالی حالت ہے

☆ کیا آپ کے خیال میں ان وسائل اور جادو کے درمیان کوئی تعلق ہے؟

○ ہم جادو کی حقیقت پر اعتقاد نہیں رکھتے کیونکہ جب خداوند عالم قرآن مجید میں جادو کا تذکرہ کرتا ہے تو اسے منفی اور نادرست قرار دیتا ہے: قال موسیٰ ما جئتم بہ السحر ان اللہ سیبطلہ (موسیٰ نے کہا جو کچھ تم لے آئے ہو یہ جادو ہے اور اللہ اس کو بیکار کر دے گا۔ سورہ یونس ۱۰۔ آیت ۸۱)

قرآن کریم کے بقول جادو ایک خیالی حالت ہے' اس کا حقیقت اور واقعیت سے کوئی تعلق نہیں۔ ہاروت اور ماروت نامی دو فرشتوں کے قصے میں آیا ہے کہ:

فیتعلمون منھما ما یفرقون بہ بین المرء و زوجہ (لیکن وہ لوگ ان سے وہ باتیں سیکھتے تھے جن سے میاں بیوی کے درمیان جدائی ڈال دیں۔ سورہ بقرہ ۲۔ آیت ۱۰۲)۔ ضروری نہیں کہ یہ باتیں جادو ہوں' اگر ایسا ہو تو کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ ہاروت اور ماروت اب بھی باقی ہیں اور ایک ایسی جماعت کو "جادو" سکھانے میں مصروف ہیں جو اکثر حالات میں اپنے جہل اور پسماندگی کی وجہ سے پہچانی جاتی ہے؟!

تفریح کے وسائل اور ان کے نعم البدل

☆ دشمنان اسلام اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لئے انسانوں کے پسندیدہ اور مرغوب ذرائع سے استفادہ کرتے ہیں۔ مثلاً موسیقی' شراب' مرد و زن کی مخلوط محافل اور اس سے مرتب ہونے والی خرابیاں ۔۔۔۔ جبکہ ہم دینی دعوت کے دوران ان چیزوں کا نعم البدل پیش کئے بغیر فقط ان کی قطعی اور یکسر مخالفت پر اکتفا کرتے ہیں اور اگر کبھی کوئی نعم البدل لاتے بھی ہیں تو عام معاشرہ اسے قبول کرنے سے کتراتا ہے۔

ہمارا سوال یہ ہے کہ آپ کے خیال میں کیا اس صورتحال کا جاری رہنا' آگے چل کر اخلاقی تنزل پر منتج نہ ہو گا؟

○ ہمارا عقیدہ ہے کہ اسلام نوجوانوں کے اوقات فراغت اور نفسیاتی خلا کو پر کرنے کے لئے خشک اور بے روح وسائل کے استعمال پر اصرار نہیں کرتا۔ بلکہ انہیں پسندیدہ مشاغل اپنانے کی جانب رغبت دلاتا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس میدان میں بہت زیادہ وسیع امکانات پائے جاتے ہیں۔ جیسے مختلف اقسام کی ورزشیں' تیراکی' اور ہلکی پھلکی' مثبت جذبات ابھارنے والی یا رزمیہ موسیقی جس کے فسق و فجور کی محافل سے عدم تناسب کی وجہ سے' فقہا اس پر اعتراض نہیں کرتے۔ اسکے معنی یہ ہیں کہ ہم ہر قسم کی موسیقی کو مسترد نہیں کرتے۔

جہاں تک رہی شراب کی بات تو پھلوں سے حاصل کردہ اور دوسرے ذرائع سے تیار کردہ مشروبات کے سوا نوجوانوں کے لئے شراب کا کوئی اور نعم البدل فراہم کرنا ممکن

نہیں۔ خود شراب بھی اپنے اندر پائی جانے والی بعض خصوصیات کی وجہ سے نوجوانوں کی مرغوب نہیں۔ بلکہ اس کی جانب جھکاؤ کا سبب جوان کے گرد و پیش کا ماحول ہے' لہٰذا اسے شراب سے دور رکھنے کے لئے اسکے ماحول کو سالم بنانا چاہئے۔

تفریح کے مثبت ذرائع کی تلاش

☆ تفریح کے مذکورہ وسائل کے جانشین اور قائم مقام ذرائع کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

○ ہم پر لازم ہے کہ تفریح کے منفی ذرائع کے نعم البدل ہو سکنے والے مثبت تفریحی وسائل تلاش کریں' تاکہ جوان کے پاس اوقات فراغت باقی نہ رہیں' جنہیں پر کرنے کے لئے ممکن ہے وہ ان منفی طریقوں کا رخ کرے۔

مثال کے طور پر جب ہم موسیقی کے بارے میں گفتگو کریں اور جوان سے کہیں کہ یہ حرام ہوتی ہے تو ہمیں اسے اس فتوے کے بارے میں بھی بتانا چاہئے جس کی رو سے سکون آور' معنویت انگیز' احساس کو پاکیزگی بخشنے والی' اعصاب کو سکون پہنچانے والی اور مثبت جذبات ابھارنے والی اور رزمیہ موسیقی حلال ہے۔

جب ہم یہ بات جانتے ہیں کہ بعض ایسے اقوال بھی ہیں جو موسیقی کی بعض اقسام کو حلال قرار دیتے ہیں تو ہمیں چاہئے کہ بے ہودہ' گمراہ کن اور فسق و فجور کی محافل سے مناسبت رکھنے والی موسیقی کے حرام ہونے کا فتویٰ بیان کرنے کے ساتھ ساتھ جائز موسیقی کی جانب بھی نوجوانوں کی رہنمائی کریں۔

اسی طرح جب ہم جوانوں کو تہذیب حاضر کے مسلط کردہ رنگ ڈھنگ سے دور رکھنا چاہیں تو انہیں اس سے مختلف سمت اور جہت دینے کے لئے ان کے مشابہ طور طریقوں سے استفادہ کریں۔ یعنی جوان کو اسکے احساسات اور جذبات سے متصل مسائل میں زمانے کی عام ڈگر سے جدا نہ کریں' شاید امام علیؑ کی یہ مستند حدیث اسی جانب اشارہ کر رہی ہے :

"لاتخلقوا اولادکم باخلاقکم ' فانهم خلقوا لزمان غیر زمانکم"

"اپنے بچوں کی تربیت ' اپنی طرح مت کرو ' کیونکہ وہ دوسرے زمانے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔"

یہاں حضرت ؑ کا مقصد یہ نہیں ہے کہ اپنے بچوں کو اسلامی اخلاق کے برخلاف نئی تہذیب کے منفی اخلاق پر تربیت کرو بلکہ انسانی حیات سے مربوط تفریح طبع ' خوشی و سرور ' اجتماعی فعالیت ' لباس ' کھانے پینے کے طور طریقوں اور روابط عمومی سے متعلق عادات و رسوم مراد ہیں۔

ارتکابِ حرام کی حوصلہ افزائی کا امکان

☆ یہاں ایک دوسرا اعتراض سامنے آسکتا ہے اور وہ یہ کہ نعم البدل اور قائم مقام کے طور پر پیش کئے جانے والے یہ طریقے ممکن ہے ارتکاب حرام کے سلسلے میں جوانوں کی حوصلہ افزائی کا سبب بنیں؟

○ اگر آپ جوان کے سامنے حلال اور حرام کی حدود واضح کردیں ' اسے یہ بات جتا دیں کہ وہ حلال کے دائرے میں رہتے ہوئے بھی اپنی حیات کے تقاضوں کا جواب دے سکتا ہے اور ایک آرام دہ اور کشادہ زندگی کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ لازماً حرام راہیں اختیار کرے ' تو ایسی صورت میں آپ اسے ایک قابل اطمینان اور درست راستے پر گامزن کرسکتے ہیں۔

بعض لوگ کسی حلال امر کو ارتکاب حرام کے لئے جواز کی سند بنا لیتے ہیں ' یہ طرز عمل ایک قسم کا انحراف ہے ' جسکا علاج کیا جانا ضروری ہے۔ لیکن اسکے معنی یہ نہیں ہیں کہ ہم اس خوف سے حلال چیزوں کو حرام قرار دینے لگیں کہ کچھ لوگ ان کے وسیلے سے حرام کا ارتکاب کرتے ہیں کیونکہ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ بہت سے لوگ تو دین کو بھی تجارت کا ذریعہ بنا لیتے ہیں اور اعلیٰ اقدار کو بھی اپنے چھوٹے چھوٹے مفادات کے

حصول کا راستہ بنائے ہوئے ہیں۔ یہ امر راہ حیات میں ایک انحراف کی علامت ہے۔

یہاں ہماری گفتگو کا مقصد یہ ہے کہ ہمیں ایسی مثبت اور پسندیدہ چیزیں سامنے لانی چاہئیں جو منفی اور ناپسندیدہ چیزوں کی جگہ لے سکیں تاکہ ایک ایسا انسان جسے ان ناشائستہ کاموں سے روکا جائے وہ خلا سے دوچار نہ ہو۔

اسی طرح ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ ہر حالت اور ہر صورت میں نعم البدل اور قائم مقام چیزیں فراہم کی جائیں' چاہے قوانین الٰہی کے برخلاف فتویٰ دینا پڑے۔ لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمیں ایسے نعم البدل اور قائم مقام کی ایجاد کے امکانات کے بارے میں مسلسل غور و فکر کرتے رہنا چاہئے جو اصول شریعت سے ہم آہنگ ہوں۔ کیونکہ مسلم معاشروں کی ایک مشکل' ان معاشروں میں منصوبہ بندی کا فقدان ہے۔ یہاں مشکلات کے بارے میں صرف اسی وقت سوچا جاتا ہے جب وہ سر پر آپڑتی ہیں۔ پھر کبھی کبھی مشکل کو بھی صحیح طور پر نہیں سمجھ پاتے اور یوں راہ حل نکالنے کی بجائے حواس باختہ ہو جاتے ہیں' اور اسکی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس سلسلے میں منصوبہ بندی کی ہی نہیں ہوتی اور اس بارے میں سوچ بچار کیا ہی نہیں ہوتا۔

عصر حاضر میں جوانوں کے لئے تعمیری اور صحت مند تفریح کے بہت سے وسائل ایجاد کئے جاسکتے ہیں۔ اگر بعض علما یا کچھ مشہور علما (بغیر بازی لگائے ہوئے بھی) جوئے کے آلات سے کھیلنے یا شطرنج کو حرام سمجھتے ہیں' تو ایسی جدید فقہی آراء بھی موجود ہیں جو ان کے (بغیر بازی لگائے) کھیلنے کو جائز قرار دیتی ہیں۔ یعنی جوان کے اوقات فراغت کو پر کرنے والی اور مثبت نتائج کی حامل صحت مند تفریح کے وسائل سے استفادے کا راستہ مکمل طور پر بند نہیں ہے۔

اسلام یہ نہیں چاہتا کہ انسان پوری زندگی ٹھہراؤ اور جمود کی حالت میں گزار دے۔ بہت سی احادیث میں آیا ہے کہ : روحوا القلوب ساعۃ بعد ساعۃ (تھوڑی تھوڑی دیر بعد اپنے قلوب کو آرام دو) یا : ینبغی ان یکون للمومن ثلاث ساعات : ساعۃ یناجی فیھا ربہ' وساعۃ یرم فیھا معاشہ' وساعۃ

یخلی فیہا بین نفسہ وبین لذتہا فی غیر محرم فانہا عون علی تینک الساعتین (مناسب ہے کہ مومن اپنے وقت کو تین حصوں میں تقسیم کرے۔ ایک حصے کو اپنے پروردگار سے مناجات میں بسر کرے' ایک حصے کو حصول معاش کے لئے صرف کرے' اور ایک حصے کو فراغت اور حلال لذتوں کے حصول میں گزارے' کہ یہ (تیسرا) عمل پہلے دو کاموں کی بہتر ادائیگی کے لئے معاون اور مددگار ثابت ہو گا)

لہٰذا صحت مند تفریح اور ایسے اسباب سے استفادہ جو انسان کو لذت' آسائش اور سکون بخشتے ہیں' جن کے ذریعے اس میں نئے سرے سے تازگی اور نشاط پیدا ہوتی ہے اور جو عبادت اور مسلسل کام کی وجہ سے اس پر طاری ہونے والی پژمردگی اور تھکاوٹ دور کرتے ہیں' ایک مطلوب اور پسندیدہ چیز ہے۔

عرف سازی

لیکن عرف اجتماعی کے بارے میں ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ رائج عرف کو دھیان میں رکھ کر تفریح کے ذرائع کے بارے میں ایک نیا عرف وجود میں لائیں۔ اس موقع پر ہمیں صحت مند تفریح کے ان وسائل و ذرائع سے استفادہ کرنا چاہیے جو عرف کی نظر میں پسندیدہ ہیں اور ان مختلف اسباب پر مجتمع ہو جانا چاہیے۔

لہٰذا ہمارے خیال میں اجتماعی' تربیتی' تعلیمی اور تبلیغی میدانوں میں سرگرم عمل تمام اسلامی کارکنوں کے لئے ممکن ہے کہ وہ تفریحی ذرائع اور وسائل کے بارے میں وسیع پیمانے پر تحقیق کریں تاکہ ان میں سے ان ذرائع اور وسائل کو اختیار کر سکیں جو اسلامی شریعت اور تربیت کے اصولوں سے سازگار ہیں اور نئے وسائل تخلیق کر سکیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ایسے وسائل کم نہیں ہیں لیکن اسلامی کارکنوں نے اس سمت میں کام ہی نہیں کیا ہے۔ کیونکہ نسل جواں (مرد و زن) کے اس بند دائرے میں پھنسے رہنے کے منفی نتائج کی جانب ان کی توجہ ہی نہیں۔ اور شاید بہت سے اسلامی کارکنوں کی خود محدود اور گھٹن زدہ ماحول میں تربیت ہوئی ہے' وہ ایسے ماحول کے عادی ہیں اور اجتماعی عرف سے

بھی دو ہاتھ آگے بڑھ کے اس گھٹن کو باقی رکھنے پر اصرار کرتے ہیں‘ وہی اجتماعی عرف جس سے یہ خود بھی خوف کھاتے ہیں۔

☆ دینی افراد کا یہ گروہ ‘کیا ان امور کو نامناسب سمجھتا ہے‘ یا یہ کہ ان چیزوں کو مومن کے وقار اور شان کے منافی خیال کرتا ہے؟

○ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ ہمارے متاخر مراجعین عظام ان متدین افراد سے کہیں زیادہ کھلے ذہن کے مالک اور روشن فکر ہیں۔ مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ آیت اللہ سید ابوالقاسم خوئیؒ مردوں میں اور خواتین کے درمیان خواتین کے رقص کو مباح سمجھتے ہیں‘ بشرطیکہ شہوت انگیز نہ ہو‘ اور آپ ہی کے فتاویٰ اور علمی آراء میں ملتا ہے کہ لہو (تفریح) کے حرام ہونے پر کوئی دلیل نہیں۔ لہٰذا اگر انسان ان تفریحی ذرائع سے استفادہ کرے جن کے حرام ہونے پر کوئی متعین دلیل نہ ہو تو کوئی مانع نہیں۔

البتہ وہ لہو غنائی (موسیقی) حرام ہے جو اہل فسق و فجور کی محفلوں سے متناسب ہو لیکن اپنے عام مفہوم میں تفریح (لہو) حلال کا حکم رکھتی ہے۔ یہی حال تالیوں کا بھی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ بہت سے متدین افراد آخر کیوں ان لوگوں سے ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں اور ان کے ساتھ ایسا طرز عمل اختیار کرتے ہیں جیسے وہ حرام کے مرتکب ہوئے ہیں جو کسی شعر‘ تقریر‘ یا کسی اور بات کی داد دیتے ہوئے‘ یا حوصلہ افزائی کرتے ہوئے تالیاں بجاتے ہیں۔ ہم کسی بات پر خوشی اور تحسین کے اظہار کے لئے جس طرح درود پڑھتے ہیں اسی طرح تالیاں بھی بجا سکتے ہیں۔

اہم بات یہ ہے کہ ایک ایسی چیز کی وجہ سے لوگوں میں اضطراب پیدا نہ ہو جو شرعاً حلال ہے اور معاشرے کی نگاہ میں بھی مقبول ہے۔ اور جب ایسی چیز کے بکثرت مثبت اثرات بھی ہوں تو کیوں اسے مسترد کیا جائے؟۔۔۔ ویسے ہم ایسے مواقع پر درود اور تالیوں‘ دونوں کو جمع کر سکتے ہیں۔

اس نکتے پر توجہ ضروری ہے کہ اگر ہم جوانوں کی رہنمائی اور انہیں صحیح ڈگر پر لانے کی غرض سے ان کی روح‘ جذبات اور تمناؤں کو ملحوظ خاطر رکھیں اور انہیں صحت

مند تفریح کے مواقع فراہم کریں تو ہمارا عقیدہ ہے کہ آپ دیکھیں گے کہ جوان دینی اور ایمانی فضا سے دور نہیں بھاگتے' بلکہ وہ اس سے استفادے کے ذریعے خود کو روحانی اور فکری لحاظ سے مالامال سمجھنے کے علاوہ کھیل کود اور تفریح کے پہلو سے بھی خود کو بے نیاز اور مستغنی سمجھیں گے۔

حسد اور نظربد

☆ معاشرے میں عام طور پر معروف مسئلے "حسد" اور "نظربد" اور اس بارے میں پائی جانے والی دعاؤں اور تعویزوں کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

○ ہمارے خیال میں اس بارے میں معاشرے میں جو عمومی سوچ پائی جاتی ہے (جس کے تحت افراد معاشرہ لوگوں کے ساتھ رونما ہونے والے حوادث و واقعات میں حسد کے گہرے اثرات کے قائل ہیں) اسکے لئے کوئی قطعی اور واضح دلیل نہیں ملتی۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ بہت سے افراد جن سے لوگ حسد کرتے ہیں' اکثر مواقع پر ان کی حسد ان پر قطعی اثرانداز نہیں ہوتی۔

بہرصورت حسد کے موضوع پر شر (یعنی برائی چاہنا اور کینہ وعداوت رکھنا) کا مسئلہ قابل مطالعہ ہے' جس سے حاسد' حسد کا نشانہ بننے والے شخص کو دوچار کرسکتا ہے' کیونکہ اسکے خلاف حاسد کے دل میں پڑی ہوئی گرہ بسا اوقات حاسد کو اس کے قتل' جسمانی نقصان پہنچانے' یا قید میں ڈال دینے پر ابھارتی ہے' اسکی مثال حضرت یوسفؑ اور ان کے بھائیوں کی داستان میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

اس بارے میں وارد ہونے والی دعاؤں میں بھی شاید یہی تلقین پوشیدہ ہو کہ حسد کا نشانہ بننے والا شخص' ماحول کے مسلط کردہ خوف و اضطراب سے چھٹکارے اور دوسروں کے حسد میں مبتلا ہونے کا سبب بننے والی چیزوں کی حفاظت کے سلسلے میں خدا سے پناہ طلب کرے' کیونکہ یہ ان مسائل میں سے ہے جن سے وہ خود اپنے عام غور و فکر کے ذریعے نجات حاصل نہیں کرسکتا۔ لہٰذا اسے خدا سے رجوع کرنا چاہئے تاکہ خدا پر اعتماد

کے احساس اور اس سے رجوع کے ذریعے اسکا خوف زائل ہو جائے۔

بہر حال ہم اس قسم کے امور کو یکسر مسترد کرنے کے قابل نہیں کیونکہ ان کی نفی کے لئے مسئلے کے تمام پہلوؤں پر احاطہ نہیں رکھتے' لیکن بہر صورت ہمارے پاس کوئی ایسی اطمینان بخش دلیل نہیں جو عوام میں رائج ان خیالات کی صحت پر حجت ہو بلکہ ہم حقیقت اور واقعیت کو ان عوامی خیالات کے برخلاف پاتے ہیں۔

ضمیمہ ۱۱ احادیث (۵)

حجاب و پوشش کے بارے میں

☆ "قال الامام علی (ع) : کنت قاعدا فی البقیع مع رسول الله (ص) فی یوم دجن و مطر اذا مرت امراة علی حمار فهوت ید الحمار فی وهدة فسقطت المراة، فاعرض النبی (ص) بوجهه، فقالوا : یا رسول الله انها متسرولة، فقال : اللهم اغفر للمتسرولات ثلاثا، یا ایها الناس : اتخذوا السراویل فانها من استر ثیابکم، وحصنوا بها نساءکم اذا خرجن"

امام علیؑ نے فرمایا : ایک روز ہم رسول اللہؐ کے ساتھ بقیع میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس دن بارش ہو رہی تھی۔ اسی دوران گدھے پر سوار ایک عورت کا وہاں سے گزر ہوا۔ یکایک گدھے کا پاؤں ایک گڑھے میں جا پڑا اور عورت زمین پر گر پڑی۔ یہ منظر دیکھ کر رسول اللہؐ نے اپنا منھ پھیر لیا۔ ہم نے عرض کیا : اے اللہ کے رسولؐ! اس عورت نے تو شلوار پہن رکھی ہے۔ یہ سن کر آنحضرتؐ نے فرمایا : خداوندا شلوار پہننے والیوں پر رحم فرما، آنحضورؐ نے یہ تین مرتبہ فرمایا۔ پھر فرمایا : شلوار کا لباس اختیار کرو، کیونکہ ستر پوشی کی خاطر یہ سب سے بہتر لباس ہے، اور جب تمہاری عورتیں باہر نکلیں تو انہیں شلوار پہننے کا پابند کرو۔

☆ "وقال (ع) لابنه الحسن (ع) : واکفف علیهن من ابصارهن بحجابک ایاهن، فان شدة الحجاب خیر لک ولهن من الارتیاب ولیس خروجهن باشد من دخول من لا یوثق به علیهن، واذا استطعت ان لا یعرفن غیرک من الرجال فافعل"

آپؑ ہی نے اپنے فرزند امام حسنؑ سے فرمایا : اپنی خواتین کی حفاظت کرو اور انہیں پردے میں رکھ کر انہیں نامحرموں کو دیکھنے سے بچاؤ۔ کیونکہ یہ عمل تمہارے اور ان کے دونوں کے لئے شک و شبہ پیدا ہونے سے بہتر ہے۔ ان کا گھر سے نکلنا اتنا ہی پر خطر ہے جتنا کسی ناقابلِ اعتماد شخص کا ان کے گھر میں داخل ہونا۔ لہٰذا اگر ممکن ہے تو ایسا کرو کہ وہ تمہارے علاوہ کسی اور مرد سے واقف ہی نہ ہوں۔

نگاہ کے بارے میں

☆ "قال رسول الله (ص) : ایاکم و فضول النظر فانه یبذر الهوی و یولد الغفلة"

رسول اللہؐ نے فرمایا : بے جا نظر ڈالنے سے سختی کے ساتھ پرہیز کرو کیونکہ یہ ہوئی و ہوس کا بیج بوتی ہیں اور غفلت پیدا کرتی ہیں۔

☆ "وقال (ص) : من ملا عینه من حرام ملا الله عینه یوم القیامة من النار الا ان یتوب و یرجع"

آپؐ ہی نے فرمایا : ایسا شخص جو اپنی آنکھوں کو حرام سے پر کرے، خداوند عالم روزِ قیامت اسکی آنکھوں کو آگ سے بھر دے گا، مگر یہ کہ وہ توبہ کرے اور رجوع کرلے۔

☆ "وقال (ص) : ما من مسلم ینظر امراة اول رمقة ثم یغض بصره الا احدث الله تعالی له عبادة یجد حلاوتها فی قلبه"

آپؐ ہی نے فرمایا : جو مسلمان کسی عورت پر نگاہ پڑنے کے بعد اپنی آنکھوں کو جھکالے خداوند عالم، اس کے لئے ایک ایسی عبادت قرار دے گا جس کی مٹھاس وہ اپنے قلب میں

محسوس کرے گا۔

☆ "وقال(ص) : لکل عضو حظ من الزنا فالعین زناہ النظر"

آپؐ ہی نے فرمایا : بدن کا ہر عضو ایک قسم کا زنا کر سکتا ہے اور آنکھ کا زنا (ہوس آلود) نگاہ ہے۔

☆ "وقال عیسی (ع) : ایاکم والنظر الی المحظورات، فانھا بذر الشھوات ونبات الفسق"

حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا : نامحرموں پر نظر ڈالنے سے پرہیز کرو، کیونکہ یہ شہوت کا بیج اور فسق وفجور کا پودہ ہے۔

☆ "وقال الامام علی (ع) : العین رائد الفتن"

امام علیؑ نے فرمایا : آنکھ فتنے کی آغازگر ہے۔

☆ "وقال (ع) : العیون مصائد الشیطان"

آپؑ ہی نے فرمایا : آنکھیں شیطان کا جال ہیں۔

☆ "وقال (ع) : لیس فی البدن شیء اقل شکرا من العین فلا تعطوھا سولھا فتشغلکم عن ذکر اللہ عزوجل"

آپؑ ہی نے فرمایا : آنکھ کی شکرگزاری ہر دوسرے عضو سے کم ہے۔ پس اسے اس کی پسندیدہ چیزوں سے دور رکھو تاکہ تمہیں خدا کی یاد کی مشغولیت سے باز نہ رکھ سکے۔

☆ "وقال (ع) : اذا ابصرت العین الشھوة عمی القلب عن العاقبة"

آپؑ ہی نے فرمایا : اگر آنکھوں کو شہوت آلود نگاہ سے باز نہ رکھا تو قلب عاقبت سے غافل ہو جائے گا۔

☆ "وقال (ع) : من اطلق طرفه کثر اسفه"

آپؑ ہی نے فرمایا : نگاہ غم واندوہ کا سبب ہے۔

☆ "وقال (ع) : من غض طرفه اراح قلبه"

آپ ہی نے فرمایا : جو کوئی اپنی آنکھوں کو جھکا لیتا ہے اپنے قلب کو آسودہ رکھتا ہے۔

☆ "ومن وصایا الصادق (ع) لعبد الله بن جندب : یا ابن جندب ان عیسی بن مریم قال لا صحابه : ایاکم والنظرۃ فانها تزرع فی القلب الشدۃ وکفی بها الصاحبها فتنۃ طوبی لمن جعل بصرہ فی قلبه ولم یجعل بصرہ فی عینه"

عبداللہ جندب کو وصیت کرتے ہوئے امام صادقؑ نے فرمایا : اے جندب کے بیٹے! عیسیٰ بن مریمؑ نے اپنے اصحاب سے فرمایا : نگاہِ حرام سے پرہیز کرو کہ یہ سنگدلی کا موجب ہوتی ہیں اور انسان کے فتنہ و فساد میں گرفتار ہو جانے کے لئے یہی کافی ہے۔ خوشا نصیب اسکے جو بصیرت قلب کا مالک ہو اور جن چیزوں کو اسکی آنکھیں دیکھتی ہیں ان پر اکتفاء نہ کرتا ہو۔

زیب و زینت کے بارے میں

☆ "قال رسول الله (ص) : ان الله یحب اذا خرج عبده المومن الی اخیه ان یتهیا له وان یتجمل"

رسول اللہؐ نے فرمایا : خداوند عالم پسند کرتا ہے کہ بندۂ مومن اپنے برادرِ مومن سے ملاقات کو نکلتے وقت اپنے آپ کو تیار اور آراستہ کرے۔

☆ "وقال (ص) : احسن زینة الرجل السکینة مع ایمان"

آپ ہی نے فرمایا : مرد کی بہترین زینت ایمان اور اطمینان و سکون ہے۔

☆ "وقال الامام علی (ع) : ایاک ان تتزین للناس و تبارز الله بالمعاصی"

امام علیؑ نے فرمایا : ایسا نہ ہو کہ اپنے آپ کو لوگوں کے لئے تو آراستہ کرو اور خدا کے سامنے گناہوں (کی آلودگی) کے ساتھ ظاہر ہو۔

☆ "وقال (ع) : الزینة بحسن الصواب لا بحسن الشیاب"

آپؑ ہی نے فرمایا : انسانوں کی زینت درست کاری اور نیک اندیشی ہے نہ کہ خوبصورت لباس۔

☆ "وقال(ع) : زينة الاسلام اعمال الاحسان"

آپؑ ہی نے فرمایا : مسلمان کا زیور نیک اعمال ہیں۔

☆ "وقال(ع) : ان احسن الزی ما خلطک بالناس وجملک بينهم وكف السنتهم عنک"

آپؑ ہی نے فرمایا : بہترین لباس وہ ہے جو تمہیں دوسروں ہی کی مانند ظاہر کرے اور (اسی کے ساتھ) ان میں آراستہ نظر آؤ، اور ان کی زبانوں کو تمہاری بدگوئی سے باز رکھے۔

☆ "وقال(ع) : ماتزين متزين بمثل طاعة الله"

آپؑ ہی نے فرمایا : اطاعت الٰہی کی مانند کوئی زیور نہیں۔

☆ "وقال الامام الصادق(ع) : لا ينبغی للمراة ان تعطل نفسها ولو ان تعلق فی عنقها قلادة"

امام صادقؑ نے فرمایا : بہتر ہے کہ عورت زنانہ زیورات کو (بالکل ہی) ترک نہ کردے چاہے اسکے گلے میں ایک ہار ہی پڑا ہوا ہو۔

گانے بجانے کے بارے میں

☆ "قال رسول الله (ص) : اياكم واستماع المعازف والغناء فانهما ينبتان النفاق فی القلب كما ينبت الماء البقل"

رسول اللہؐ نے فرمایا : ایسا نہ ہو کہ تم تار و تنبور سننے لگو کہ یہ اسی طرح دل میں نفاق کی پیدائش کا موجب ہوتا ہے جس طرح پانی نباتات کی روئیدگی کا باعث ہوتا ہے۔

☆ "وقال (ص) : صوتان ملعونان فی الدنيا والاخرة : مزمار عند نعمة و رنة عند مصيبة"

آپ ہی نے فرمایا: دنیا اور آخرت میں دو آوازیں ملعون ہیں، خوشی کے موقع پر بین بجانا اور مصیبت کے موقع پر چیخ پکار بلند کرنا۔

☆ "وقال الامام الصادق (ع) : الغناء یورث النفاق"

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: غنا اپنے پیچھے نفاق اور دو روئی چھوڑتا ہے۔

☆ "وقال رجل للصادق (ع) : ان لی جیرانا ولهم جوار یتغنین ویضربن بالعود فربما دخلت المخرج فاطیل الجلوس استماعا منی لهن؟"

ایک شخص نے امام جعفر صادقؑ سے کہا: میرے ہمسائے میں کچھ کنیزیں ہیں جو سارنگی بجاتی ہیں اور گانے گاتی ہیں، جب بھی میرا اپنے بیت الخلا میں جانا ہوتا ہے تو میں وہاں ذرا زیادہ دیر تک بیٹھ جاتا ہوں تاکہ یہ ساز و آواز سنوں؟

"فقال له الصادق (ع) : لا تفعل"

امامؑ نے فرمایا: ایسا نہ کیا کرو۔

"فقال: ما هو شیء آتیه برجلی، انما هو سماع اسمعه باذنی؟"

اس نے کہا: ایسا میں چاہتے ہوئے تو نہیں کرتا، بلکہ آوازیں خود بخود میرے کانوں میں پڑتی ہیں۔

"فقال (ع) : یا لله انت! اما سمعت الله عز و جل یقول: (ان السمع والبصر والفواد کل اولئک کان عنه مسوولا)؟"

امامؑ نے فرمایا: کیسی عجیب بات کرتے ہو! کیا تم نے خداوند عالم کا یہ فرمان نہیں سنا جس میں اس نے فرمایا ہے: سماعت، بصارت اور قوتِ قلب سب کے بارے میں سوال کیا جائے گا (سورہ بنی اسرائیل ۱۷۔ آیت ۳۶)

"فقال له الرجل: کانی لم اسمع بهذه الآیة من کتاب الله عز و جل من عربی ولا عجمی! لا جرم انی قد ترکتها وانا استغفر الله تعالی"

وہ شخص کہتا ہے : میں نے اس وقت تک کسی عربی یا کسی عجمی سے یہ آیت نہیں سنی تھی' لہٰذا ناگزیر میں نے وہ عمل ترک کر دیا اور خدا سے مغفرت طلب کی۔

جادو کے بارے میں

☆ "عن الامام علی (ع) : المنجم کالکاهن' والکاهن کالساحر' والساحر کالکافر' والکافر فی النار"

امام علیؑ سے منقول ہے : منجم' کاہن' جادوگر اور کافر میں باہم کوئی فرق نہیں اور ان سب کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

☆ "وعنه (ع) انه قال : العین حق والرقی حق' والسحر حق' والفال حق' والطیرة لیست بحق' والعدوی لیست بحق"

آپؑ ہی سے منقول ہے کہ فرمایا : چشمِ بد' دم کرنا' جادو اور فال نکالنا حقیقت ہے لیکن بدشگونی حقیقت نہیں رکھتی۔

☆ "وعن الامام الصادق (ع) : من تعلم شیئا من السحر قلیلا اوکثیرا فقد کفر' وکان آخر عهده بربه' وحدّه ان یقتل الا ان یتوب"

امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے : جو کوئی' جادو کو (کم یا زیادہ) سیکھے' در حقیقت وہ کفر کا مرتکب ہوا ہے' اور اسکا انجام خدا کے ذمے ہے' اسکی سزا قتل ہے' مگر یہ کہ وہ توبہ کرلے۔

مستی اور نشے کے بارے میں

☆ "قال رسول الله (ص) : اجتنبوا کل مسکر' فان کل مسکر حرام"

رسول اللہؐ نے فرمایا : مست کر دینے والی ہر چیز سے پرہیز کرو' کیونکہ ہر مست کر دینے والی چیز حرام ہے۔

☆ "وقال الامام علی (ع) : ینبغی للعاقل ان یحترس سکر المال' وسکر العلم' وسکر القدرة' وسکر المرح' وسکر الشباب' فان لکل واحد من ذلک ریحا خبیثة تسلب العقل وتسخف الوقار"

امام علیؑ نے فرمایا : مناسب ہے کہ عقلمند انسان مال 'علم 'طاقت 'خوشی اور جوانی کے نشے سے دور رہے۔ ان میں سے ہر ایک سے ایسی گندی بدبو اٹھتی ہے جو عقل کو زائل کر دیتی ہے اور انسان کے وقار کو گھٹا دیتی ہے۔

☆ "وقال الامام الباقر (ع) : ما اسکر کثیره فقلیله حرام"

امام محمد باقرؑ نے فرمایا : ہر ایسی چیز جس کی زیادہ مقدار کا پینا مستی لاتا ہو اسکا کم (ایک گھونٹ) پینا بھی حرام ہے۔

☆ "وقال رسول الله (ص) : یا ابن مسعود : احذر سکر الخطیئة فان للخطیئة سکرا کسکر الشراب' بل هی اشد سکرا منه' یقول الله تعالی (صم بکم عمی فهم لا یرجعون)"

رسول اللہؐ نے فرمایا : اے ابن مسعود! گناہ کی مستی سے خوف کھاؤ' اور جان لو کہ گناہ بھی شراب کی مانند مستی اور بے خودی کا باعث ہوتا ہے' بلکہ اس سے بھی زیادہ شدید ہے۔ خداوند عالم فرماتا ہے : یہ سب بہرے' گونگے اور اندھے ہو گئے ہیں اور اب پلٹ کر آنے والے نہیں ہیں (سورہ بقرہ ۲۔ آیت ۱۸)

۶

علامہ فضل اللہ کے تجربات

☆ "وقال الامام علی (ع) : ینبغی للعاقل ان یحترس سکر المال، وسکر العلم، وسکر القدرة، وسکر المرح، وسکر الشباب، فان لکل واحد من ذلک ریحا خبیثة تسلب العقل وتسخف الوقار"

امام علیؑ نے فرمایا : مناسب ہے کہ عقلمند انسان مال، علم، طاقت، خوشی اور جوانی کے نشے سے دور رہے۔ ان میں سے ہر ایک سے ایسی گندی بدبو اٹھتی ہے جو عقل کو زائل کر دیتی ہے اور انسان کے وقار کو گھٹا دیتی ہے۔

☆ "وقال الامام الباقر (ع) : ما اسکر کثیره فقلیله حرام"

امام محمد باقرؑ نے فرمایا : ہر ایسی چیز جس کی زیادہ مقدار کا پینا مستی لاتا ہو اسکا کم (ایک گھونٹ) پینا بھی حرام ہے۔

☆ "وقال رسول الله (ص) : یا ابن مسعود : احذر سکر الخطیئة فان للخطیئة سکرا کسکر الشراب، بل هی اشد سکرا منه، یقول الله تعالی (صم بکم عمی فهم لا یرجعون)"

رسول اللہؐ نے فرمایا : اے ابن مسعود! گناہ کی مستی سے خوف کھاؤ، اور جان لو کہ گناہ بھی شراب کی مانند مستی اور بے خودی کا باعث ہوتا ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ شدید ہے۔ خداوند عالم فرماتا ہے : یہ سب بہرے، گونگے اور اندھے ہو گئے ہیں اور اب پلٹ کر آنے والے نہیں ہیں (سورہ بقرہ ۲۔ آیت ۱۸)

(۶)

علامہ فضل اللہ کے تجربات

ایام شباب

☆ جناب عالی، آپ نے ایک بھرپور زندگی بسر کی ہے، آپ کی نظر میں تربیت کے موثر ترین وسائل کیا ہیں، بالفاظ دیگر خود آپ نے ایام جوانی میں اپنی تربیت کے لئے کیا اسلوب اختیار کیا تھا؟

○ میں سمجھتا تھا کہ مجھے ایک مکمل مسلمان بننا چاہئے، ایک ایسا مسلمان جس کے رگ رگ میں اسلام سمایا ہوا ہو، جو خدا کی معرفت کا حامل ہو، جس کا دل عشق الٰہی سے سرشار ہو، خوف خدا جس پر سایہ کئے ہوئے ہو اور جو ان تمام عناصر کے ہمراہ رضائے الٰہی کے حصول کی راہ پر گامزن ہو۔ یوں مجھے داخلی اور خارجی ہر پہلو سے ایک سچا مسلمان بننا ہے۔

میں یہ بھی سمجھتا تھا کہ ایک مسلمان کو اپنے زمانے کے حالات سے باخبر ہونا چاہئے، تاکہ ان کا حصہ بنے، ان میں اپنا کردار ادا کرے اور جدید دور کے مسائل اور لوگوں کے انداز فکر سے آشنائی حاصل کرے۔ تاکہ وہ عصری زبان، لب و لہجے، انداز فکر اور وسائل سے استفادہ کرتے ہوئے اسلامی تعلیمات کا ابلاغ کر سکے۔

لہٰذا میں نے ہر اس چیز کا مطالعہ کیا اور کرتا ہوں جو عصر جدید کے بارے میں میرے

فہم و بصیرت میں اضافہ کر سکے۔ اسی وجہ سے میں بہت جلد عصری مسائل کی تہہ تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتا ہوں۔ یہاں تک کہ مجھے اپنے بارے میں یہ خوف لاحق رہتا ہے کہ کہیں قدیم اصطلاحات اور الفاظ کو بالکل ہی فراموش نہ کر بیٹھوں اور اگر نزدیکی رابطے اور مسلسل مشق سے ان قدیم الفاظ اور اصطلاحات کو ذہن میں محفوظ نہ رکھتا تو ایسا ہی ہوتا۔

اسی طرح میں یہ عقیدہ بھی رکھتا ہوں کہ ایک مرد مسلم کو فعال اور متحرک ہونا چاہئے اور عالمگیر سطح پر اسلام کے بارے میں سوچنا چاہئے۔ اسے فکری' سیاسی اور اجتماعی میدانوں میں اسلامی حقائق اور تعلیمات سے باخبر ہونا چاہئے اور اسلامی تحریکوں کی سرگرمیوں سے آشنا ہونا چاہئے۔ خود میں اسلامی تحریکوں پر مسلسل نظر رکھتا ہوں۔ ان تحریکوں میں سے بعض میں پائی جانے والی کمزوریوں اور خامیوں کی وجہ سے ان سے اختلاف رکھنے کے باوجود ان سے پر امید ہوں۔ کیونکہ میرا عقیدہ ہے کہ انقلابی اسلام کے سوا کسی اور راستے سے اسلام کو عالمگیر پیمانے پر نہیں پھیلایا جا سکتا۔

اسلامی انسان

میں نے ہمیشہ یہ کوشش کی ہے کہ ایک مرد مسلمان بنوں' پتا نہیں کس حد تک اس کوشش میں کامیاب رہا ہوں؟ میں سمجھتا ہوں کہ ایک مرد مسلم کو اپنے معاشرے میں اسلامی اخلاق کے مطابق زندگی بسر کرنی چاہئے' اپنے ذاتی عادات و اطوار کے مطابق نہیں۔ کیونکہ ایک مرد مسلم' خواہ وہ دین کا داعی ہو' یا عالم' یا مفکر' یا کوئی فعال کارکن بہر حال وہ معاشرے کے سامنے اسلام کی تصویر کشی کر رہا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اپنے آپ کو کبھی اس بات کی اجازت نہیں دی کہ اپنی ذاتی کیفیات کو تیوریوں پر بل چڑھا کے' یا غم و غصے کے اظہار کے ذریعے لوگوں پر مسلط کروں' بلکہ اپنے اوپر واجب سمجھا ہے کہ جب ایسی صورتحال پیش آئے اور میرے ذاتی رجحان کے برخلاف کسی کا کوئی عمل' یا کوئی کلمہ مجھے ناگوار گزرے' تو اس سے پیدا ہونے والے غم و غصے کو پی جاؤں اور

دوسروں پر اسے ظاہر نہ ہونے دوں۔ کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ داعیان دین کو اپنے ذاتی مزاج و سلیقے کو اپنے گھر اور اپنی ذات ہی تک محدود رکھنا چاہئے۔ اور جب وہ معاشرے میں قدم رکھیں تو انہیں اسلامی اخلاق' اسلامی مزاج اور سلیقے کے مطابق طرز عمل اختیار کرنا چاہئے۔

اس چیز کی تعلیم ہمیں رسول کریمؐ سے ملی ہے اور انہوں نے اسے قرآن کریم سے حاصل کیا ہے' جس کے ذریعے خداوند عالم نے اپنے نبیؐ کی انتہائی عمدہ تربیت فرمائی ہے۔ رسول اللہؐ نے ایسے سخت ترین اور دردناک ترین آلام و مصائب جھیلے ہیں جن کی نظیر کسی انسان کی زندگی میں نہیں ملتی' اسکے باوجود آپؐ لوگوں سے کشادہ روئی اور مسکراتے چہرے کے ساتھ ملتے۔ آنحضرتؐ نے اپنے آپ کو بعض لذتوں اور آسائشوں سے محروم رکھا تاکہ آپؐ کے اہل خانہ اور اعزہ و اقربا راحت و آرام پائیں۔ خود غرضی اور خود پسندی آپؐ کے قریب سے بھی نہ گزری تھی۔

لہٰذا میں سمجھتا ہوں کہ اسلام کی سربلندی اور تبلیغ و ترویج کے لئے کام کرنے والے افراد' خواہ وہ عالم ہوں یا طالب علم' یا مبلغ یا دینی کارکن' ان پر لازم ہے کہ وہ پیغمبر اسلامؐ کے نقش قدم پر چلیں اور لوگوں کے ساتھ میل جول کے دوران ایسا طرز عمل اپنائیں کہ دوسروں کے جذبات و احساسات مجروح نہ ہوں۔ ہمیشہ ان کے ساتھ احترام سے پیش آئیں۔ کہ خود آنحضرتؐ ہر ایک کے ساتھ محبت اور پیار سے پیش آتے تھے :

لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم بالمومنین رءوف رحیم (یقیناً تمہارے پاس وہ پیغمبر آیا ہے جو تم ہی میں سے ہے اور اسے تمہاری ہر مصیبت ناگوار گزرتی ہے۔ وہ تمہاری ہدایت کا انتہائی آرزومند ہے اور مومنین کے حال پر شفیق اور مہربان ہے۔ سورہ توبہ ۹۔ آیت ۱۲۸)۔

آنحضورؐ ان لوگوں کے بارے میں بھی ملول اور رنجیدہ رہا کرتے تھے' جو آپؐ کی دعوت کو مسترد کرتے تھے۔ آپؐ ان لوگوں سے سختی اور درشتی سے پیش نہ آتے تھے' ان سے بدسلوکی اور بداخلاقی کا برتاؤ نہیں کرتے تھے' بلکہ ان کے لئے رنجیدہ ہوتے تھے۔

اسی بنا پر ایک آیت نازل ہوئی جس میں آپؐ سے کہا گیا : فلا تذھب نفسک علیھم حسرات (تو آپ افسوس کی بنا پر ان کے پیچھے اپنی جان نہ گنوایئے۔ سورہ فاطر ۳۵۔ آیت ۸)

سب انسانوں سے محبت

میں نے رسول مقبولؐ سے انسان دوستی کا سبق بھی حاصل کیا ہے۔ لہٰذا مومنین سے محبت کرتا ہوں' ان کے لئے دست تعاون دراز کرتا ہوں۔ غیر مومنین سے بھی پیار و محبت سے پیش آتا ہوں تاکہ بہت سے مسائل ان کے درمیان رکھ سکوں۔ پوری زندگی' کسی انسان کے لئے دل میں کینہ نہیں رکھا۔ ہمیشہ تمام لوگوں سے' خواہ وہ میرے ہم فکر ہوں یا مخالف نکتہ نظر رکھنے والے' کھلے دل سے میل جول رکھا ہے۔

کوشش کرتا ہوں کہ اپنے آپ کو اسلامی اخلاق سے زیادہ سے زیادہ آراستہ کروں' جو داعیان دین میں وہ خصوصیت پیدا کر دیتا ہے جس کے ذریعے ان کی دعوت لوگوں کی عقول میں داخل ہونے سے پہلے' ان کے قلوب کو مسخر کر لیتی ہے۔

قدرتی طور پر میرے اندر بھی بہت سی خرابیاں موجود ہوں گی' لیکن ہمیشہ یہ سعی کرتا ہوں کہ اپنے آپ کو راہ راست پر رکھوں۔ لوگوں سے کھلے دل اور کشادہ روئی پر مبنی میل ملاپ کے ذریعے (جس سے مجھے بہت سی کامیابیاں حاصل ہوئی ہیں اور جن کی وجہ سے بکثرت انسانوں' حتیٰ غیر مسلموں کی محبت بھی میں نے پائی ہے) حاصل ہونے والے تجربات کی روشنی میں' میں اپنے تمام بھائیوں سے گزارش کرتا ہوں کہ وہ بھی ان تجربات سے استفادہ کریں۔

میرا عقیدہ ہے کہ ہر انسان کے اندر بکثرت اچھی اور پسندیدہ خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ ان کے باطن کی گہرائیوں اور ان کے قلوب کو اپنی توجہ کا مرکز بنائیں۔ ان کی شخصیت کے کسی منفی عنصر یا تاریک پہلو کو لے کے نہ بیٹھ جائیں۔ ہم پر لازم ہے کہ انسانوں کی شخصیت میں پائے جانے والے مثبت نکات اور خوبیوں کو مدنظر

رکھیں، ان کے منفی نکات اور خامیوں کو نہیں۔ ایسی صورت میں ہم بخوبی یہ بات محسوس کرنے لگیں گے کہ لوگ خدا اور دین سے دور نہیں بھاگتے۔

خداوند عالم بھی ہمیں تلقین کرتا ہے کہ ہم ایک دوسرے کو حق اور صبر کی نصیحت کریں۔ البتہ ہم میں سے بچھ لوگوں کے لئے حق پر ڈٹے رہنا قابل برداشت نہیں، جس طرح کہ مختلف چیلنجوں کے سامنے صبر کا حوصلہ نہیں رکھتے۔

آپ نے اپنے بچوں کی تربیت کس طرح کی ہے؟

☆ آپ نے اپنے بچوں اور بچیوں کی تربیت کے لئے کیا انداز اختیار کیا ہے؟

○ میں نے کوشش کی ہے کہ اپنے بچوں کا دوست بن کے رہوں، کبھی اپنے کسی بچے یا بچی پر اپنی کوئی بات ٹھونسنے کی کوشش نہیں کی۔ اگر کبھی ان سے کسی خطا کا ارتکاب دیکھتا ہوں تو ایسے موقع پر درشتی اور سختی سے پیش نہیں آتا، انہیں مارتا پیٹتا نہیں۔ بلکہ اشاروں کنایوں، خاص تعبیروں اور ایسے الفاظ میں انہیں تنبیہ کرتا ہوں جو ان کے جذبات کو مجروح نہ کریں۔

میں چاہتا ہوں کہ وہ اپنی زندگی جئیں، لیکن زندگی بسر کرنے کے لئے صحیح راستے کے چناؤ میں ان کی مدد کرتا ہوں۔ اسی طرح انہیں ان کے کاموں میں آزاد اور خود مختار رکھتا ہوں، ان کے معاملات میں دخل نہیں دیتا، تاکہ وہ خود اپنی غلطیوں سے سبق حاصل کریں۔ البتہ ان کے کاموں کے مثبت اور منفی نکات کی جانب ان کی توجہ مبذول کرانے سے دریغ نہیں کرتا۔

بھرپور کوشش کرتا ہوں کہ اس انداز سے ان کی تربیت کروں کہ ان میں انسانیت کا جوہر پھلے پھولے، نہ کہ ان پر مسلط رہوں۔

میں اپنے بچوں کے ساتھ دوستانہ میل جول رکھتا ہوں، ایک دوست کی مانند ان کے ساتھ رہتا ہوں اور اس مخلصانہ رشتے سے استفادہ کرتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میرے بچے بغیر کسی خوف اور ہچکچاہٹ کے اپنے مسائل مجھ سے بیان کرتے ہیں۔ میں کوشاں رہا

ہوں کہ میرے اور ان کے درمیان کوئی پردہ حائل نہ ہو۔ کیونکہ میرے خیال میں باپ کو اپنے بچوں کا قابل اعتماد رازدار ہونا چاہئے' تاکہ وہ مجبوراً دوسروں کے سامنے اپنے راز بیان نہ کریں۔ اور ان کے لئے ایسے حالات سازگار کرنے چاہئیں جن میں وہ اپنے باپ کو اپنا دوست اور مخلص سمجھیں۔

آپ کے بچپنے کی طرف پلٹتے ہیں

☆ کیا جناب عالی کے ذہن میں اپنے بچپنے کی کچھ یادگار باتیں ہیں جن کا ذکر ہمارے جوانوں کے لئے سودمند ثابت ہو؟

○ جب میں اپنے بچپنے اور عنفوان شباب کی طرف پلٹ کر دیکھتا ہوں' تو مجھے وہاں ایک ایسا بچہ نظر آتا ہے جو نجف اشرف کے گلی کوچوں' وہاں کی مساجد' حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے حرم مطہر اور علما کی محافل میں رفت و آمد رکھتا ہے۔ ایک ایسے گیارہ سالہ بچے کو دیکھتا ہوں' جو اپنے چند دوستوں (بالخصوص شہید سید مہدی الحکیمؒ) کے ہمراہ "ادب" نامی ایک مجلّے کے اجرا کا پروگرام بناتا ہے' یہ ایک خطی مجلّہ تھا جسے ہم اسکے ممبران کی تعداد کے مساوی تحریر کیا کرتے تھے۔ میں نے لکھنے کا آغاز اسی زمانے سے کیا۔ ہم اس مجلّے کے لئے نجف اشرف کی بعض بڑی بڑی شخصیات کی تحریریں بھی لیتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ جب میری عمر چودہ برس کی تھی تو پہلی مرتبہ میری کچھ نظمیں شائع ہوئیں۔

کیونکہ ہمارے بچپنے کے اس دور میں کھیل کود کے مواقع میسر نہ تھے' اس لئے کبھی کبھی اپنے اندر ایک خلا سے محسوس کرتے تھے۔ ہاں کبھی کبھار اپنے والد گرامی اور سربرآوردہ علما کے ساتھ نجف اشرف کے ایک علاقے "جدول" جاتے تھے۔ صحرا کے کنارے واقع اس علاقے سے دریائے فرات کی ایک شاخ گزرتی ہے۔ وہاں ہم باغوں میں کھیلتے کودتے تھے۔

نجف اشرف کی یادوں میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ ماہ مبارک رمضان میں مومنین کے اجتماع میں دعا پڑھنا میرا محبوب مشغلہ تھا۔ سخت ترین گرمیوں میں بھی حضرت

رکھیں' ان کے منفی نکات اور خامیوں کو نہیں۔ ایسی صورت میں ہم بخوبی یہ بات محسوس کرنے لگیں گے کہ لوگ خدا اور دین سے دور نہیں بھاگتے۔

خداوند عالم بھی ہمیں تلقین کرتا ہے کہ ہم ایک دوسرے کو حق اور صبر کی نصیحت کریں۔ البتہ ہم میں سے کچھ لوگوں کے لئے حق پر ڈٹے رہنا قابل برداشت نہیں' جس طرح کہ مختلف چیلنجوں کے سامنے صبر کا حوصلہ نہیں رکھتے۔

آپ نے اپنے بچوں کی تربیت کس طرح کی ہے؟

☆ آپ نے اپنے بچوں اور بچیوں کی تربیت کے لئے کیا انداز اختیار کیا ہے؟

○ میں نے کوشش کی ہے کہ اپنے بچوں کا دوست بن کے رہوں' کبھی اپنے کسی بچے یا بچی پر اپنی کوئی بات ٹھونسنے کی کوشش نہیں کی۔ اگر کبھی ان سے کسی خطا کا ارتکاب دیکھتا ہوں تو ایسے موقع پر درشتی اور سختی سے پیش نہیں آتا' انہیں مارتا پیٹتا نہیں۔ بلکہ اشاروں کنایوں' خاص تعبیروں اور ایسے الفاظ میں انہیں تنبیہ کرتا ہوں جو ان کے جذبات کو مجروح نہ کریں۔

میں چاہتا ہوں کہ وہ اپنی زندگی جئیں' لیکن زندگی بسر کرنے کے لئے صحیح راستے کے چناؤ میں ان کی مدد کرتا ہوں۔ اسی طرح انہیں ان کے کاموں میں آزاد اور خود مختار رکھتا ہوں' ان کے معاملات میں دخل نہیں دیتا' تاکہ وہ خود اپنی غلطیوں سے سبق حاصل کریں۔ البتہ ان کے کاموں کے مثبت اور منفی نکات کی جانب ان کی توجہ مبذول کرانے سے دریغ نہیں کرتا۔

بھرپور کوشش کرتا ہوں کہ اس انداز سے ان کی تربیت کروں کہ ان میں انسانیت کا جوہر پھلے پھولے' نہ کہ ان پر مسلط رہوں۔

میں اپنے بچوں کے ساتھ دوستانہ میل جول رکھتا ہوں' ایک دوست کی مانند ان کے ساتھ رہتا ہوں اور اس مخلصانہ رشتے سے استفادہ کرتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میرے بچے بغیر کسی خوف اور ہچکچاہٹ کے اپنے مسائل مجھ سے بیان کرتے ہیں۔ میں کوشاں رہا

ہوں کہ میرے اور ان کے درمیان کوئی پردہ حائل نہ ہو۔ کیونکہ میرے خیال میں باپ کو اپنے بچوں کا قابل اعتماد رازدار ہونا چاہئے' تاکہ وہ مجبوراً دوسروں کے سامنے اپنے راز بیان نہ کریں۔ اور ان کے لئے ایسے حالات سازگار کرنے چاہئیں جن میں وہ اپنے باپ کو اپنا دوست اور مخلص سمجھیں۔

آپ کے بچپنے کی طرف پلٹتے ہیں

☆ کیا جناب عالی کے ذہن میں اپنے بچپنے کی کچھ یادگار باتیں ہیں جن کا ذکر ہمارے جوانوں کے لئے سودمند ثابت ہو؟

○ جب میں اپنے بچپنے اور عنفوان شباب کی طرف پلٹ کر دیکھتا ہوں' تو مجھے وہاں ایک ایسا بچہ نظر آتا ہے جو نجف اشرف کے گلی کوچوں' وہاں کی مساجد' حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے حرم مطہر اور علما کی محافل میں رفت و آمد رکھتا ہے۔ ایک ایسے گیارہ سالہ بچے کو دیکھتا ہوں' جو اپنے چند دوستوں (بالخصوص شہید سید مہدی الحکیمؒ) کے ہمراہ "ادب" نامی ایک مجلّے کے اجرا کا پروگرام بناتا ہے' یہ ایک خطی مجلّہ تھا جسے ہم اسکے ممبران کی تعداد کے مساوی تحریر کیا کرتے تھے۔ میں نے لکھنے کا آغاز اسی زمانے سے کیا۔ ہم اس مجلّے کے لئے نجف اشرف کی بعض بڑی بڑی شخصیات کی تحریریں بھی لیتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ جب میری عمر چودہ برس کی تھی تو پہلی مرتبہ میری کچھ نظمیں شائع ہوئیں۔

کیونکہ ہمارے بچپنے کے اس دور میں کھیل کود کے مواقع میسر نہ تھے' اس لئے کبھی کبھی اپنے اندر ایک خلا سے محسوس کرتے تھے۔ ہاں کبھی کبھار اپنے والد گرامی اور سربرآوردہ علما کے ساتھ نجف اشرف کے ایک علاقے "جدول" جاتے تھے۔ صحرا کے کنارے واقع اس علاقے سے دریائے فرات کی ایک شاخ گزرتی ہے۔ وہاں ہم باغوں میں کھیلتے کودتے تھے۔

نجف اشرف کی یادوں میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ ماہ مبارک رمضان میں مومنین کے اجتماع میں دعا پڑھنا میرا محبوب مشغلہ تھا۔ سخت ترین گرمیوں میں بھی حضرت

علی ابن ابی طالبؑ کے حرم میں جاتا' وہاں بہت سے سن رسیدہ لوگ بھی میرے گرد آ کے بیٹھ جاتے اور میں ان کے سامنے دعاؤں کی قرآئت کرتا۔ حتیٰ کہ میرے گھر والوں کو خوف لاحق رہتا تھا کہ کہیں شدید گرمی اور روزہ میرے لئے نقصان دہ ثابت نہ ہو۔

مجھے زندگی کے ابتدائی ایام ہی سے لکھنے پڑھنے کا ماحول میسر رہا۔ گھر میں مجلّہ "الرسالۃ" مختلف لوگوں کی سوانح اور اخبارات و جرائد زیر مطالعہ رہتے تھے۔ اسی وقت سے نجف اشرف کے علمی و دینی مرکز میں کھلنے والے اولین ثقافتی مرکز "منتدی النشر" میں میری آمد و رفت تھی۔

میری تمام ہی یادوں کا تعلق علمی اور ثقافتی سرگرمیوں سے ہے۔ راتیں مذہبی مجالس میں بسر کرتا اور وہاں دینی طلاب کے مباحثوں میں شرکت کرتا۔ جس کے نتیجے میں ایسے جدید افکار و خیالات سے آشنائی ہوئی جن کے حصول کے لئے بہت زیادہ فکری صلاحیتوں اور زحمتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

☆ کیا آپ نے اکیڈمک تعلیم بھی حاصل کی ہے؟

○ میں نے صرف ایک برس اکیڈمک تعلیم حاصل کی ہے۔ تیسری جماعت میں "منتدی النشر" میں داخل ہوا اور چوتھی کلاس میں اسے چھوڑ دیا۔ میں نے اس زمانے کے دستور کے مطابق حوزوی تعلیم حاصل کی۔

ہمارے تجربات سے استفادے کی کوشش کیجئے

☆ آخری سوال یہ ہے کہ کیا آپ نسل نو سے تعلق رکھنے والے دینی کارکنوں سے کچھ کہنا پسند فرمائیں گے؟

○ میں اسلام کے خدمت گزار اپنے بھائیوں اور بیٹوں کی توجہ اس نکتے کی جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ ہم اس دور میں کھلے ذہن کے ساتھ اسلامی معارف اور حقائق کا مطالعہ کرتے تھے جب خود نجف اشرف میں بھی لوگوں کی ایک کثیر تعداد اپنے زمانے سے بہت پیچھے تھی۔

ہمارا تعلق ایک ایسی نسل سے ہے جس میں آیت اللہ شہید سید محمد باقر الصدرؒ اور بہت سے دوسرے علما شامل تھے۔ ہم انقلابی اور متحرک اسلام کی روشنی میں جدید طریقوں سے استفادے کے ساتھ ساتھ اسلامی فکر کے جوہر اور اصلیت کو محفوظ رکھتے ہوئے مسلمانوں کے تقاضوں اور ضروریات کے جواب دینے کی کوشش کرتے تھے۔

ہمارا تجربہ' جس کے دوران ہم نے خون کی نہریں بہتی دیکھیں اور طرح طرح کے زخم کھائے' صعوبتوں کا سامنا کیا' گہرے زخموں سے بھرپور تجربہ ہونے کے باوجود ایک رہنما اور سود مند تجربہ ہے' جو مسلمانوں کی مشکلات اور مصائب کے حل کی راہیں دریافت کر سکتا ہے۔ ہم اس بات کا دعویٰ نہیں کرتے کہ ہم ہی نے اس تجربے کی بنیاد رکھی ہے لیکن اس کی سرگرمیوں اور فعالیتوں میں ہمارا بڑا حصہ ہے۔ ہمارا یہ تجربہ اس حقیقت کو نمایاں کرتا ہے کہ اگر انسان روشن مستقبل پر نظر رکھے' خدا پر بھروسے اور اسلام پر ایمان کا حامل ہو' اپنی تمام قوتوں کو کام میں لائے اور تمام موجود امکانات اور وسائل سے استفادہ کرے تو خواہ دیر ہی سے سہی لیکن بہرصورت اپنی منزل پا لیتا ہے۔

ہم اپنے بعد آنے والی نسلوں سے کہنا چاہیں گے کہ ہمارا دور اگرچہ بہت سی خوبیوں سے مالامال تھا' لیکن آپ کی کوشش یہ ہونی چاہئے کہ ہمارے قوی اور ضعیف دونوں نکات کا جائزہ لیجئے۔ ہماری ذات کا مطالعہ نہ کیجئے بلکہ ہمارے تجربات اور سرگرمیوں کا مطالعہ کیجئے' ہماری فکر کی چھان پھٹک کیجئے۔ ممکن ہے اس میں آپ کو ایسے افکار بھی ملیں جن کی نشوونما ہم نے اپنے دور میں کی لیکن آپ اپنے دور میں انہیں اہم نہ سمجھیں۔ کیونکہ وہ آپ کو آج طبیعی نظر آ رہے ہوں' اس لئے کہ آپ ایک ایسے اسلامی ماحول میں زندگی بسر کر رہے ہیں جس میں یہ افکار عام ہو چکے ہیں اور آپ کی مثال ایک ایسے انسان کی سی ہے جو دوسروں کے لگائے ہوئے درختوں کا پھل کھاتا ہے۔

تاہم یہ بات ذہن نشین رکھئے کہ وہی فکر جو آج آپ کو عام اور معمولی نظر آ رہی ہے' اسے ماضی میں معاشرے کی طرف سے بکثرت رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

اسلام آپ کی گردنوں پر ایک امانت ہے

میں تمام احباب سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اسلام آپ کی گردنوں پر ایک امانت ہے۔ اس امانت کی حفاظت آپ پر فرض ہے۔ ہمیں کسی بھی مرحلے پر جمود اور ٹھہراؤ کا شکار نہیں ہونا چاہئے۔ اپنے پچھلے قائدین کی تعظیم و احترام ضرور کریں، لیکن ان ہی میں اٹک کر نہ رہ جائیں۔ کیونکہ کوئی رہبر و قائد کتنا ہی عظیم ہو لیکن اپنے مرحلے اور اپنے تجربات کا عکاس ہوتا ہے۔ جبکہ زندگی مراحل پر مراحل طے کرتی اور نو بہ نو تجربات کا سامنا کرتی ہے اور ماضی کے تجربات آپ کو نئے تجربات سے بے نیاز نہیں کردیتے۔

میرے خیال میں موجودہ نسل جس کا مقابلہ عالمی کفر سے ہے، اسے رنج و الم، مشکلات و مصائب جھیلنے ہیں۔ ہمیں اس نسل پر فخر ہے اور ہم ان سے چاہتے ہیں کہ کم سے کم غلطیوں کے مرتکب ہوں اور اپنی آگہی اور حرکت کے خلاف دشمن کی سازشوں اور منصوبوں سے ہوشیار رہیں۔ لہٰذا آپ کو چاہئے کہ خدا پر بھروسہ کریں، تاکہ کسی کا خوف آپ کو لاحق نہ ہو۔ اور اللہ رب العزت سے انس و محبت رکھیں تاکہ کسی کی وحشت آپ پر طاری نہ ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معنوی تعلق برقرار کریں، اور اخلاق، قوت اور تمام انسانوں اور پوری کائنات سے تعلق میں انہی کو نمونہ عمل قرار دیں۔

ہم نسل رسالت ہیں، ہمیں اسلام کے لئے ہر مرحلے کے متناسب اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کو بروئے کار لانا چاہئے، اسلام کو تمام نسلوں کی طاقتوں اور صلاحیتوں کی ضرورت ہے: وقل اعملوا فسیری اللہ عملکم ورسولہ والمومنون (اور پیغمبر کہہ دیجئے کہ تم لوگ عمل کرتے رہو کہ تمہارے عمل کو اللہ، رسول اور صاحبان ایمان سب دیکھ رہے ہیں۔ سورہ توبہ ۹۔ آیت ۱۰۵)

آیت اللہ سید محمد حسین فضل اللہ دام ظلہ سے جوانوں کے چند منتخب استفتاءات

حضرت آیت اللہ سید محمد حسین فضل اللہ دامت افاضاتہ
السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ'

مہربانی فرما کے مندرجہ ذیل سوالات کے جواب عنایت فرمائیں۔

سوال : کیا تعلیم یا پیشے کے انتخاب میں والدین کی اطاعت واجب ہے؟

جواب : نہیں' واجب نہیں ہے۔ اولاد سے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا مطالبہ کیا گیا ہے' ان کی اطاعت کا نہیں۔

سوال : کیا شریک حیات (شوہر یا بیوی) کے انتخاب میں والدین کی اطاعت واجب ہے؟

جواب : نہیں' واجب نہیں ہے۔ لیکن ان سے مشورہ کرنا مستحب ہے خاص طور پر جبکہ مشورہ نہ کرنے سے انہیں اذیت پہنچے۔

سوال : حد سے زیادہ اور مشقت آور مہر کا کیا حکم ہے؟ ایسا بھاری بھرکم مہر جو شادی کے موقع پر جوان کے کاندھوں پر بھاری بوجھ بن جائے۔

جواب : اسلام میں مہر کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ بلکہ شوہر اور بیوی کی رضامندی سے وابستہ ہے۔ زوجین جس مبلغ پر بھی راضی ہو جائیں' گھر والوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ دونوں یعنی زوجین کا راضی ہونا ضروری ہے۔ گھر والوں کا راضی ہونا شرط نہیں ہے۔

سوال : بعض سادات اپنی لڑکیوں کی شادی فقط سید لڑکے سے کرتے ہیں۔ اس بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

جواب : اسلام میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے اور اہل بیت علیہم السلام کی سیرت سے بھی کوئی ایسی بات ثابت نہیں ہوتی بلکہ انکی سیرت اسکے برخلاف ہے۔ اسلام میں شادی کے مسئلے میں ذات پات کا کوئی تصور نہیں۔

سوال : کیا شادی کا ارادہ رکھنے والے لڑکے کے لئے اپنی شریک حیات کے حسین وجمیل ہونے کی شرط لگانا بری بات نہیں ہے؟

جواب : لڑکے کو حق ہے کہ وہ اپنی ہونے والی بیوی کے دیندار ہونے کے ساتھ ساتھ اسکے حسین وجمیل ہونے کی شرط بھی لگا سکتا ہے اور یہ کوئی بری بات نہیں۔

سوال : بڑی عمر کے مرد کا چھوٹی عمر کی لڑکی سے شادی کرنا کیسا ہے' یا دونوں کی عمر میں کتنا فاصلہ ہونا چاہئے؟ اس بارے میں اسلام کی کیا رائے ہے؟

جواب : اسلام مرد و زن کے لئے شادی کی کسی خاص معین عمر کا قائل نہیں ہے۔ اس مسئلے میں دونوں کی نفسیاتی اور عملی خصوصیات کا خیال رکھنا چاہئے۔

سوال : شادی بیاہ کے مسئلے میں بعض خاندانی' علاقائی اور قومی رسوم و رواج دخل انداز ہو جاتی ہیں۔ کیا ایسی چیزوں پر توجہ دی جانی چاہئے جبکہ یہ رسومات شوہر اور بیوی کے لئے مشکلات پیدا کرتی ہیں؟

جواب : شریعت اسلام میں نہ صرف شوہر اور بیوی کی فقط انسانی قدر و قیمت کو معتبر قرار دیا گیا ہے بلکہ اس قسم کی رسوم سے اجمالی طور پر منع بھی کیا گیا ہے۔ لہذا زوجین کو چاہئے کہ ان امور کا گہری نظر سے جائزہ لیں تاکہ داخلی اور خارجی طور پر ایک خوشگوار

زندگی قائم کر سکیں۔

سوال : جوان لڑکے اور جوان لڑکی میں شادی کے لئے کن شرائط کا ہونا ضروری ہے؟

جواب : حدیث شریف میں آیا ہے : اگر کوئی تمہاری لڑکی کا رشتہ لے کر آئے اور تم اسکے اخلاق اور دینداری کی طرف سے مطمئن ہو تو اس سے رشتہ کر لو۔ اگر ایسا نہیں کرو گے تو زمین پر بڑا بگاڑ پھیل جائے گا۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے : کسی نے نبی کریمؐ سے عرض کیا : میں کس سے شادی کروں؟ آنحضرتؐ نے فرمایا : دیندار شخص سے۔ یاد رہے کہ یہ خصوصیات ان عقلی اور جسمانی خصوصیات کے علاوہ ہیں' جو ہر ایک اپنے شریک حیات میں دیکھنا چاہتا ہے۔

سوال : وسائل و امکانات کی محدودیت اور مالی تنگی کو مد نظر رکھتے ہوئے خاندانی منصوبہ بندی کی کیا حیثیت ہے؟

جواب : شرعی طریقوں کے ذریعے جائز ہے لیکن مومن کو رزق کے مسئلے میں خدا پر اعتماد کرنا چاہئے اور مطلقاً مادی حساب کتاب میں غرق ہو کے نہیں رہ جانا چاہئے۔

سوال : کیا بے پردہ لڑکی سے اس امید پر شادی کرنا جائز ہے کہ آئندہ اس کی اصلاح ہو جائے گی؟

جواب : اصولی طور پر جائز ہے لیکن متعدد مواقع پر تجربے نے یہ بات ثابت کی ہے کہ وہ خواتین جو شادی سے پہلے پردہ نہیں کرتیں' اکثر شادی کے بعد بھی پردے کی پابند نہیں ہوتیں۔ اس لئے کہ شادی کے بعد شوہر پر ان کا دباؤ بڑھ جاتا ہے۔ البتہ تمام خواتین ایک جیسی نہیں ہوتیں لہٰذا کسی خاص لڑکی کے بارے میں مختلف پہلوؤں بالخصوص اسکی وفاداری اور وعدوں کی پابندی وغیرہ کا جائزہ لینے کے بعد فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

سوال : متعہ کی شرعی شرائط کیا ہیں' اس لئے کہ کبھی کبھی اس سے غلط فائدہ بھی اٹھایا جا سکتا ہے؟

جواب : شرعی شرائط کے علاوہ ہر معاشرے میں اس کے مثبت اور منفی اثرات کو ملحوظ رکھ کر فیصلہ کیا جانا چاہئے۔

سوال : مغربی ممالک میں جا کر آباد ہونے کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

جواب : اگر مومن کے ذلیل ہونے' اسکے دین میں کمزوری آجانے یا اس کے بچوں کے گمراہ ہو جانے کا خطرہ ہو تو وہاں سکونت اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔

سوال : کیا والد یا والدہ کا اپنے بچوں کے بعض رازوں کے کھوج میں ہونا جائز ہے؟ جیسے ان کے خطوط کھولنا' ان کی درازوں کی تلاشی لینا یا اسی طرح کی دوسری چیزیں؟

جواب : جائز نہیں ہے۔

سوال : "عاقِ والدین" کے کیا معنی ہیں؟

جواب : اپنی سخت کلامی یا درشت مزاجی سے والدین کو اذیت دینا اور انہیں نقصان پہنچانا مراد ہے۔

سوال : استمنا' مشت زنی (Hand Practice) کا کیا حکم ہے؟

جواب : اگر منی خارج ہونے کا سبب بنے تو مرد اور عورت دونوں کے لئے حرام ہے ورنہ حرام نہیں ہے لیکن اس عادت کے برے نتائج کی وجہ سے اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

سوال : موسیقی سننے کی شرعی حدود کیا ہیں؟

جواب : رقص و سرور اور فسق و فجور کی محافل سے مناسبت نہ رکھتی ہو۔

سوال : لڑکی یا عورت کے لئے پردے کی کیا حدود ہیں اور لڑکوں اور مردوں کے لئے لباس کی کیا خصوصیات ہونی چاہئیں؟

جواب : عورت کے شرعی پردے کی حدود یہ ہیں کہ بدن کے اس حصے کو چھپائے جس کا ظاہر کرنا حرام ہے اور ایسا لباس نہ ہو جس سے اسکی زینت ظاہر ہو۔ مردوں کے لباس کے لئے شرط یہ ہے کہ شرمگاہ کو چھپائے اور تحریک انگیز نہ ہو۔

سوال : ہر قسم کے آلات قمار سے کھیلنے کا حکم کیا ہے؟

جواب : بغیر مادی لین دین کے جائز ہے۔

سوال : کتب ضلال کسے کہتے ہیں اور انکا کیا حکم ہے؟ آیا ایسی کتابیں جن میں آج کل

اسلام پر تنقید کی جاتی ہے کتبِ ضلال ہیں؟

جواب : کتبِ ضلال سے مراد گمراہ کن مفاہیم پر مشتمل کتب ہیں۔ ان کا اپنے پاس رکھنا حرام نہیں ہے مگر یہ کہ انکے پڑھنے سے گمراہ ہونے کا خطرہ ہو تو رکھنا بھی حرام ہے۔

سوال : جوان لڑکوں کے سونے یا دوسری دھاتوں کے ہار یا کڑے پہننے کا کیا حکم ہے؟

جواب : مردوں کے لئے سونا پہننا اسی طرح حرام ہے جس طرح ان کا عورت کی شباہت اختیار کرنا حرام ہے۔ مگر یہ کہ ہار اور کڑے مرد و زن دونوں کے لئے مشترک پہناوا بن جائیں۔ ہاں اگر کسی اور دھات سے بنے ہوں اور حرام شباہت کا سبب بھی نہ بنیں تو جائز ہے۔

سوال : کیا ایسی تنگ پتلون پہننا جائز ہے جس سے شرمگاہ ظاہر ہوتی ہو؟

جواب : اگر مراد یہ ہے کہ پتلون تنگ اور چست ہونے کی وجہ سے شرمگاہ کو مجسم ظاہر کرتی ہے تو جائز نہیں ہے کیونکہ یہ شہوت کو ابھارنے کا باعث ہے۔

سوال : اسکول میں بچوں کو کن حدود میں مارنا جائز ہے؟

جواب : بچے کے سرپرست کی اجازت سے اس وقت مارنا جائز ہے جب ادب سکھانے کے لئے یہی واحد طریقہ رہ جائے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ نہ خون نکلے اور نہ ہی ہڈی ٹوٹے۔

سوال : والدین اپنی اولاد کو کس حد تک مار سکتے ہیں؟

جواب : اولاد کے بارے میں حکم، شاگردوں کے حکم جیسا ہے۔

سوال : کیا حقوق شرعیہ کو طلبا اور نوجوانوں کی مذہبی سرگرمیوں پر خرچ کیا جا سکتا ہے؟

جواب : حاکم شرع کی اجازت سے خرچ کیا جا سکتا ہے۔

سوال : کیا اموال شرعی میں یونیورسٹی اور دینی مدارس کے طلبا کے درمیان مساوات قائم کی جا سکتی ہے۔ یعنی جس طرح دینی مدارس کے طلبا پر اموالِ شرعی خرچ کی جاتی ہیں کیا یونیورسٹی کے طلبا پر بھی یہ اموال خرچ کی جا سکتی ہیں؟

جواب : اگر یونیورسٹی کے طلبا، مومن اور دیندار ہوں اور انکی تعلیم میں اسلام کی

مصلحت ہو تو جائز ہے۔

سوال : کیا زکات اور فطرے کو طلبا کی دینی سرگرمیوں پر خرچ کیا جا سکتا ہے؟

جواب : جائز ہے لیکن احوط یہ کہ فقیر اور نادار طلبا پر خرچ کیا جائے۔

سوال : کیا دینی قصیدوں کے اشعار کو موسیقی کے ساتھ سننا جائز ہے؟

جواب : جائز ہے۔

سوال : دینی جماعتوں میں شمولیت اختیار کرنے کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟

جواب : اگر ان کی اہداف و مقاصد اور قیادت، صحیح اسلامی فکر سے مطابقت رکھتی ہو تو جائز ہے۔

سوال : برے دوست کی (مستقبل ہی میں سہی) اصلاح کی نیت سے اس کے ساتھ میل جول رکھنا کیسا ہے؟

جواب : اگر خود بگڑنے کا خطرہ نہ ہو تو جائز ہے۔

سوال : کیا لڑکیوں (لڑکی) کے لئے ایسے ماحول میں کام کرنا جائز ہے جہاں صرف مرد کام کرتے ہوں۔

جواب : اصولی طور پر جائز ہے بشرطیکہ اسکے اخلاق پر منفی اثرات مرتب نہ ہوں اور اسکی شہرت اور نیک نامی کے لئے ضرر رساں نہ ہو۔

سوال : آپ کی نظر میں اہل کتاب پاک ہیں اس کی روشنی میں ان کے مرطوب برتنوں کو استعمال کرنا کیسا ہے؟

جواب : جائز ہے۔

سوال : کیا زانیہ سے متعہ جائز ہے؟

جواب : اگر وہ زنا کے لئے مشہور ہو تو احوط ترک کرنا ہے۔

سوال : مغربی ممالک سے درآمد شدہ چمڑے کی مصنوعات جن میں سے بعض ضروری ہوتی ہیں، جن جانوروں سے یہ حاصل کی جاتی ہیں ان کے شرعی طریقے سے ذبح نہ ہونے کے علم کے باوجود انہیں استعمال کرنا جائز ہے؟

جواب : ایسے کام میں استعمال کرنا جائز ہے جس میں طہارت شرط نہیں ہوتی۔ ہاں اگر (ان جانوروں کے جن سے یہ حاصل کی گئی ہیں کے) شرعی طور پر ذبح ہونے میں شک ہو تو ان امور میں بھی استعمال جائز ہے جن میں طہارت شرط ہے۔

سوال : کیا شک کی صورت میں مسلمانوں کے بازار میں بکنے والے گوشت کے بارے میں یہ سوال کرنا کہ یہ گوشت شرعی طریقے سے ذبح کئے گئے حیوان کا ہے یا نہیں' صحیح ہے؟

جواب : اگر مسلمانوں کے بازار سے یا مسلمان سے لیا جائے تو ذبح شرعی کا حکم لگایا جائے گا مگر یہ کہ معلوم ہو کہ پہلے کافر کے ہاتھ میں تھا اور (مسلمان کے لئے) حیوان کے شرعی طور پر ذبح ہونے سے مطلع ہونا ممکن نہ ہو

سوال : کیا مشین کے ذریعے ذبح ہونے والے حیوان کا گوشت کھانا جائز ہے جسے بسم اللہ پڑھ کر ذبح کیا گیا ہو؟

جواب : ذبح شرعی کی تمام شرائط حاصل ہونے کی صورت میں جائز ہے۔

سوال : کیا اہل سنت امام جماعت کی اقتدا میں وحدت مسلمین کی خاطر نماز جماعت صحیح ہے اور کیا اسکے دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے؟

جواب : نماز کی تمام معتبر شرعی شرائط کے ساتھ جائز ہے اور اس پر ثواب دیا جائے گا۔

سوال : کیا سب و شتم اور ناسزا کہنے سے ہٹ کر خلفائے راشدین اور صحابہ کے موقف اور کردار پر نقد و بحث کی جا سکتی ہے؟

جواب : تنقید اور تبصرے کے قابل ہر موضوع میں تنقیدی بحث کی جا سکتی ہے۔ البتہ انسان کو چاہئے کہ ایسی باتوں سے پرہیز کرے جو مذہبی احساسات کو ٹھیس پہنچاتی ہوں یا وحدت مسلمین کو ضرر پہنچائیں۔

سوال : آپ کی نظر میں موجودہ مراجع میں سے کون دوسروں سے اعلم ہے؟

جواب : میرے نزدیک "اعلمیت" ثابت نہیں ہے۔

سوال : مغربی ممالک میں ڈاک ' ٹیلی فون اور بازار وغیرہ میں چوری کرنا یا غلط فائدہ اٹھانا کیسا ہے؟ اس بہانے سے کہ کافر کا مال مسلمان کے لئے جائز ہے؟

جواب : جائز نہیں ' باایمان مسلمان کو ہر حال میں لوگوں (خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم) کے اموال کا امین ہونا چاہئے۔ علاوہ ازایں جس ملک میں ہجرت اختیار کر کے گیا ہے وہاں کے قوانین کا احترام اس پر فرض ہے اور وہاں کے قوانین کی پابندی اور پاسداری کا جو معاہدہ اس نے کیا ہے اسکا ہمیشہ پابند رہے۔ کیونکہ اسکا یہ معاہدہ اس تاکیدی عہد کی مانند ہے جسے ان نے وہاں کی حکومت کے ساتھ کیا ہے اور جس کی بنیاد پر اس نے اقامت کی اجازت حاصل کی ہے۔

سوال : اگر لڑکا یا لڑکی مغربی ممالک میں جا کر بسنا چاہے اور والدین اسے منع کریں تو کیا والدین کی رائے کی مخالفت کی جاسکتی ہے؟

جواب : اگر والدین اسکی زندگی یا دین کے بارے میں خوفزدہ ہوں تو انکی رائے پر عمل کرنا واجب ہے۔

سوال : اگر کسی کے پاس توضیح المسائل نہ ہو اور عالم سے بھی سوال نہ کر سکتا ہو اور کوئی ایسا آدمی بھی میسر نہ ہو جس سے مسئلے کا شرعی حکم معلوم کر سکے اور مسئلہ بھی ایسا ہو جس میں تاخیر نہ کی جاسکتی ہو تو اس صورت میں کیا کرنا چاہئے؟

جواب : ایسے خاص مواقع پر احتیاط کے مطابق عمل کرنا چاہئے۔

سوال : داڑھی مونڈنے کا کیا حکم ہے؟

جواب : داڑھی مومنین کے شعائر میں سے ہے لہذا مومن کے لئے مناسب نہیں ہے کہ اسے منڈوائے مگر یہ کہ کسی قسم کا حرج یا ضرر پیش آئے۔ اور ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ ہماری نظر میں داڑھی مونڈنے کا حرام ہونا ثابت نہیں ہے۔

سوال : کیا بانسری سننا جائز ہے؟

جواب : اگر غم انگیز موسیقی بجائی جائے تو حرام نہیں ہے۔

سوال : کیا غم انگیز گانوں یا ایسے گانوں کا سننا جائز ہے جو شہوت کو نہ ابھارتے ہوں؟

جواب : اگر گانے کے اشعار باطل اور ایسے کلمات پر مشتمل نہ ہوں جن سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے تو سننا جائز ہے۔

۲۹ جمادی الاول ۱۴۱۵ھ
محمد حسین فضل اللہ

آیت اللہ فضل اللہ سے استفتاء کے لئے درج ذیل ایڈریس پر رابطہ کیا جا سکتا ہے۔

Http://www.bayynat.org.lb

Email:bayynat@bayynat.org.lb.

حضرت آیت اللہ سید محمد حسین فضل اللہ حسنی دام ظلہ

حیات اور خدمات کی ایک جھلک

فقیہ، مجتہد، ادیب، شاعر اور مجاہد آیت اللہ العظمیٰ سید محمد حسین فضل اللہ ۹ شعبان المعظم ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۹۳۶ء کو شہرِ علم و عرفاں نجف اشرف کے ایک لبنانی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ نجف اشرف میں اپنی طویل اقامت کے دوران آپ نے اپنے والدِ گرامی آیت اللہ العظمیٰ سید عبدالرؤف فضل اللہؒ سمیت آیت اللہ محمود شاھرودی، آیت اللہ شیخ حسین حلی، ملا صدر البازوری، آیت اللہ العظمیٰ سید محسن الحکیمؒ اور آیت اللہ العظمیٰ سید ابوالقاسم خوئیؒ سے کسبِ فیض کیا۔

آپ نے نجف اشرف میں فکری تربیت اور ترقی یافتہ اندازِ تبلیغ کے سلسلے میں پائے جانے والے خلاء اور کمی کو محسوس کرتے ہوئے تعلیمی و تربیتی سرگرمیوں کو اپنی توجہ کا مرکز قرار دیا۔ اس سلسلے میں آپ نے ۱۳۸۰ھ میں آیت اللہ العظمیٰ شہید سید محمد باقر الصدرؒ اور آیت اللہ شیخ محمد مہدی شمس الدین کی ہمراہی میں "جماعۃ العلماء" کی طرف سے ایک مجلہ "الاضواء" کا آغاز کیا۔ اس مجلّے کی اشاعت کے پہلے سال اس کا اداریہ "رسالتنا" کے عنوان سے شہید سید محمد باقر الصدرؒ تحریر فرمایا کرتے تھے، پھر دوسرے سال سے مسلسل چھ سال تک "کلمتنا" کے عنوان سے اداریہ آیت اللہ

فضل اللہ تحریر کرتے رہے۔ آپ کے تحریر کئے ہوئے یہ تمام اداریے بعد میں ایک مستقل کتاب "قضایانا علی ضوء الاسلام" کے نام سے شائع ہوئے۔

آیت اللہ فضل اللہ اور آیت اللہ شہید سید محمد باقر الصدرؒ کی رفاقت' ہمراہی اور ہمکاری علمی اور تعلیمی و تربیتی میدانوں کے ساتھ ساتھ سیاسی معاملات اور انقلابی تنظیموں کی تشکیل جیسے امور میں بھی جاری رہی۔ خاص طور پر "حرکتِ اسلامی عراق" کی تشکیل میں آپ نے فعال کردار ادا کیا جس نے بعد میں "حزب الدعوۃ الاسلامیۃ" کا نام اختیار کیا۔ اس وقت تک عراق کے انقلابی شیعہ باقاعدہ منظم نہ ہوئے تھے اور ان کی کوئی جانی پہچانی سیاسی تنظیم نہیں تھی۔

۱۹۶۶ء میں آیت اللہ فضل اللہ شیعیانِ لبنان کی ایک کثیر تعداد کے اصرار اور اپنے والدِ گرامی کے حکم پر (جو خود شیعیانِ لبنان کے مرجع تھے) مستقل قیام کی نیت سے لبنان تشریف لے گئے۔ اس وقت سے اب تک آپ لبنان میں قرآنی تعلیمات کی بنیادوں پر کئی جواں نسلوں کی تربیت کر چکے ہیں۔ سیاسی' دینی اور تعلیمی و تربیتی میدانوں میں آپ کی سرگرمیوں کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ اس کا احاطہ اور مکمل بیان ایک مستقل کتاب ہی میں ممکن ہے۔ یہاں ہم اسی قدر کہنے پر اکتفا کریں گے کہ آیت اللہ فضل اللہ ہمارے زمانے کے ایک انتہائی مستعد اور فعال ترین عالم ہیں' جو چار عشروں سے زیادہ مدت سے معاصر نسلوں کی ہدایت و رہنمائی کا فریضہ ادا کر رہے ہیں اور اس راستے پر بغیر کسی سستی کے مسلسل گامزن ہیں۔

آیت اللہ فضل اللہ دنیائے علم و دانش کی منتخب روزگار شخصیات میں ایک خاص اور نمایاں مقام رکھنے کے باوجود عام لوگوں کی اصلاح و تہذیب اور ان کی ہدایت و رہنمائی کی طرف سے کبھی غافل نہیں رہے اور آپ نے لوگوں میں مذہب و دیانت اور اسلامی اخلاق کی ترویج کے عمل سے کبھی بے اعتنائی نہیں برتی۔

یہ نکتہ قابلِ توجہ ہے کہ آیت اللہ فضل اللہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اسلام کو ایک فکر کی صورت میں انسانوں کی عقل و ذہن میں داخل کرنا چاہئے اور اس کے ساتھ

ساتھ اسے احساس، جذبات اور عشق کی صورت میں انسانی قلب میں جاگزیں کرنا چاہئے اور اسلام کو انسانی فکر و شعور اور جذبات و احساسات کا حصہ بنا کر ہی لوگوں کی شخصیت اور کردار و عمل میں رچایا بسایا جا سکتا ہے۔

مذکورہ نکتے کو سامنے رکھتے ہوئے تربیت و تہذیب اور اصلاح و نصیحت کے لئے آیت اللہ فضل اللہ نے جو متنوع دستور العمل (Programme) اپنایا وہ اس قابل ہے کہ اس کا بغور جائزہ لیا جائے اور کلمہء اسلام کی سربلندی اور اسلامی تہذیب کے نفاذ اور بشر ساختہ تہذیبوں پر اس کے غلبے کے لئے کوشاں افراد اور ادارے اس پروگرام سے استفادہ کریں۔ اس پروگرام کے اہم اجزا درج ذیل ہیں۔

☆ تفسیرِ قرآن کے ہفتہ وار جلسے، ان جلسوں کے بعد سوال و جواب کی باقاعدہ نشست کا انعقاد ہوتا ہے جس کے دوران اجتماع کے شرکا آیت اللہ فضل اللہ کی خدمت میں اپنے سوالات اور اعتراضات پیش کر کے ان کے جواب حاصل کرتے ہیں۔

☆ ہر شب جمعہ خطاب اور دعائے کمیل کی تلاوت، جس میں خواتین و حضرات کی ایک کثیر تعداد شریک ہوتی ہے۔

☆ نماز جمعہ کی اقتدا جس میں تیس ہزار سے زائد افراد شرکت کرتے ہیں۔

☆ خواتین کے لئے گاہ بگاہ مخصوص فکری اور علمی مجالس مذاکرہ کا انعقاد، جن کے دوران بعض صاحب نظر لبنانی خواتین، خواتین کی معاشرتی، گھریلو، اور دوسری مشکلات اور اسلام میں خواتین کے حقوق کے حوالے سے اپنے اعتراضات اور سوالات اٹھاتی ہیں اور آیت اللہ فضل اللہ ان سوالات اور اعتراضات کے قرآن و سنت کی روشنی میں جواب دیتے ہیں اور ان کی مشکلات کے حل کی جانب ان کی رہنمائی کرتے ہیں۔

☆ آپ کا اہم ترین اقدام نونہالوں کی تعلیم و تربیت کے لئے اسکولوں کا قیام ہے، جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

- آپ کے زیر سرپرستی نو (پرائمری، سیکنڈری اور ٹیکنیکل) تعلیمی ادارے کام کر رہے ہیں جن میں تقریباً ۱۴ ہزار طلبا زیور علم سے آراستہ ہو رہے ہیں۔

- ان تعلیمی اداروں میں سے کچھ صرف لڑکیوں کے لئے مخصوص ہیں جن میں سے ایک آموزش گاہ حضرت خدیجہ کبریٰ ہے' جس میں تقریباً دو ہزار طالبات زیر تعلیم ہیں۔ ان طالبات کی ایک بڑی تعداد شہدا کی بچیوں اور یتیم لڑکیوں پر مشتمل ہے جن کی اقامت کا انتظام اس مدرسے کی جدید ترین سہولتوں سے آراستہ عمارت ہی میں کیا گیا ہے۔

- یتیم بچوں کی تعلیم و تربیت اور نگہداشت کے لئے چھ مراکز قائم ہیں۔ جن میں تین ہزار سے زائد یتیم بچے اور بچیاں مقیم ہیں۔ ان مراکز میں دوسرے مدارس کی مانند پرائمری سے قبل کی تعلیم بچوں اور بچیوں کو ایک ساتھ دی جاتی ہے اور اس کے بعد پرائمری سے لڑکوں اور لڑکیوں کی کلاسیں علیحدہ علیحدہ کردی جاتی ہیں۔

☆ بیروت میں ایک عظیم الشان اسلامی مرکز کا قیام جو مسجد امامین الحسنین "حضرت فاطمہ زہرا" کے نام سے منسوب ایک بڑے آڈیٹوریم اور تحقیقاتی مرکز پر مشتمل ہے۔

☆ لبنان میں مختلف علاقوں میں ثقافتی مراکز کا قیام۔ مثلاً بقاع میں ثقافتی مرکز امام حسن عسکری" اور مسجد اہل بیت" ' جبل عامل میں ثقافتی مرکز امام علی" ' جلالا میں ثقافتی مرکز امام حسین" ' طرابلس میں ثقافتی مرکز اہل بیت" اور ہرمل میں مسجد امام جعفر صادق"۔

آیت اللہ فضل اللہ احیائے اسلام کے لئے سرگرم عمل اسلامی تحریکوں کے فکری قائدین میں سے ہیں اور مشرق وسطیٰ میں ایران کے اسلامی انقلاب کے زبردست حامی اور مدافع کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ صیہونی ایجنٹ اب تک تین مرتبہ آپ پر قاتلانہ حملے کرچکے ہیں' دو مرتبہ یہ حملے مکمل طور پر ناکام رہے جبکہ ایک حملے میں گولی آپ کے پاؤں پر لگی جس کا اثر اب بھی ظاہر ہے اور اس طرح آپ بھی عالمی اسلامی انقلاب کے جانبازوں کی صف میں شامل ہیں۔

آیت اللہ فضل اللہ کی تالیفات کی ایک کثیر تعداد منظر عام پر آچکی ہے جن میں سے چند معروف اور اہم یہ ہیں :

الف : قرآن کریم سے متعلق

۱ - اسلوب الدعوة فی القرآن
۲ - الحوار فی القرآن
۳ - من وحی القرآن (۲۵ مجلدات)
۴ - من عرفان القرآن
۵ - حرکة النبوة فی مواجهة الانحراف
۶ - دراسات وبحوث قرآنیة

ب : فقہ سے متعلق

۱ - المسائل الفقهیة (مجلدان)
۲ - الفتاوی الواضحة
۳ - فقه الحیاة
۴ - کتاب الجهاد
۵ - کتاب النکاح
۶ - القرعة والاستخارة
۷ - الیمین والعهد والنذر
۸ - الاجارة
۹ - رسالة فی الرضاع
۱۰ - فقه الشریعة
۱۱ - الصید والذباحة
۱۲ - دلیل المناسک
۱۳ - مناسک الحج
۱۴ - الشرکة

ج : فکر اسلامی سے متعلق

۱ - خطوات علی طریق الاسلام
۲ - قضایانا علی ضوء الاسلام
۳ - الاسلام ومنطق القوة
۴ - الحرکة الاسلامیة هموم وقضایا
۵ - من اجل الاسلام
۶ - مفاهیم اسلامیة عامة (۱۰ اجزاء)
۷ - فی آفاق الحوار الاسلامی المسیحی
۸ - دنیا الشباب
۹ - دنیا المرأة
۱۰ - تأملات اسلامیة حول المرأة
۱۱ - قراءة جدیدة لفقه المرأة الحقوقی (فی جزئین)
۱۲ - الوحدة الاسلامیة بین الواقع والمثال
۱۳ - قضایا اسلامیة معاصرة
۱۴ - اسئلة وردود من القلب
۱۵ - المرجعیة وحرکة الواقع
۱۶ - الاسلام والمسیحیة
۱۷ - الاسلام وفلسطین
۱۸ - الاسلامیون وتحدیات المعاصرة
۱۹ - الاسلام والمشروع الحضاری
۲۰ - تحدی الممنوع

۲۱ - خطاب الاسلامیین والمستقبل

۲۲ - مع الحکمۃ فی خط الاسلام

۲۳ - الندوۃ (چھ جلدیں)

۲۴ - الجمعۃ منبر و محراب

۲۵ - صلاۃ الجمعۃ الکلمۃ والموقف

۲۶ - من وحی عاشوراء

۲۷ - حدیث عاشوراء

۲۸ - احادیث عاشوراء

۲۹ - علی طریق کربلاء

۳۰ - تاملات فی آفاق الامام موسیٰ الکاظمؑ

۳۱ - فی رحاب اہل البیتؑ (مجلدان)

۳۲ - آفاق اسلامیۃ

۳۳ - فی رحاب الدعاء

۳۴ - للانسان والحیاۃ

۳۵ - حوارات فی الفکر والاجتماع والسیاسۃ

۳۶ - رؤی و مواقف (۳ اجزاء)

۳۷ - المعالم الجدیدۃ للمرجعیۃ الشیعیۃ

۳۸ - تاملات فی الفکر السیاسی الاسلامی

۳۹ - صراع الارادات

۴۰ - الھجرۃ والاغتراب

۴۱ - ارادۃ القوۃ

۴۲ - بینات

۴۳ - شرح خطبہ الزہرا(ع)

۴۴ - الفقیہ والامۃ (تاملات فی الفکر السیاسی والمنہج الاجتہادی و الحرکی عند الامام الخمینیؒ

۴۵ - فی آفاق الروح (شرح صحیفہ سجادیہ۔ مجلدان)

و : شعری مجموعے

۱ - یا ظلال الاسلام (رباعیات)

۲ - قصائد من اجل الاسلام والحیاۃ

۳ - فی ظلال الشباب

۴ - اناشید للسائرین فی طریق اللہ

۵ - علی شاطیء الوجدان

ان کے علاوہ مختلف بین الاقوامی سیمینارز میں آپ کے علمی مقالات اور فکری نشستوں میں آپ کے بیش قیمت اظہار خیال بھی گراں قدر علمی سرمائے کی حیثیت رکھتے ہیں۔